جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفیؔ، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جس پر

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ایم۔اے

شعبہ اردو - لکھنؤ یونیورسٹی نے نظر ثانی کی

دوسری جلد

۱۹۳۵

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
The Hindustani Academy
ALLAHABAD

PRICE { Unbound Copy Rs. 8/-
Bound Copy Rs. 8/8

Printed by
Onkar Prasad Gaur at the K. P. Press.
ALLAHABAD

فہرست

شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ	ا
۲	خلاصہ دور	الف
۳	میر	ک
۴	انتخاب	ا
۵	سودا	۲۴۱
۶	انتخاب	۲۴۶
۷	خواجہ میر درد	۲۵۵
۸	انتخاب	۳۵۹
۹	میر حسن	۳۰۷
۱۰	انتخاب	۳۰۸
۱۱	سوز	۳۵۴
۱۲	انتخاب	۳۵۶
۱۳	اثر	۳۶۷
۱۴	انتخاب	۳۶۹
۱۵	جرأت	۳۸۲
۱۶	انتخاب	۳۸۳
۱۷	انشا	۵۳۵
۱۸	انتخاب	۵۳۷
۱۹	مصحفی	۵۷۵
۲۰	انتخاب	۵۷۷
۲۱	افسوس	۶۶۳
۲۲	انتخاب	۶۶۴
۲۳	نصیر	۶۶۷
۲۴	انتخاب	۶۶۹
۲۵	راسخ	۶۷۶
۲۶	انتخاب	۶۷۸
۲۷	بیدار	۶۸۶
۲۸	انتخاب	۶۸۷
۲۹	سجاد	۶۹۳
۳۰	انتخاب	۶۹۴
۳۱	محسن	۷۰۱
۳۲	انتخاب	۷۰۱
۳۳	قائم	۷۰۳
۳۴	انتخاب	۷۰۵
۳۵	بے تاب	۷۲۴
۳۶	انتخاب	۷۲۴
۳۷	مجذوب	۷۲۶
۳۸	انتخاب	۷۲۶
۳۹	ماہر	۷۲۹
۴۰	انتجاب	۷۲۹
۴۱	ممتاز	۷۳۱
۴۲	انتخاب	۷۳۱
۴۳	ہدایت	۷۳۳
۴۴	انتخاب	۷۳۴
۴۵	ہوس	۷۴۱
۴۶	انتخاب	۷۴۲
۴۷	فدوی	۷۵۴
۴۸	انتخاب	۷۵۵
۴۹	محبت	۷۵۹
۵۰	انتخاب	۷۵۹
۵۱	غضنفر	۷۶۲
۵۲	انتخاب	۷۶۲
۵۳	نصرت	۷۶۸
۵۴	انتخاب	۷۶۸
۵۵	صاحب و شفیق	۷۷۰
۵۶	انتخاب	۷۷۱
۵۷	اختر	۷۷۵
۵۸	انتخاب	۷۷۶
۵۹	شہیدی	۷۸۱
۶۰	انتخاب	۷۸۳

شمار	مضمون	صفحہ
۶۱	امیر	۷۹۷
۶۲	انتخاب	۷۹۸
۶۳	مسرور	۸۰۰
۶۴	انتخاب	۸۰۱
۶۵	عیشی	۸۰۷
۶۶	انتخاب	۸۰۸
۶۷	غافل	۸۱۹
۶۸	انتخاب	۸۱۹
۶۹	مخمور	۸۲۴
۷۰	انتخاب	۸۶۴
۷۱	تنہا	۸۲۴
۷۲	انتخاب	۸۲۸
۷۳	جوشش	۸۳۲
۷۴	انتخاب	۸۳۲
۷۵	ریحان	۸۳۵
۷۶	انتخاب	۸۳۶
۷۷	بسمل	۸۴۱
۷۸	انتخاب	۸۴۲

دیباچہ

ہندوستانی ایکیڈیمی صوبہ متحدہ نے اردو شاعروں کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا ارادہ کیا اور انتخاب کا کام مولوی محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی کے سپرد کر دیا - موصوف نے کئی سال کی محنت میں یہ انتخاب تیار کرکے اُس کو چھہ جلدوں میں ترتیب دیا - اِس کے بعد اکیڈیمی کی جانب سے ہر جلد کے لئے ایک ایڈیٹر مقرر ہوا - چنانچہ اِس دور کی دوسری جلد پر نظر ثانی کرنے کی ذمہ‌داری مھرے سپرد کی گئی نظرثانی کرتے وقت میں نے زیادہ ترحذف و ترمیم سے کام لیا - شعرا کے حالات و سنین وغیرہ میں مولف کتاب کی تحقیق پر اعتماد کر کے صرف غیر ضروری باتیں حذف کردیں ' عبارت میں لفظی ترمیم کردی ' بیان کی ترتیب میں ضروری تغیر کر دیا ' اور بعض شعرا کے خصوصیات کلام از سرِ نو لکھے - کلام کے انتخاب میں بھی زیادہ ترحذف سے کام لیا - جو اشعار ذوق سلیم پر گراں معلوم ہوے ان کو نکال دیا ' جن شاعروں کے کلام کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں یا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے اِس دور میں شامل نہیں ہو سکتے اُنھیں خارج کر دیا - اس کاٹ چھانٹ کے بعد کتاب کی ضخامت نصف کے قریب رہ گئی پھر بھی یہ جلد تقریباً ہزار صفحوں پر مشتمل ھے -

کتاب کے مسودے میں سے جہاں بہت کچھہ حذف کر دیا گیا ھے وہاں تھوڑا سا اضافہ بھی کیا گیا ھے - حضرت میر سے مجھکو جو دلی عقیدت اور ان کے کلام کی میری نظر میں جو وقعت ھے اس نے مجھے مجبور کیا کہ اس شاعرِ اعظم کے جو بلند پایہ اشعار نظر انداز ہو گئے ھیں انھیں انتخاب میں شامل کر دوں ' مگر اِس کام کے لئے ضروری تھا کہ میر کے ساتوں دیوانوں کا شروع سے آخر تک بالاستیعاب مطالعہ کیا جاے - افسوس ھے کہ میری کم فرصتی نے اس کا موقع نہ دیا اور صرف ردیف الف میں کوئی سوا سو اشعار اضافہ کرنے کے بعد مجھے یہ خیال ترک کر دینا پڑا -

سودا کے قصیدے اور ہجویں ' میر کی مثنویاں اور واسوخت ' میر حسن کی مثنوی سحرالبیان ' اِن چیزوں کے جو انتخابات اِس کتاب میں شامل ہیں ان کا ذمہ‌دار زیادہ تر میں ہوں میرتقی میر کے حالات اور مقدمہ کتاب جس پر ' خصوصیات دور ' کی جگہ ' خلاصۂ دور ' کا عنوان چھپ گیا ہے یہ دونوں چیزیں بھی میں نے از سر نو لکھی ہیں - اِن کے علاوہ شعرا کے حالات و منتخبات مولف کتاب کی محنت کا نتیجہ ہیں -

کتاب کے مسودے پر نظر ثانی کرتے وقت میں نے کتابت وغیرہ کی بہت سی غلطیوں پر نشان لگا دئے تھے اور ترتیب وغیرہ کے متعلق بہت سی ہدایتیں کر دی تھیں - لیکن افسوس ہے کہ نہ سب غلطیوں کی تصحیح ہوئی اور نہ کل ہدایتوں پر عمل کیا گیا بہر حال میں نے مطبوعہ نسخے پر ایک سرسری نظر ڈال‌کر غلطیوں کی فہرست بنادی ہے جس کے مکمل ہونے کا دعوی نہیں کیا جا سکتا - یہ فہرست کتاب کے آخر میں لگا دی گئی ہے - ناظرین اس کو دیکھہ کر غلطیوں کی تصحیح کر لیں - چند غلطیاں جن کی اس فہرست میں گنجائش نہ تھی ذیل میں درج کی جاتی ہیں -

۱—میر کی ایک غزل کے پانچ شعر جو صفحہ ۴ میں موجود تھے صفحہ ۴۸-۴۹ میں مکرر درج ہو گئے ہیں -

۲—مندرجہ ذیل شعر صفحہ ۴۶۹ اور صفحہ ۴۷۱ دونوں میں درج ہے :—

بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا - قہر ہوتا جو باوفا ہوتا -

۳—ذیل کا شعر صفحہ ۴۷۴ میں بھی موجود ہے - اور صفحہ ۴۷۹ میں بھی :—

بے وفا تیری کچھہ نہیں تقصیر - مجھہ کو اپنی وفا ہی راس نہیں

۴—صفحہ ۴۴ میں تیسرے شعر کا دوسرا مصرع یہ ہونا چاہئے :—

ع آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا -

۵—صفحہ ۱۷۱ میں پہلے شعر کا پہلا مصرع یہ ہونا چاہئے :—

ع جب نام ترا لیجئے تب چشم بھر آوے -

۶—صفحہ ۳۹۹ سطر ۹ میں لفظ "مثنوی" کے بعد یہ عبارت چھپنے سے رہ گئی ہے :—

" سحرالبیان ہے - نقادان سخن کی متفقہ راے ہے کہ اُردو شاعری اِس مثنوی "

۷—اصل کتاب میر کے حال سے شروع ہوتی ہے - اس لئے جس صفحے پر میر کے حالات کی ابتدا ہوئی ہے اسی سے کتاب کے صفحوں کا شمار شروع ہونا چاہئے تھا - مگر میر کے حالات جن صفحوں میں ہیں اُن پر " خلاصہ دور " کے سلسلے میں حروف ابجد لکھہ دئے گئے ہیں - اِس سے حالات میر مقدمہ کتاب کا جزو معلوم ہونے لگے ہیں حالانکہ وہ اصل کتاب میں شامل ہیں -

آخر میں یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں نے اِس کتاب پر نظر ثانی کرنے میں بہت سا وقت صرف کیا اور بہت کچھہ حذف و اضافہ کیا پھر بھی یہ انتخاب ایسا نہ ہوا جیسا میرا جی چاہتا تھا - میرا یہ کہنا مولف کتاب کی محنت کو کم کر کے دکھانا یا اُن کے مذاق سخن پر حرف رکھنا نہیں ہے بلکہ صرف اُس اختلاف مذاق کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دو آدمیوں میں فطرتاً موجود ہوتا ہے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

کوہ منصوری ۳ جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

خلاصہ دور

جلد دوم

مؤلف کتاب نے جس عہد کو اردو شاعری کا دوسرا دور قرار دیا ہے وہ تقریباً سنہ ۱۱۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے - اور کوئي ایک صدي تک قائم رہ کر سنہ ۱۲۵۰ھ کے قریب ختم ہوتا ہے - اردو شاعری کی تاریخ میں بعض حیثیتوں سے یہ دور سب سے زیادہ اہم ہے -

اس دور میں ایسے ایسے باکمال شاعر پیدا ہوے اور انہوں نے ہر صنف سخن میں ایسے ایسے شاہکار پیش کئے کہ اُردو شاعري بڑے بڑے مشکل پسند اور نکتہ چیں طبائع میں بھی مقبول اور معزز ہوگئي - اگر ایسے معجز نگار اور بلند فکر شعر اس دور میں جمع نہ ہو گئے ہوتے تو اردو شاعری کو مقبول عام ہونے میں بہت زمانہ لگتا' اور ایک مدت دراز کے بعد شاید وہ اس قابل ہوتی کہ لوگ فارسی کي سي عزیز اور دلکش زبان کو چھوڑ کر اردو میں شعر کہنے کی طرف متوجہ ہوجائیں -

فارسي شاعری کي طرح اردو شاعري کي اہم صنفیں بھي یہي تین تھیں - غزل - قصیدہ - مثنوي - اس دور میں ان تینوں صنفوں کي تکمیل ہوئي - غزل کي تکمیل میر' سودا' درد' قائم اور مصحفي کی منت گزار ہے - قصیدہ اپنی تکمیل کے لئے

سودا ، انشا اور مصحفی کا مرہون منت ہے - مثنوی کی تکمیل میر - اثر - حسن اور مصحفی کے ہاتھوں ہوئی - رباعیاں بھی اس دور کے متعدد شاعروں نے خوب خوب لکھیں - مگر خواجہ میر درد نے اس صنف سخن کی طرف خاص توجہ کی -

اس دور میں مرثیے کو بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی - متعدد شعرا ایسے گزرے جنھوں نے اپنی عمر اسی صنف شعر کی خدمت میں صرف کردی - ان میں سکندر ، مسکین ، گدا ، افسردہ ، احسان کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں - ان کے علاوہ میر اور سودا کے سے باکمال شاعروں نے بھی اس صنف کی طرف خاص طور پر توجہ کی اور بہت بہت سے مرثیے تصنیف کیے - سودا نے مرثیے کو شعر کی مشکل ترین صنف کہہ کر اس کی عظمت مسلم کردی - مرثیہ دوسرے اصناف سخن سے اس قدر الگ اور مقدار میں اتنا زیادہ ہے کہ وہ اپنا انتخاب علیحدہ چاہتا ہے اس لیے مرثیے اس جلد میں شامل نہیں کیے گئے ہیں -

بعض اصناف سخن جو اردو میں موجود ہی نہ تھے ان پر اس دور کے شعرا نے پہلے پہل طبع آزمائی کی - واسوخت اور مسمط کی بعض صورتیں میر نے اردو شاعری میں داخل کیں - ہجو گوئی کا راستہ میرضاحک اور مرزا سودا نے دکھایا - ریختی کی ایک نئی صنف رنگین اور انشا نے ایجاد کی -

اصناف سخن کے علاوہ اس دور میں شاعری میں بعض خاص کیفیتیں بھی پیدا کی گئیں - میر نے محبت اور انسانیت کا بلند ترین معیار پیش نظر کردیا اور غم و حسرت کے دریا بہا دیے -

درد نے صوفیانہ خیالات شاعرانہ انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیے - حسن نے منظر کشی اور سیرت نگاري کے بہترین نمونے پیش کیے - جرات نے معاملہ بندی کا کمال دکھایا - انشا اور رنگین نے ظرافت اور ھزل کو شاعري میں جگہ دي - انشا نے مشکل زمینوں میں شعر کہنے کي ابتدا کی - اور ایک نہایت مفید بات یہ ھوئي کہ ایہام گوئی متروک ھوگئی یعني اردو کے قدیم شاعروں کے یہاں شعر کی بنیاد اکثر کسي خیال پر نہیں بلکہ کسی لفظ یا کسي صنعت پر ھوتی تھی - یہ طریقہ اس دور میں ترک کردیا گیا -

زبان کی اصلاح اور توسیع کے لحاظ سے بھي یہ دور بڑي اھمیت رکھتا ھے - مکروہ اور ثقیل لفظوں سے زبان کو پاک کرنا محاوروں میں تراش خراش کر کے ان کو سڈول بنانا ' نظم کی زبان سے زوائد یعنی بھرتی کے لفظوں کو نکال دینا ' اور زبان کی صحت و فصاحت کا معیار قائم کرنے کي کوشش کرنا اس دور کے شعرا کا شاندار کارنامہ ھے - یوں تو کچھ زمانے کے بعد کچھ لفظ فطرتاً اور لزوماً متروک ھو ھي جاتے ہیں ' اور کچھ محاوروں کی شکل خود بخود بدل جاتي ھے - لیکن اس دور کے شعرا نے اپنے ارادے اور کوشش سے زبان کو درست کیا - بے شمار فارسی ترکیبوں ' محاوروں اور مثلوں وغیرہ کا خوبصورتی سے ترجمہ کر کے زبان کو وسعت دي - اپنے فطري سلیقے اور غیر معمولي قدرت بیان کي بدولت اظہار خیال کے ھزاروں اسلوب پیدا کردیے - اور اردو کو اس قابل بنادیا کہ اس میں باریک سے باریک خیال اور نازک سے نازک جذبات ادا کیے جاسکیں - اس سلسلے میں میر - سودا - درد اور قائم کے خدمات خاص طور پر قابل ذکر ھیں - ان

حضرات کے مندرجہ ذیل دعوے خود ان کی اصلاحي کوششوں کا ثبوت هیں :-

(میر)

ریختہ کاهے کو تھا اس رتبۂ عالی میں "میر"
جو زمیں نکلي اُسے تا آسماں میں لے گیا

ریختہ رتبے کو پہنچایا هوا اس کا هے
معتقد کون نہیں "میر" کي استادي کا

(سودا)

کہے تھا ریختہ کہنے کو عیب ناداں بھي
سو یوں کیا میں کہ دانا هنر لگا کہنے

(قائم)

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچرسي بہزبانِ دکھني تھي

اسي دور میں سید انشا نے دریاے لطافت لکھ کر زبان کي صحت و فصاحت کا معیار قائم کردیا - اِس معیار کي اشاعت میں رنگین نے سب سے زیادہ کام کیا - بچپن هي سے اُن میں اِتني جرأت تھي کہ اپنے استاد معظم و محترم بوڑھے شاہ حاتم کو اُن کے شاگردوں مریدوں اور عقیدتمندوں کے مجمع میں ٹوک سکتے تھے سن کے ساتھ ساتھ اُن کی یہ جرات بھي[1] بڑھتي

---

[1] دیکھو "مجالس رنگیں" مجلس اول -

گئي - رنگین ایک خوشحال اور تجارت پیشہ شخص تھے اکثر سفر میں رہتے تھے - جہاں جاتے تھے وہاں کے شاعروں اور شاعری سے دلچسپي رکھنے والوں کو اپنے گرد جمع کر لیتے تھے ' شاعری اور زبان کے مسائل پر بحثیں چھیڑ دیتے تھے - اِن بحثوں کے سلسلے میں بڑے بڑے استادوں کے کلام پر بے دھڑک اعتراض کر کے اُس پر اصلاح دے دیتے تھے - اِس طرح وہ زبان کی صحت اور فصاحت کے معیار کي اشاعت شہروں شہروں کرتے پھرتے تھے - اُن کی اِس کار گزاری کی تفصیل دیکھنا ہو تو اُن کی کتاب مجالس رنگین پڑھیے [۱] -

زبان کی اصلاح کے سلسلے میں یہ بات بھي قابل ذکر ہے کہ اِس دور سے پہلے شاہ حاتم کے وقت سے اُردو شاعروں میں یہ رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ ہندي کے لفظ ترک کرکے اُن کی جگہہ فارسي اور عربي کے مانوس اور کثرالاستعمال الفاظ کو جگہہ دي جائے - اِس دور میں اِس رجحان کو برابر ترقي ہوتی رہي یہاں تک کہ اِس کے آخری حصے میں فارسي ترکیبوں کا اِستعمال کثرت سے ہونے لگا - ''ہوس'' اور ''ہدایت'' کے کلام میں یہ بات خاص طور پر نمایاں ہے - فارسي شاعري کی تقلید کا رجحان بھی اِس دور سے پہلے شروع ہو چکا تھا - یہ رجحان بھي اِس

---

[۱] یہ دلچسپ اور مفید کتاب سعادت یار خاں ''رنگین'' دہلوي نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں تالیف کی اس کا ایک اَڈیشن سنہ ۱۲۶۳ میں مطبع محمدی میں چھپا - ایک مدت تک یہ کتاب نہایت کمیاب رہي - مذکورہ اڈیشن کے کوئي چوراسی برس بعد راقم حروف نے اس کو ایک مقدمے اور ضروري فہرستوں کے ساتھ ترتیب دیا اور کتاب گھر لکھنؤ نے اس کو سنہ ۱۹۲۹ میں شایع کیا -

دور میں ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ جو تھوڑی بہت خالص
ھندی تشبیہیں - استعارے - تلمیحیں وغیرہ اِس دور کے ابتدائی
شاعروں کے یہاں نظر آجاتی تھیں آگے چل کر وہ بالکل مفقود
ھوگئیں اور انداز بیان اور پرواز خیال دونوں میں فارسی شاعری
کی تقلید ھونے لگی -

شاعری اور زبان کی ترقی کے ساتھہ خیالات میں نزاکت
اور بیانات میں تکلف کا پیدا ھو جانا ضروری ھے - اِس دور کے
شعروں کا بیان ابھی قدرتاً اتنا صاف اور بے تکلف نہیں ھے
جتنا اُن کے پیشرووں کا تھا - لیکن انکا تکلف تصنع کی حدتک
نہیں پہنچتا اِس لیے اُس سے کلام کی صوری خوبیوں میں
اضافہ ھو جاتا ھے اور معنوی خوبیوں میں کوئی کمی نہیں ھوتی -

اُردو شعرا کے تذکرے پہلے پہل اِسی دور میں لکھے گیے -
' میر ' - ' مصحفی ' - اور ' قائم ' - کے سے کامل استادوں کے لکھے
ھوے تذکرے اب بھی موجود ھیں جو اُردو شعر کی تاریخ
اور تنقید کے لیے بہت قیمتی مواد فراھم کرتے ھیں - اِن کے
علاوہ اور بھی متعدد تذکرے اِس دور میں لکھے گیے جن میں
سے بعض ھندوستانی اور اکثر برطانوی کتب خانوں میں محفوظ
ھیں -

اِس دور کے شعرا کی تمام فضیلتوں کا اعتراف کرنے کے بعد
اِس حقیقت کا اظہار بھی ضروری معلوم ھوتا ھے کہ اِن باکمالوں
نے اپنی شاعری کو زیادہ تر اپنے پیشرووں کے مضامین میں
محدود رکھا - ھاں اتنا ضرور کیا کہ پرانے مضامین کو نئے نئے
پہلو نئے نئے اسلوبوں سے نہایت پرلطف اور پراثر انداز میں

پیش کیے ۔ لیکن اِس دور کے آخری حصے کے اکثر شاعروں نے اپنا
سارا کمال حسنِ بیان اور جدت ادا میں صرف کر دیا ۔ البتہ
''رنگین'' اور ''انشا'' نے اتنی جدت ضرور کی کہ ظرافت بلکہ
ھزل کو شاعری میں داخل کردیا ۔ ریختی کا ایجاد بھی حقیقت میں
ھزل کے لیے ایک نیا میدان تھا ۔ اگر اِس صنف نظم میں
عورتوں کے شریف و لطیف جذبات اُنھیں کی زبان میں ادا کیے
جاتے تو اُردو شاعری میں ایک نہایت قابل قدر اضافہ ھو جاتا ۔

اِس عہد کے اکثر شعرا بہت پرگو تھے ۔ مثلاً ''میر'' ۔
''سودا'' ۔ ''مصحفی'' ۔ ''جرات'' ۔ ''رنگین'' ۔ اِس لیے اُن
کا تمام کلام یکساں نہیں ھے ۔ بلند اور پست خیالات صوفیانہ اور
سوقیانہ جذبات ۔ درباری اور بازاری محاورات اکثر پہلو بہ پہلو نظر
آتے ھیں ۔

بہر حال اِن شاعروں نے اُردو زبان اور شاعری کی وہ جلیل القدر
خدمتیں انجام دیں کہ اُن سے اِن کو غیر فانی عظمتیں حاصل
ھوئیں ۔ اور بعض شعرا نے بعض اصناف سخن میں وہ درجہ
حاصل کرلیا کہ اُن کی صنف خاص میں اُنکا کوئی نظیر نہ
اب تک ھوا ھے نہ آئیندہ ھونے کی اُمید ھے ۔ غزل میں میر
کو قصیدے میں ''سودا'' کو ۔ مثنوی میں حسن کو ۔ صوفیانہ
شاعری میں ''درد'' کو معاملہ بندی میں جرأت کو، ھزل
میں انشا کو، وہ مرتبہ حاصل ھوا جو پھر کسی دوسرے کو
نصیب نہ ھوا ۔ مختلف اصناف سخن کے اتنے بڑے بڑے استاد
کسی دور میں جمع نہیں ھوئے ۔ اس دور کے باکمال شعرا کو
جو عظمت اپنی زندگی میں حاصل تھی اس میں آج تک،

کوئی کمی نہیں ہوئی اور جب تک اردو زبان باقی ہے ان کی یہی عظمت باقی رہے گی - مگر یہ فخر حضرت سلطان الشعرا میر تقی میر کے لیے مخصوص ہے کہ ان کے ہم عصروں سے لے کر آج تک کے تقریباً تمام ممتاز شعرا نے دل کھول کھول کر ان کی مدح کی ہے -

اس دور کی زبان میں بعض صرفی و نحوی خصوصیتیں ایسی تھیں جو بعد کو باقی نہیں رہیں اور بہت سے لفظ اور محاورے ایسے تھے جو آگے چل کر متروک ہوگئے یا جن میں کچھ لفظی یا معنوی تغیر ہوگیا - مثلاً اب جن حالتوں میں افعال متعدی کے لیے علامت فاعل 'نے' کا لانا ضروری ہے اس عہد میں ضمیر متکلم کے ساتھ ضروری نہ تھا مثلاً ' میں کہا ' میں کیا - میں سنا وغیرہ بے تکلف لاتے تھے - فعل حال کے صیغے بنانے کے لیے اب ماضی تمنائی کے صیغوں پر ' ہے ' اور اس کے اخوات کا اضافہ کرتے ہیں - اس عہد میں اس غرض کے لیے مضارع کے صیغوں پر ' ہے ' وغیرہ بڑھاتے تھے - ''اور آتا ہے'' ''کہتے ہیں'' ''پوچھتے ہو'' '' مارتا ہوں '' کی جگہ '' آئے ہے '' '' کہیں ہیں '' پوچھو ہو '' ماروں ہوں بولتے تھے - اسی طرح کہتا تھا سنتا تھا کی جگہ کہے تھا سنے تھا کہتے تھے - جمع کی حالت میں مونث فعلوں کے ماضی کے صیغوں میں آخری نون سے پہلے ایک الف بڑھاتے تھے اور حال کے صیغوں میں فعل اصلی کی آخری '' ی '' کے بعد الف نون بڑھاتے تھے اور '' آئیں '' - '' چلیں '' - '' دیکھیں '' کی جگہ '' آئیاں '' - '' چلیاں '' - '' دیکھیاں '' اور '' آتی ہیں '' '' بستی ہیں '' - '' ترستی ہیں '' کی جگہ '' آتیاں ہیں '' -

" بستیاں ہیں " - " ترستیاں ہیں " بولتے تھے - فارسی اِسموں
کی جمع فارسی قاعدے سے الف نون بڑھاکر ترکیب فارسی کی
حالت میں اب بھی بولتے ہیں - مگر اُس عہد میں بغیر
ترکیب کے بھی لاتے تھے یعنی خوباں - محبوباں - یاراں -
بلبلاں وغیرہ انفراداً بھی اِستعمال کرتے تھے - " آکے " " ہوکر "
وغیرہ کی جگہہ " آئے کے " " ہوے کے " وغیرہ کا اِستعمال قدیم
زمانے میں عام تھا اِس دور میں بھی " میر " نے " ڈھاکر "
کی جگہہ " ڈھاے کر " نظم کیا ہے مگر یہ صورت اِستعمال اِس
عہد میں بہت شاذ تھی - جب مونث اسم جمع کی حالت
میں موصوف واقع ہوتا تھا تو اُس کی صفت بھی کبھی کبھی
جمع لاتے تھے اور صفت کی جمع بنانے کے لیے واحد کے آخر
میں الف نون بڑھاتے تھے مثلاً " کڑیاں ساعتیں " - " بھاریاں "
" بیڑیاں " - " کو " کے محل پر کے " تئیں " تم اب تک
لوگوں کی زبان پر ہے لیکن " تک " کی جگہہ " تئیں " کا
کا اِستعمال اُس دور سے مخصوص تھا مثلاً " کب تئیں "
" یہاں تئیں " کبھی کبھی " تک " کی جگہہ " لگ "
بھی لاتے تھے مثلاً " کب لگ " جن حروف معنوی کے آخر
میں اب " واو " یا " ی " ہے اُن کے آخر میں اکثر
نون غنہ بھی لاتے تھے مثلاً " کو " " سو " " نے " " سے " کی
جگہ " کوں " " سوں " - " نیں " - " سیں " بولتے تھے - ضمیر
حاضر " تو " کی جگہ " توں " اور کبھی " تیں " بھی
استعمال - کرتے تھے - بعض لفظوں کے دو تلفظ رائج تھے مثلاً
" اِدھر " - " اُدھر " - " جدھر " - " کدھر " - " لہو " - " جگہ "
" لگا " - " بجنا " - " پھٹنا " - متی - پھر کو " اِدھر " - " اُدھر "

'' جدھر '' - '' کدھر '' - '' لوھو '' - '' جاگہ '' - '' لاگا '' -
'' باجنا '' - '' پھاٹنا '' - '' ماتی '' - '' پھیر '' - بھی کہتے ھیں-
بعد کو ان لفظوں کي صرف پہلي صورتیں جو مختصر تھیں باقی
رہ گئیں اور دوسری صورتیں متروک ھو گئیں - بعض لفظوں کے
تلفظ میں صرف ذرا سا اعراب کا فرق تھا مثلاً '' ھلنا '' - '' گھسنا ''
اُس زمانے میں '' ھلنا '' اور '' گھسنا '' تھے - بعض لفظوں کے
استعمال میں اور اور طرح کا تھوڑا تھوڑا سا فرق تھا مثلاً '' اُن
کو '' '' جن کے '' کي جگہ '' اُنھوں کو '' '' جنھوں کے '' اور '' میرے ''
'' تیرے '' کی جگہ '' مجھ '' '' تجھ '' بھي بولتے تھے -
'' جس '' کا صلہ '' تس '' اور '' جدھر '' کا '' تدھر '' رائج تھا -
اب ان کی جگہ '' اُس '' اور '' اُدھر '' لاتے ھیں - '' کسو '' - 'کبھو'
'' جیو '' '' جیوں '' - '' سیتي '' - کہ '' تو '' اب '' کسي ''
'' کبھي '' - '' جي '' - '' جوں '' - '' سے '' کب '' تب '' ھو
گیے ھیں - '' اُس نے '' '' جس نے '' کي جگہ اُس زمانے میں
'' اُن نے '' '' جن نے '' بولتے تھے - لفظوں کی تذکیر و تانیث میں
بھي کہیں کہیں اختلاف تھا مثلاً '' مزار '' کو مونث اور '' خلش ''
کو مذکر بولتے تھے -

اب تک جن لفظوں کا ذکر کیا گیا وہ تھوڑے تھوڑے سے تغیر
کے ساتھ اب بھي بولے جاتے ھیں - ان کے علاوہ اُس دور میں
ایسے لفظ اور محاورے کثیر تعداد میں رائج تھے جو بعد کو
بالکل متروک ھوگیے اور اُن کی جگہ نئے لفظوں نے لے لی -
مثال کے طور پر اِس طرح کے چند لفظ یہاں لکھے جاتے ھیں -
ند اِب - آخر - آخرکار '' - '' بستار - پھیلاؤ '' - '' اُور - طرف '' -

'' نگر - شہر '' - '' تک - زرا '' - '' نت - ھمیشہ'' - '' تنک - زراسا '' - '' باس - بو - خوشبو '' - '' پون - ھوا '' - '' بچن - بات - قول '' - '' مکھ - منہ '' - '' زور - خوب '' - بہت '' - '' تیوڑ - تھانوں - جگہہ '' - '' وے - وہ کی جمع '' - '' انکھیاں - آنکھیں '' - '' کنے - کے پاس '' - '' کے بیچ - میں '' - '' موندنا بند کرنا '' - '' گہنا - پکڑنا '' - ان میں کے بعض لفظوں کا استعمال اُسی دور میں کم ھوتا گیا یہاں تک کہ وہ دور کے آخر میں بالکل ترک ھو گیے - بعض زیادہ مدت تک رائج رھے - بعض جن کی تعداد بہت کم ھے آج تک کسی کسی کے زبان پر جاری ھیں مگر لکھنے میں مدت سے نہیں آتے مثلاً '' کسو '' - '' کد '' - '' کدھی '' - '' آتیاں ھیں '' -

سید '' انشا '' نے چند لفظ مثلاً جھمکڑا واچھڑے - بھلرے - ایسے نظم کردیے ھیں جو کسی دوسرے شاعر کے کلام میں نہیں پائے جاتے - اس کی خاص وجہ یہ معلوم ھوتی ھے کہ متین شاعروں کی سنجیدہ شاعری کے لیے اِس طرح کے لفظ جس قدر نامناسب تھے ظریف طبع انشا کی ہزل آمیز شاعری کے لیے اُتنے ھی مناسب تھے - وہ اپنی شاعری سے سامعین پر جس طرح کا اثر ڈالنا چاھتے تھے اُس کے لیے اِن لفظوں سے اُن کو مدد ملتی تھی -

اس دور کی خصوصیتوں اور اس کے نمایندوں کے کارناموں سے تفصیلی بحث کرنا یہاں منظور نہیں ھے - اِن چیزوں کی طرف صرف ایک اشارہ کر دینا مقصود ھے اس لیے اس اجمالی بیان پر اکتفا کی جاتی ھے -

سید مسعود حسن رضوی ادیب

میر

بارھویں صدی ھجری کی پہلی چوتھائی گزرنے کے بعد اکبرآباد کی زمین پر ایک ستارہ نمودار ھوا جو شاعری کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکا - کون اُردو داں ھوگا جو میر محمد تقی میر سے واقف نہ ھو -

خدائے سخن حضرت میر کے والد بزرگوار ایک صوفی منش ' درویش صفت بزرگ تھے ' نام محمد علی تھا مگر اپنے زھدواتقا کی بدولت علی متقی کہلاتے تھے - ایک مرتبہ اثنائے سفر میں اُن کی نظر کیمیا اثر نے بیانہ کے ایک نوجوان کو ایسا متاثر کیا کہ وہ گھر بار چھوڑ کر اُن کی تلاش میں نکل کھڑا ھوا - آخر شوق کی رھنمائی سے اُس کو منزل مقصود کا پتا مل گیا - اکبرآباد پہونچ کر اُس نے میر علی متقی کا دامن ایسا مضبوط پکڑا کہ مر کے چھوڑا - میر تقی کی تربیت اِسی تارک دنیا درویش سید امان اللہ کی گوٹ میں ھوئی -

ابھی میر صاحب کی عمر صرف دس برس کی تھی کہ سید امان اللہ نے انتقال کیا - اس حادثے نے اُن کو سخت صدمہ پہونچایا اور اُن کے والد تو اس غم میں ایسے پڑے کہ پھر نہ اُٹھے - باپ کی نا وقت موت سے میر صاحب پر مصیبتوں کا دروازہ کھل گیا - سوتیلے بڑے بھائی نے کل ترکے پر قبضہ کر کے

ان کو ستانا شروع کیا - جب اپنے گھر میں بیٹھنے کا ٹھکانا نہ رہا تو انھوں نے معاش کي تلاش اور علم کے شوق میں دھلي کا رخ کیا - وھاں ان کے انھیں برادر یوسف کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو موجود تھے جو علم و فضل میں اپنے زمانے میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے - میر صاحب نے انھیں کے یہاں قیام کیا - مگر وہ سرچشمۂ علم ان کے لیے محض ایک سراب ثابت ہوا -

خان آرزو کی بے توجھي اور بدسلوکی سے تنگ آکر میر صاحب نے اُن کے یہاں کے قیام کو سلام کیا - خواجہ محمد باسط نے اپنے چچا امیرالامراء نواب صمصام الدولہ سے اُن کي شفارش کی اور نواب نے اُنکا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا - ایک ذي علم بزرگ میر جعفر عظیم آبادي نے اُن میں تحصیل علم کا شوق دیکھ کر اُن کو بڑي محبت اور دلسوزي سے پڑھانا شروع کیا -

کچھ زمانے کے بعد امروھہ کے ایک سید سعادت علي خاں سے ملاقات ھوئي انھوں نے ان کي طبیعت کا رنگ دیکھ کر ریختہ میں شعر کہنے کی صلاح دی - ان امروھوي سید صاحب کي مزاج شناسي نے وہ ساز چھیڑ دیا جس کے نغموں سے تھوڑے ھی دنوں میں سارا شہر گونج اُٹھا -

خواجہ میر درد کے والد خواجہ ناصر عندلیب کے یہاں ماھوار مشاعرے ھوا کرتے تھے - میر صاحب ان مشاعروں میں پابندي سے شرکت کرتے تھے - خواجہ ناصر ایک صاحب کشف بزرگ تھے - اُنھوں نے میر کا کلام سن کر ابتداھی میں اُن سے کہہ دیا تھا کہ ایک دن تم میر مجلس ھو جاؤ گے - آخر وہ پیشین گوئي

پوری ہو کر رہی - جب اتفاقات زمانہ نے اس محفل کو درہم و برہم کر دیا تو میر صاحب اپنے یہاں ہر مہینے مشاعرہ کرنے لگے -

میر صاحب نے وہ زمانہ پایا تھا کہ دہلی کی سلطنت بالکل کمزور ہو گئی تھی - امیروں جاگیرداروں اور صوبہ داروں کی باہمی جنگیں احمد شاہ درانی کے حملے اور مرہٹوں کے تاخت و تاراج سے ایک ہلچل پڑی ہوئی تھی - شہر تباہ ہو رہے تھے' آبادیاں ویران ہو رہی تھیں' خاندانی عظمتیں مٹ رہی تھیں' آبائی دولتیں لٹ رہی تھی' میر صاحب زمانے کے یہ غیر معمولی اور تیز افتار اِنقلابات دن رات اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنی ذات پر انکا اثر محسوس کرتے تھے -

اِس دور انقلاب میں میر صاحب کئی مسلمان امیروں اور متعدد ہندو راجاؤں کے دامن دولت سے وابستہ رہے - جہاں جاتے تھے لوگ اُن کو آنکھوں پر بٹھاتے تھے - وہ اپنے اِنھیں ہندو مسلمان مربیوں کے ساتھ جنگوں کے میدانوں میں بھی دکھائي دیتے ہیں - جہاں ہم اُن کو کبھي سفارت کی اہم خدمت انجام دیتے ہوے دیکھتے ہیں اور کبھي دو فریقوں میں مصالحت کی کوشش کرتے ہوئے پاتے ہیں - اِن حالات سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر ہونے کي حیثیت سے جو عظمت میر صاحب کو حاصل تھی اُسکے علاوہ بھي اس عہد کے بڑے سے بڑے لوگوں کي نظر میں اُن کي شخصیت کا وقار اور انکی معاملہ فہمي' نیک نیتي' اور بے تعصبی کا اعتبار تھا -

ایک زبردست اور وسیع سلطنت کے ضعف سے نتائج کا جو سلسلہ شروع ہو جاتا ہے وہ کہیں جاکر ختم ہو لیکن طوائف

السلوکي ، خانہ جنگي ، خانماں بربادی اور شریف کُرشی کي منزلیں ضرور پیش آتي ہیں ۔ میر صاحب کے زمانے میں دہلي انہیں منزلوں سے گذر رہی تھي ، اور شرفائے دہلي ترک وطن پر مجبور ہو رہے تھے ۔ میر صاحب ایک مدت تک انقلابوں کے ہاتھوں تکلیفیں اُٹھاتے رہے ، مگر دہلی کي سکونت ترک نہیں کي ۔ آخر جب گذر اوقات کی کوئي صورت نہ رہي تو ۱۱۹۷ ہجری میں نواب آصف الدولہ کي طلب پر لکھنؤ گئے ۔ نواب نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کردیا ۔ اُس زمانہ کے تین سو آج کے تین ہزار سمجھنا چاہئے ۔ اِس معقول وظیفے کي بدولت میر صاحب عزت اور خوشحالي سے بسر کرنے لگے ۔ آخر ۱۲۲۵ ہجری میں لکھنؤ ہي میں انتقال کیا ۔ کچھ کم سو برس کي عمر پائي ۔

میر صاحب بڑے متوکل ، ذی حسن اور غیور بزرگ تھے ۔ اِن صفتوں نے اُن کو نازک مزاج بھي بنا دیا تھا ۔ اُن کي خود داری بڑے سے بڑے امیروں کي خوشامد اور بیجا ستائش کو جائز نہ رکھتي تھي ۔ ان کي صاف دلي اور انصاف پسندی معائب کے اظہار میں بیباک اور محاسن کے اعتراف میں فیاض تھي ۔ وہ قناعت کا مجسمہ تھے ۔ بعض اوقات فاقوں میں بسر کي مگر کسي کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ، لیکن قناعت کا وفور احسان مندي کے احساس پر غالب نہیں آگیا تھا ۔ وہ چھوٹي سے چھوٹي اعانت کا بالاعلان شکریہ ادا کرتے تھے ۔ نازک دماغ ایسے تھے کہ بڑے سے بڑے نفع کو ٹھکرا دیتے تھے ، مگر کوئي خلاف مزاج بات برداشت نہ کرسکتے ۔ وہ شیشے کا دل اور فولاد

کا جگر رکھتے تھے بڑی بڑی کڑیاں جھیل سکتے تھے ' مگر کڑی بات نہ اٹھا سکتے تھے - وہ اپنے کمال سے بخوبی واقف تھے مگر ایسے خود بیں نہ تھے کہ کسي اور کا کمال اُن کو نظر نہ آتا ھو -

میر صاحب کو فطرت نے ایک درد بھرا دل عطا کیا تھا ' جن گودوں میں اُنھوں نے تربیت پائی ' جن تکلیفوں میں اُنکي زندگي بسر ھوئي ' اور جو انقلابات اُن کی آنکھوں نے دیکھے ' اِن سب کے اثر نے ان کو سراپا درد بنا دیا - اور دنیا اور اسباب دنیا کو اُنکي نظر میں بالکل بے قیمت کر دیا - اسي اِستغنا ' بلند خیالي ' اور درد مندي نے اُن کي شاعري میں وہ شان پیدا کر دی جو کسي دوسرے شاعر کو نصیب نہیں ھوئی - عشق و محبت بھي میر کے طبیعت کا ایک فطری عنصر تھا ' جسکو اُن کے والد کی تعلیم اور میر امان اللہ کی مثال نے اتني ترقی دي کہ وہ تمام دیگر عناصر پر غالب آ گیا - میر صاحب کي شاعري کو عشق کی زبان کہیں تو زیبا ھے -

میر کے لیے شاعري نہ کوئي صنعت تھی نہ تفنن طبع کا ذریعہ ' بلکہ شاعری اُنکي ذات کا ایک جز اور اُن کي طبیعت کا ایک عنصر تھی - وہ شاعر پیدا ھوئے تھے - اپنی شاعري کا موضوع بیشتر وہ خود ھی ھیں ' لیکن اُن کی یہ انانیت اکثر ذاتي اور انفرادي حیثیت سے نہیں بلکہ انسانیت کا ایک نمائندہ ھونے کي حیثیت سے ھے - فطرت نے اُن کو شریف و لطیف جذبات اور عالمگیر محبت و ھمدردي عطا کی تھي ' اُنکا معیار انسانیت بہت بلند تھا ' جس میں استغنا اور عزت نفس کو

بہت بڑا درجہ حاصل تھا ' اُنکا دل درد اور ھمدردی سے اسقدر لبریز تھا کہ وہ کسی کی مصیبت دیکھ نہ سکتے تھے - چونکہ اُنکی شاعری اُن کے قلبی کیفیات کی صحیح تفسیر ھے اس لیے وہ بھی اُنھیں شریف جذبات اور بلند خیالات سے بھری پڑی ھے - میر کی شاعری سے میر کی سچی تصویر تصور کی آنکھوں کے سامنے آ جاتی ھے -

زبان میں انتہا کی صفائی ' بیان میں حد کی دلکشی اور زور ' کلام میں ترنم - خیالات میں سادگی ' جذبات میں بلندی ' طبیعت میں دردمندی ' انسانی فطرت کے دقیق رازوں تک نگاہ کی رسائی واردات قلبی کی صحیح ترجمانی میر کی شاعری کے خاص خصوصیات ھیں - ان خصوصیات نے میر کی شاعری کو درد و اثر کا ایک طلسم بنا دیا ھے - اور میر کو غزل گوئی کا سب سے بڑا استاد منوا دیا ھے - یہ فخر صرف میر ھی کو حاصل ھے کہ ان کے ھمعصروں سے لے کر آج تک کے اکثر با کمال شعرا نے اُن کے کمال کا پرزور لفظوں میں اعتراف کیا ھے - ذیل کے شعر ملاحظہ ھوں :—

(مرزا سودا)

" سودا " تو اس غزل کو غزل در غزل ھی لکھ
ھونا ھے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(شیخ مصحفی)

اے " مصحفی " تو اور کہاں شعر کا دعوی
پھبتا ھے یہ انداز سخن " میر " کے منہ پر

(شیخ " ناسخ ")

شبہ " ناسخ " نہیں کچھ " میر " کی استادی میں
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

(خواجہ " آتش ")

" آتش " بقول حضرت " سودا " شفیق من
ہونا ہے تجھ کو " میر " سے استاد کی طرف

(مرزا " غالب ")

" غالب " اپنا بھی عقیدہ ہے بقول " ناسخ "
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو " غالب "
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی " میر " بھی تھا

(" ذوق ")

نہ ہوا پر نہ ہوا " میر " کا انداز نصیب
" ذوق " یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

(" عیش ")

ہے سچ تو یہ شعراے جہاں میں " عیش " فقط
کلام " میر " ہے البتہ دل پزیر اپنا

(میر " مجروح ")

یوں تو ہیں " مجروح " شاعر سب فصیح
" میر " کی پر خوش بیانی اور ہے

ق

(" رند ")

شیخ " ناسخ " خواجہ " آتش " کے سوا بالفعل " رند "
شاعران ہند میں کہتے ہیں طرز " میر " ہم

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے " میر " سے
عاشق ہیں " رند " ہم تو اسي بول چال کے

(" عرش ")

لاکھ تقلید کیجئے اے " عرش "
پر کب انداز " میر " آتا ہے

(" شاد " لکھنوي)

میں ہوں وہ طوطي ہندوستاں " شاد "
زبان جس کي ہے مثل " میر " اُردو

(مولوی اسمعیل)

یہ سچ ہے کہ " سودا " بھي تھا استاد زمانہ
میري تو مگر " میر " ھي تھا شعر کے فن میں

(مرزا " داغ)

" میر " کا رنگ برتنا نہیں آساں اے " داغ "
اپنے دیواں سے ملا دیکھئے دیواں اُن کا

(" جلال " لکھنوي)

کہنے کو " جلال " آپ بھی کہتے ہیں وھی طرز
لیکن سخن میر تقی " میر " کی کیا بات

(امیر مینائی)

شاعری میں " امیر " کی خاطر
" میر " اپنی زبان چھوڑ گیے

(امداد امام " اثر ")

لیکن " اثر " جو چشم حقیقت سے دیکھیے
کوئی غزل سرا نہ ہوا " میر " کی طرح

(اکبر الہ آبادی)

میں ہوں کیا چیز جو اس طرز پہ جاؤں " اکبر "
" ناسخ " و " ذوق " بھی جب چل نہ سکے " میر " کے ساتھ

(" حسرت " موہانی)

گزرے بہت استاد مگر رنگ اثر میں
بےمثل ہے " حسرت " سخن " میر " ابھی تک

(مولانا " صفی " لکھنوی)

ابیات غزل میں نشتر وہی
ہر نغمۂ دلکش میں بم و زیر وہی
" حافظ " کا جو فارسی میں رتبہ ہے " صفی "
اُردو میں ہے مرتبۂ " میر " وہی

تمام شعرا کے دیوان اس نظر سے دیکھے جائیں تو شاید ہی کوئی قابل ذکر شاعر ایسا نکلے جس نے کسی نہ کسی عنوان سے " میر " کے شاعرانہ کمال کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اس زمانے کے متعدد شاعروں نے " میر " کی مدح میں مستقل نظمیں بھی لکھی ہیں ۔ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو مولانا

" عزیز" لکھنوی - حضرت " اثر" لکھنوی اور جناب " فرخ"
بفارسی کی نظمیں اِس موضوع پر میری نظر سے گزری ھیں -

غزل میں تو " میر" کا کوئی مقابل ھے ھی نہیں -
مثنوی میں بھی ان کا پایہ بہت بلند ھے - اور اُردو میں وہ
اس وقت کے موجد ھیں - دیگر اصناف سخن میں بھی
میر صاحب نے اپنے شاعرانہ کمال کے جوہر دکھائے ھیں مگر ان
کے کمال غزل گوئی کے سامنے کسی اور چیز پر نظر نہیں پڑتی -

" میر" کی شہرت صرف اردو شاعر کی حیثیت سے ھے
مگر ان کی متعدد تصنیفات فارسی نظم و نثر میں بھی موجود
ھیں - اُن کی جتنی تصنیفیں اب تک مل چکی ھیں ان
کے نام اور مختصر کیفیت یہاں درج کی جاتی ھے -

۱ — ۶ اردو غزلوں کے چھ دیوان - جن میں چند قصیدے
بھی شامل ھیں -

۷ - دیوان ھفتم - اس میں غزلوں اور قصیدوں کے علاوہ
" میر" کی تمام نظمیں جمع کردی گئی ھیں - ان نظموں
میں مثنویاں سب سے زیادہ نمایاں حیثیت رکھتی ھیں -
میر کی مثنویوں کا ایک مجموعہ سر شاہ محمد سلیمان صاحب
چیف جسٹس الہ‌آباد ھائی کورٹ نے چند سال ھوئے مثنویات
" میر" کے نام سے شائع کردیا -

۸ - دیوان مراثی - یہ سلاموں اور مرثیوں کا مجموعہ ھے
اور میر کا جو مطبوعہ کلیات آجکل دستیاب ھوتا ھے اس میں
شامل نہیں ھے - مگر اسکا ایک قدیم قلمی نسخہ راقم کی

نظر سے گذرا ہے اور اس کي ایک نقل راقم کے کتب خانہ میں موجود ہے -

۹ - دیوان فارسي - اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں بہت سی غزلیں ' متعدد رباعیاں ' ایک مثنوي اور ایک مسدس شامل ہے -

۱۰ - نکات الشعرا - یہ اُردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ ہے -

۱۱ - ذکرمیر — اس کتاب میں " میر " نے کچھ اپنے اور زیادہ تر اپنے زمانے کے حالات لکھے ہیں - یہ سلطنت مغلیہ کے آخری عہد کي مستند تاریخ ہے -

۱۲ - فیض میر — یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں " میر " نے چند صوفي درویشوں کے چشم دید حالات نہایت دلکش فارسی عبارت میں لکھے ہیں - اس دلچسپ رسالے کو راقم نے پہلے پہل ۱۹۲۹ع میں ایک مقدمہ اور اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا -

۱۳ - ایک قصہ فارسی نثر میں — یہ وہي قصہ ہے جس کو " میر " نے اپني اُردو مثنوي شعلۂ عشق میں نظم کردیا ہے ان کتابوں میں سے دیوان فارسي - ذکرمیر اور فیض میر کا ایک ایک قدیم قلمي نسخہ راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ہے - اور نمبر ۱۳ میں جس فارسي قصہ کا ذکر ہے اسکا ایک قلمي نسخہ ریاست رامپور میں ایک صاحب کے پاس ہے -

" میر " کي اِن تصنیفات سے ظاہر ہے کہ وہ فارسي کے زبردست انشا پرداز اور شاعر بھي تھے - مورخ بھی تھے - افسانہ

نگار بھي تھے اور فلسفي بھي تھے - افسوس ھے کہ ان کے قلم سے نکلي ھوئي اُردو نثر کي کوئي کتاب دستیاب نہیں ھوئی - لیکن فورٹ ولیم کالج میں اُردو کتابوں کی تالیف و تصنیف کے لیے اُن کا بلایا جانا ثابت کرتا ھے کہ اُن کا شمار اُردو کے اعلیٰ درجے کے نثاروں میں بھی تھا -

---

انتخاب

ھنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا
پیدا ھر ایک نالے سے شور نشور تھا
آتش بلند دل کی نہ تھي ورنہ اے کلیم
یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
پھونچا جو آپ کو تو میں پھونچا خدا کے تئیں
معلوم اب ھوا کہ بہت میں بھی دور تھا
ھم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپھر
اُس شوخ کو بھي راہ پہ لانا ضرور تھا

قطعہ

کل ' پانؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا

کیا میں بھي پریشاني خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غم دیدہ کہیں تھا
اب کوفت سے ھجراں کے جہاں تن پہ رکھا ھاتھ
جو درد و الم تھا سو کہے تو کہ وھیں تھا

کفر کچھ چاهئے اسلام کي زینت کے لئے
حسن' زنار هے تسبیح سلیماني کا
جان گھبراتي هے اندوه سے تن میں کیا کیا ؟
تنگ احوال هے اس یوسف زنداني کا

اُمیدوار وعدۂ دیدار مر چلے
آتے هي آتے یارو قیامت کو کیا هوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کے کیا خجل
اے چشم ! جوش اشک ندامت کو کیا هوا
جاتا هے یار تیغ به کف غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم تری غیرت کو کیا هوا

کہا میں نے کتنا هے گل کا ثبات
کلی نے یه سن کر تبسم کیا
جگر هی میں اک قطره خوں هے سر شک
پلک تک گیا تو تلا طم کیا

اُلٹی هو گئیں سب تدبیریں کچھ نه دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا
عهد جواني رو رو کاٹا ' پیری میں لیں آنکھیں مونْد
یعني رات بہت تھے جاگے صبح هوئي آرام کیا
ناحق هم مجبوروں پر ' یه تہمت هے مختاری کي
چاهتے هیں سو آپ کرے هیں هم کو عبث بدنام کیا

سرزد هم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ھی ھوئی
کوسوں اُس کے اُور گئے ' پر سجدہ هر هر گام کیا
یاں کے سفیدوسیهہ میں هم کو دخل جو ھے سو اتنا ھے
رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو جوں توں شام کیا
ساعد سمیں دونوں اس کے هاتهہ میں لاکر چھوڑ دئے
بھولے اس کے قول و قسم پر هائے خیال خام کیا
میر کے دین و مذهب کو اب پوچھتے کیا هو؟ اُن نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

وعدہ تو کیا اُس نے دم صبح کا لیکن
اس دم کے تئیں مجھہ میں اگر جان رھے گا
چمتے رهیں گے دشت محبت میں سر و تیغ
محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رھے گا

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
هم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا
بےهوش مئے عشق هوں ' کیا میرا بهروسا
آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا
نے خون هو آنکھوں سے بہا تک نہ هوا داغ
اپنا تو یہ دل " میر " کسو کام نہ آیا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ھے اِس آشفتہ سری کا

آفاق کي منزل سے گیا کون سلامت
اسباب لٹتا راہ میں یاں ہر سفري کا
لے سانس بھي آھستہ کہ نازک ھے بہت کام
آفاق کی اس کارگہہ شیشہ گري کا
تک "میر" جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یار بھروسا ھے چراغ سحري کا

منھہ تکاھی کرے ھے جس تس کا
حیرتی ھے یہ آئینہ کس کا ؟
شام سے کچھہ بجھا سا رھتا ھے
دل ھوا ھے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رھے ھیں سب
ھاتھہ دستہ ھوا ھے نرگس کا
فیض ' اے ابر ! چشم ترسے اُٹھا
آج دامن وسیع ھے اِس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے
حال ھي اور کچھہ ھے مجلس کا

اولجھاؤ پڑگیا جو ھمیں اس کے عشق میں
دل سا عزیز ' جان کا جنجال ھوگیا

لیتے ھي نام اس کا سوتے سے چونک اُتھے ھو
ھے خیر "میر" صاحب کچھہ تم نے خواب دیکھا

دل بہم پہونچا بدن میں تب سے سارا تن جلا
آپڑي ایسي یہ چنگاري کہ پیراھن جلا

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا　　اپنی زنجیر پاهي کا غل تھا

بستر ا تھا چمن میں جوں بلبل　　نالہ سرمایۂ توکل تھا

اُن نے پہچان کر ہمیں مارا　　منھہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا

اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار　　یاد ایام' جب تحمل تھا

اک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ
جوں زخم تیرے دور میں ناسور ہوگیا
شاید کسو کے دل کو لگي اُس گلی میں چوٹ
میري بغل میں شیشۂ دل چور ہوگیا

تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سي اتھی کبھو
اب دیدۂ ترکو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا
رکھ ھاتھ دل پر '' میر'' کے دریافت کر کیا حال ہے ؟
رھتا ہے اکثر یہ جواں کچھ اِن دنوں بے تاب سا

مر رھتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا
نکلاھي نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا
بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو
پرسش میں ہماري ہی دن حشر کا ڈھل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ　　ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا

نالہ ہم خاکساروں کا آخرِ خاطرِ عرش کا غبار ہوا
وہ جو خنجر بکف نظر آیا ''میر'' سو جان سے نثار ہوا

مانند شمع مجلس، شب اشکبار پایا
القصہ ''میر'' کو ہم بے اختیار پایا
شہرِ دل ایک مدت، اُجڑا بسا غموں سے
آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے ''میر'' شب سے
واں جاکے صبح دیکھا، مشت غبار پایا

آخر کو مرگئے ہیں اس کی ہی جستجو میں
جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اُسے نہ پایا
ہونا تھا مجلس آرا گر غیر کا تجھے، تو
مانند شمع مجھ کو کاہے کو تیں جلایا

دی آگ رنگ گل نے واں اے صبا چمن کو
یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو
احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا
یا روئے یا رُلایا، اپنی تو یوں ہی گذری
کیا ذکر، ہم صفیراں! یاران شادماں کا

کیا طَرَح هے آشنا گاهے ' گهے نا آشنا
یا تو بیگانه هي رهئے هوجئے یا آشنا
کون سے یه بحر خوبی کي پریشاں زلف هے
آتی هے آنکهوں میں میري موج دریا آشنا

همارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دل ستم زده کو هم نے تهام لیا
خراب رهتے تهے مسجد کے آگے مےخانے
نگاه مست نے ساقی کی انتقام لیا
مرے سلیقے سے میري نبهی تهی قسمت میں
تمام عمر ' میں ناکامیوں سے کام لیا

سیر کے قابل هے دل صدپاره اس نخچیر کا
جس کے هر ٹکڑے میں هو پیوست پیکاں تیر کا

بوئے خوں سے جي رکا جاتا هے اے باد بهار
هوگیا هے چاک، دل شاید کسي دلگیر کا
بس طبیب اُٹھ جا! مری بالیں سے مت دے دردِ سر
کام جاں آخر هوا ' اب فائده تدبیر کا
کس طرح سے مانئے یارو که یه عاشق نہیں
رنگ اڑا جاتا هے تک چهرا تو دیکهو " میر " کا

شب درد و غم سے عرصہ مرے جي پہ تنگ تھا
آیا شب فراق تھي یا روز جنگ تھا
کثرت میں درد و غم کے نہ نکلي کوئي طپش
کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذب عشق
جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف
یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاق سنگ تھا
مت کر عجب جو "میر" ترے غم میں مرگیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھي ڈھنگ تھا ؟

دل میں بھرا زبسکہ خیال شراب تھا
مانند آئینے کے مرے گھر میں آب تھا
دل جو نہ تھا تو رات ' زخود رفتگی میں "میر"
گہہ انتظار ' گاہ مجھے اضطراب تھا

کچھ نہیں سوجھتا ہمیں ' اس بن
شوق نے ہم کو بے حواس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے
قیس کی آبرو کا پاس کیا
صبح تک شمع سر کو دھنتي رهي
کیا پتنگے نے التماس کیا

مفت آبروئے زاھد علامہ لے گیا
اک مغ بچہ ' اتار کے عمامہ لے گیا
داغ فراق و حسرت وصل ' آرزوے شوق
میں ساتھ زیر خاک بھي ھنگامہ لے گیا

— —

اے تو کہ یاں سے عاقبت‌کار جاے گا
غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا
چھوٹتا جو میں قفس سے تو سب نے کہا مجھے
بےچارہ ' کیونکہ تا سر دیوار جائے گا
تدبیر میرے عشق کي ' کیا فائدہ ؟ طبیب !
اب جان ھی کے ساتھ یہ ازار جائے گا
انے میں اس کے حال ھوا جائے ھے بغیر
کیا حال ھوگا پاس سے جب یار جائے گا
دیگی نہ چین ' لذت زخم اس شکار کو
جو کھا کے تیرے ھاتھ سے تلوار جائے گا

———

کیا کھوں کیسا ستم ' غفلت سے مجھ پر ھو گیا
قافلہ جاتا رھا میں صبح ھوتے سو گیا
مدعا جو ھے سو وہ پایا نہیں جاتا کھیں
ایک عالم جستجو میں جي کو اپنے کھو گیا
بےکسی مدت تلک برساکي اپني گور پر
جو ھماری خاک پر سے ھو کے گذرا ' رو گیا

مت ہو دشمن اے فلک ! اس پائمال راہ کا
خاک افتادہ ہوں میں بھي اک فقیراللہ کا
جو سنا ہشیار ' اس مےخانے میں تھا بےخبر
شوق ہی باقی رہا ہم‌کو دل آ گاہ کا
شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے
عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازي گاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل
آغاز ' مرے غم کا انجام نہیں رکھتا
نا کامئی صد حسرت ' خوش لگتی نہیں ورنہ
اب جي سے گذر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

تو وہ متاع ہے کہ پڑي جس کي تجھ پہ آنکھ
وہ جي کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

آگے اے نالہ ہے خدا کا ناؤں بس تو نہ آسماں سے نکلا
نامرادی کی رسم "میر" سے ہے طور یہ ' اس جوان سے نکلا

گرمي سے میں تو آتش غم کي پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھي نازک مزاج تر
تیوری چڑھائي تونے کہ یاں جي نکل گیا

گرمئی عشق مانع نشوونما ہوئی
میں وہ نہال تھا کہ اُگا اور جل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو، کعبہ چلا تھا میں
لغزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنبھل گیا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا　لہو آتا ہے جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن　جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
دور بیٹھا غبار "میر" اس سے　عشق بن یہ ادب نہیں آتا

میرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو گا

رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا
بتاں کی "میر" ستم وہ نگاہ ہے جس نے
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

قدر رکھتی نہیں متاع دل
سارے عالم میں، میں دکھا لایا
دل کہ اک قطرہ خوں نہیں ہے بیش
ایک عالم کے سر بلا لایا

دل مجھے اس گلی میں لیجا کر
اور بھی خاک میں ملا لایا

سب پہ جس بار نے گرانی کی
اُس کو یہ ناتواں اُتھا لایا

ابتدا ھي میں مر گئے سب یار
عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ھیں بت‌کدے سے "میر"
پھر ملیں گے، اگر خدا لایا

تڑپ کے خرمن گل پر کبھي گر، اے بجلي!
جلانا کیا ھے مرے آشیاں کے خاروں کا

ھزار رنگ کھلے گل چمن کے ھیں شاید
کہ روزگار کے سر خون ھے ھزاروں کا

تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ھو اُسے
جہاں میں کچھ تو رھا نام بے قراروں کا

تری ھي زلف کو محشر میں ھم دکھا دیں گے
جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا

ظالم زمیں سے لوتتا دامن اتھا کے چل
ھوگا کمیں میں ھاتھ کسو داد خواہ کا

دل سے شوق رخ نکونہ گیا
تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

هر قدم پر تھی اس کی منزل لیک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا
سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

گل و بلبل بہار میں دیکھا ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو "میر" سنتے تھے اُن کو اس روزگار میں دیکھا

مہر کي تجھ سے توقع تھی ستم گر نکلا
موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا
اشک تر، قطرۂ خوں، لخت جگر، پارۂ دل
ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہتر نکلا
داغ ہوں رشک محبت سے کہ اتنا بے تاب
کس کی تسکیں کے لیئے گھر سے تو باھر نکلا
دل کي آبادي کی اس حد ھے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ھے کہ اس راہ سے لشکر نکلا
ہمنے جانا تھا لکھے گا تو کوئي حرف اے "میر"
پر ترا نام تو اک شوق کا دفتر نکلا

ہم رہ روان راہ فنا ہیں بہ رنگ عمر
جاویں گے ایسے، کھوج بھي پایا نہ جائے گا

پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر
دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں "میر" باز آ
نادان، پھر وہ دل سے بھلایا نہ جائے گا

دھوکھا ہے تمام بحر دنیا دیکھے گا کہ ہونٹھ تر نہ ہوگا
آئی جو شکست آئنے پر روے دل یار ادھر نہ ہوگا
پھر نوحہ گری کہاں جہاں میں ماتم زدہ "میر" اگر نہ ہوگا

کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں
ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام
ناصح جو تو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا
جیتے تو ان نے "میر" مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہوا

دل جو تھا اک آبلہ، پھوٹا، گیا
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا

میں نہ کہتا تھا کہ منھہ کر دل کی اور
اب کہاں وہ آئینہ ' ٹوٹا گیا
دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر ' سو مرتبہ لوٹا گیا

صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
آگے تجھے " میر " ایسا سودا نہ ہوا ہو گا

عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا
اس جنس کا یاں ہم نے خریدار نہ پایا
آئینہ بھی حیرت سے محبت میں ہوے ہم
پر سیر ہو اُس شخص کا دیدار نہ پایا

چشم خوں بستہ سے کل رات ' لہو پھر ٹپکا
ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا

دل سے آنکھوں میں لہو آتا تھا شاید رات کو
کشمکش میں بےقراری کے یہ پھوڑا چھل گیا
رشک کی جاگھہ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کی " میر "
نعش کے ہمرہ جس کی گور تک قاتل گیا

یہ توهم کا کارخانہ هے
یاں وهي هے جو اعتبار کیا
سخت کافر تها جن نے پهلے ''میر''
مذهب عشق اختیار کیا

دکهہ اب فراق کا، هم سے سها نهیں جاتا
پهر اس په ظلم یه هے کچهہ کها نهیں جاتا
ستم کچهہ آج گلي میں تری نهیں مجهہ پر
کب آ کے خون میں، میں یاں نها نهیں جاتا
خراب مجهہ کو کیا اضطراب دل نے ''میر''
که تک بهی اس کلے اس بن رها نهیں جاتا

سمجهے تهے هم تو ''میر'' که ناسور کم هوا
پهر ان دنوں میں، دیدۂ خوں‌بار نم هوا
آئے به رنگ، ابر عرق‌ناک تم اِدهر
حیران هوں که آج کدهر کو کرم هوا۔
کافر! همارے دل کي نه پوچهہ اپنے عشق میں
بیت‌الحرام تها سو وہ بیت‌الصنم هوا

دل و دماغ هے اب، کس کو زندگاني کا
جو کوئي دم هے تو افسوس هے جواني کا
هزار جان سے قربان بے پری کے هیں
خیال بهي کبهو گذرا نه پر فشاني کا

نمود کر کے وهیں بحر غم میں بیٹھ گیا
کہے تو "میر" بھی اک بلبلا تھا پانی کا

موا میں سجدے میں پر نقش میرا بار رها
اُس آستاں په مري خاک سے غبار رها
کبھی نه آنکھوں میں آیا وہ شوخ خواب کي طرح
تمام عمر همیں اس کا انتظار رها
بتوں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا
وہ دل که جس کا خدائی میں اختیار رها

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نه گیا
اُس کے دیوار کا سر سے مرے سایا نه گیا
خاک تک کوچۂ دل دار کي چھانی هم نے
جستجو کي په دل گم شدہ پایا نه گیا
مه نے آ سامنے' شب' یاد دلایا تھا اسے
پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نه گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رها
هم سے هی حال تبه اپنا دکھایا نه گیا
زیر شمشیر ستم "میر" تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں هلایا نه گیا

دل کے تئیں آتش هجراں سے بچایا نه گیا
گھر جلا سامنے پر هم سے بجھایا نه گیا

میں تو تھا صید زبوں صید گہ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا
شہر دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے
ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

خوف آشوب سے غوغائے قیامت کے لئے
خون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
"میر" مت عذر گریباں کے پھٹنے رہنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سلایا نہ گیا

گریباں سے رہا کو نہ تو پھر ھے
ھمارے ھاتھ میں دامن ھمارا
ھوا رونے سے راز دوستی فاش
ھمارا گریہ تھا دشمن ھمارا
بہت چاھا تھا ابر تر نے لیکن
نہ منت کش ھوا گلشن ھمارا
چمن میں ھم بھی زنجیری رھے ھیں
سنا ھو گا کبھی شیون ھمارا

گلیوں میں اس کی ' اب تک مذکور ھے ھمارا
افسانۂ محبت مشہور ھے ھمارا
بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو
کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ھے ھمارا

هیں مشت خاک لیکن جو کچھ هیں " میر " هم هیں
مقدور سے زیادہ مقدور هے همارا

سحر گہہ عید میں دور سبو تھا
پر اپنے جام میں تجھہ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گذرنا
نہ سمجھے هم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کي وضع نے هم کو کیا داغ
کہ هر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشیدومہ کیا
جدھر دیکھا تدھر تیراهي رو تھا
نہ دیکھا " میر " آوارہ کو لیکن
غبار اِک ناتواں سا کوبہ کو تھا

راہ دور عشق میں روتا هے کیا
آگے آگے دیکھیے هوتا هے کیا
قافلے میں صبح کے اِک شور هے
یعنی غافل هم چلے سوتا هے کیا
سبز هوتي هی نہیں یہ سر زمیں
تخم خواهش دل میں تو بوتا هے کیا
یہ نشان عشق هیں جاتے نہیں
داغ چھاتی کي عبث دهوتا هے کیا

غیرت یوسف ہے یہ وقت عزیز
" میر " اس کو رائیگاں کھوتا ہے کیا

آنکھوں نے راز داری محبت کی خوب کی
آنسو جو آتے رہے تو لہو بہا

بے کسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا
ایک دل غم‌خوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے
رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیرو حرم کی راہ چل
اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا

کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانہ گیا

وصل و ہجراں ' یہ جو دو منزل ہیں راہ عشق کی
دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا
دل نے سر کھینچا دیار عشق میں اے بوالہوس
وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
کب نیاز عشق ' ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر " میر " سر بر آستاں ' مارا گیا

اٹھتے پلکوں کے گرے پڑتے ھیں لاکھوں آنسو
ڈول ڈالا ھے مری آنکھوں نے اب طوفاں کا
لہو لگتا ھے ٹپکنے جو پلک مارون ھوں
اب تو یہ رنگ ھے اس دیدۂ اشک افشاں کا

جوں برگ ھاےلالہ پریشان ھوگیا
مذکور کیا ھے اب جگر لخت لخت کا

اک وھم سي رھی ھے ' اپنی نمود ' تن میں
آتي ھو اب تو آؤ پھر ھم سیں کیا رھے گا

تفحص فائدہ ناصح ! تدارک تجھ سے کیا ھوگا
وھی پاوے گا میرا درد ' دل جس کا لگا ھوگا

محروم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے
جوش حیا سے ھم نے وہ آستاں نہ پایا

یہ عیش گہہ نہیں ھے یاں رنگ اور کچھ ھے
ھر گل ھے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا
وہ پہلی التفاتیں ' ساري فریب نکلیں
دینا نہ تھا دل اس کو میں " میر " آپ چوکا

سرسے سے باندھا ھے کفن عشق میں تیرے' یعنی
جمع ہم نے بھي کیا ھے سروساماں یک جا

بسان شمع جو مجلس سے ہم گئے تو گئے
سراغ کیجو نہ پھر تو نشان پانے کا
سراھا ان نے ترا ہاتھ' جن نے دیکھا زخم
شہید ہوں میں تري تیغ کے لگانے کا
شریف مکہ رہا ھے تمام عمر اے شیخ
یہ "میر" اب جو گداھے شراب خانے کا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا
دل نہ پہونچا گوشۂ داماں تلک
قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
میرے رونے کي حقیقت جس میں تھي
ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئي "میر"
تو نہ چیتا یاں بہت دن کم رہا

چوری میں دل کے وہ ہنر کر گیا
دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا

مجلس آفاق میں پروانہ ساں
" میر " بھی شام اپنی سحر کر گیا

آیا جو واقعي میں در پیش عالم مرگ
یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
کس کی نگہہ کی گردش تھی " میر " رو بہ مسجد
محراب میں سے زاھد مست و خراب نکلا

ایسے بت بے مہر سے ملتا بھي ھے کوئي
دل " میر " کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا

دل جو زیر غبار اکثر تھا
کچھہ مزاج ان دنوں مکدر تھا
سر سري تم جہاں سے گذرے
ورنہ ہر جا جہان دیگر تھا
دل کي کچھہ قدر کرتے رھیو تم
یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا
بار سجدہ ادا کیا تہ تیغ
کب سے یہ بوجھہ میرے سر پر تھا

تیرا رخ مخطط ' قرآن ھے ہمارا
بوسہ بھي لیں تو کیا ھے ایمان ہمارا

گر ھے یہ بےقراری تو رہ چکا بغل میں
دو روز دل ھمارا مہمان ھے ھمارا
ماھیت، دو عالم کھاتی پھرے ھے غوطے
اک قطرہ خوں یہ دل کا طوفان ھے ھمارا

آدم خاکی سے عالم کو جلا ھے ورنہ
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
رات ' حیران ھوں کچھ چپ ھي مجھے لگ گئي "میر"
درد پنہاں تھے بہت ' پر لب اظہار نہ تھا

بے طاقتی سکوں نہیں رکھتي ھے ھم نشیں
رونے نے ھر گھڑي کے مجھے تو ڈبو دیا
پوچھا جو میں نے درد محبت کو " میر " سے
رکھ ھاتھ ان نے دل پہ تک اک اپنے رو دیا

داغ اور سینے میں کچھ بگڑي ھے ' عشق ' دیکھیں
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا
گھر چشم کا ڈبو مت دل کی گئے پہ رو رو
کیا " میر " ھاتھ سے تو یہ بھي مکان دے گا

کل ' چمن میں گل و سمن دیکھا
آج دیکھا تو باغ بن دیکھا

ایک چشمک ' دو صد سنان مژہ
اس نکیلے کا بانکپن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں
عاشقوں کو چلا وطن دیکھا
حسرت اس کي جگھہ تھی خوابیدہ
" میر " کا کھول کر کفن دیکھا

جہاں کوفتنے سے خالي کبھو نہیں پایا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کي رات سے شاید
سر شک یاس کے پردے میں دل روانہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑي کا پیچ اس کے ''میر''
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بے چارہ گریۂ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پوچھہ کس طرح سے کٹی رات ہجر کي
ہر نالہ مري جان کو تیغ کشیدہ تھا
دل بے قرار گریۂ خو نیں تھا رات '' میر ''
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

دل بے رحم گیا شیخ لئے زیر زمیں
مر گیا پر یہ کبھو گبر مسلماں نہ ہوا

شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواري کے سبب
کسي عنوان سے هم چشم عزیزاں نہ هوا

سنگ مجھے بہ جاں قبول اس کي عوض هزار بار
تابہ‌کجا یہ اضطراب دل نہ هوا ستم هوا

اس کی هوا، کہاں کا گل، هم تو قفس میں هیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا
ٹکڑا کوئی جگر کا پلکوں میں رہ گیا تھا

روتي هے شمع اتنا هر شب کہ کچھ نہ پوچھو
میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا

قطعہ

سر مار کر هوا تھا میں خاک اس گلی میں
سینے پہ مجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا
سو بخت تیرہ سے هوں پامالئی صبا میں
اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا

کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے
ہوا یوں اتفاق آئینہ تیرے رو بہ رو توتا
وہ بےکس کیا کرے، کہہ تو رہے دل ہی کی دل ہی میں
نپٹ بے جا ترا دل "میر" سے اے آرزو! توتا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے
چاک قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
صیاد! دل ہے داغ جدائی سے رشک باغ
تجھ کو بھی ہو نصیب، یہ گلزار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن، تو ہم صفیر
اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
آنکھیں چرائیو نہ تک ابر بہار سے
میری طرف بھی دیدۂ خوں‌بار دیکھنا

قدم تک دیکھ کر رکھ "میر" سر دل سے نکالے گا
پلک سے شوخ تر کانٹا ہے صحرائے محبت کا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں
جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منھہ کو دھوتا رہے گا
بس اے ''میر'' مژگاں سے پونچھہ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پرو تا رہے گا

گئي تسبیح اس کی نزع میں کب '' میر '' کے دل سے
اُسي کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

دل عشق کا همیشه حریف نبرد تها
اب جس جگهہ که داغ ہے یاں آگے درد تها
مانند حرف صفحۂ هستي سے اتهہ گیا
دل بهی مرا جریدہ عالم میں فرد تها
تها پشته ریگ باد یه اک وقت کا رواں
یه گرد باد کوئي بیاباں نورد تها
دل کي شکستگی نے ڈرائے رکها همیں
واں چیں جبیں په آئي که یاں رنگ زرد تها
اک گرد راہ تها پئے محمل تمام راہ
کس کا غبار تها که یه دنباله گرد تها
عاشق هیں هم تو ''میر'' کے بهي ضبط عشق کے
دل جل گیا تها اور نفس لب سرد تها

مغاں! مجهہ مست بن، پهر خندۂ ساغر نه هووے گا
مئے گل‌گوں کا شیشه هچکیاں لے لے کے رووے گا

کوئي رهتا هے جيتے جي ترے کوچے کے آنے سے
تبهي آسودہ هو گا "میر" ساجب جی کو کهووے گا

گئے قيدي هو' هم‌آواز جب صياد آتوتا
يہ ويراں آشيانہ ديکهنے کو ايک ميں چهوتا

يہاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکهہ کهول
گل گشت سرسري نہيں اس گلستان کا
گل' ياد گارِ چہرۂ خوبانِ بے خبر
مرغ چمن' نشاں هے کسو خوش بيان کا

نقش بيٹهے هے کہاں خواهش آزادي کا
ننگ هے نام رهائی تيرے صيادي کا

تيرے کوچے کے رهنے والوں نے يہيں سے کعبے کو سلام کيا
عشق خوباں کو "مير" ميں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کيا

خوبی کو اس کے چهرے' کي کيا پهونچے آفتاب
هے اِس ميں اُس ميں فرق زميں آسمان کا

تو برسوں میں کبھے ھے ملوں گا میں " میر " سے
یاں کچھ کا کچھ ھے حال ابھی اس جوان کا

عطر آگیں ھے باد صبح مگر کھل گیا پیچ زلف خوش بو

کل شام سے اٹھا تھا مرے دل میں درد سا
سو ھو چلا ھوں بیشتر از صبح سرد سا
قصد طریق عشق کیا سب نے بعد قیس
لیکن ھوا نہ ایک بھی اس رہ نورد سا
کیا " میر " ھے یہی جو ترے درپہ تھا کھڑا
غم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں ' آگے سودا ھوا تھا
پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ھوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی
یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ھوا تھا
زھے طالع اے " میر " ان نے یہ پوچھا
کہاں تھا تو اب تک ' تجھے کیا ھوا تھا

ترے کوچے میں مری خاک بھی پامال ھوئی
تھا وہ بے درد مجھے جن نے وفا کو سونپا

اب تو جاتا هي هے کعبے کو تو بت خانے سے
جلد پھر پہونچیو اے "میر" خدا کو سونپا

گله نہیں هے همیں اپني جاں گدازي کا
جگر په زخم هے اس کي زباں درازي کا
خدا کو کام تو سونپے هیں میں نے سب لیکن
رهے هے خوف مجھے واں کی بے نیازي کا
کسو کي بات نے آگے مرے نه پایا رنگ
دلوں میں نقش هے میرے هی رنگ سازي کا
بسان خاک هو پامال راه خلق اے "میر"
رکھے هے دل میں اگر قصد سرفرازي کا

سینه دشنوں سے چاک تا نه هوا
دل جو عقده تھا سخت، وا نه هوا
سب گئے هوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ هی جدا نه هوا
هم تو ناکام هی جهاں میں رهے
یاں کبھو اپنا مدعا نه هوا
"میر" افسوس وه که جو کوئی
اس کے دروازے کا گدا نه هوا

آه سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اس باد نے همیں تو دیا سا بجھا دیا

تھي لاگ اس کي تيغ کو ھم سے سو عشق نے
دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
آوار گان عشق کا پوچھا جو میں نشاں
مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا
ھم نے تو سادگی سے کیا جي کا بھی زیاں
دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں جو طالع تھے نادرست
ھم کو دل شکستہ ' قضا نے دلا دیا
تکلیف درد دل کي عبث ھم نشیں نے کي
درد سخن نے "میر" سبھوں کو رلا دیا

ھرذي حیات کا تو سبب ھے حیات کا
نکلے ھے جي ھي اس کے لیے کائنات کا
اُس کے فروغ حسن سے چمکے ھے سب میں نور
شمع حرم ھو یا کہ دیا سومنات کا
ھم مذھبوں میں صرف کرم سے ھے گفتگو
مذکور ' ذکر یاں نہیں صوم و صلوات کا
کیا "میر" تجھ کو نامہ سیاھي کی فکر ھے
ختم رسل سا شخص ھے ضامن نجات کا

جلوہ نہیں ھے نظم میں حسن قبول کا
دیواں میں شعر گر نہیں نعت رسول کا

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا
کب خضر و مسیحا نے مرنے کا مزا جانا
کب بندگی میری سی بندہ کرے گا کوئی
جانے ہے خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا
اس شوخ کی مجلس میں ' جانا ہمیں' پھرواں سے
اک زخم زباں تازہ ' ہر روز اٹھا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا
دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا
پھر پھر گیا ہے آ کر منھہ تک جگر ہمارے
گذرے ہیں جان و دل پر یاں اضطراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاھے کو چشم ترسا
رحمت خدا کی تجھہ کو ' اے ابر زور برسا
وحشی مزاج از بس مایوس بادیہ ہیں
اِن کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہے گھر سا
انداز سے ہے پیدا سب کچھہ خبر ہے اس کو
گو "میر" بے سروپا ظاہر ہے بے خبر سا

تیغ ستم سے اس کے مرا سر جدا ہوا
شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا
قاصد کو دے کے خط نہیں کچھہ بھیجنا ضرور
جاتا ہے اب تو جی ہی ہمارا چلا ہوا

وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہي نہ آنکھ سے
نکلے ہے کوئي لخت دل اب سو چلا ہوا
بدتر ہے زیست مرگ سے ہجران یار میں
بیمار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا
اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھئے
جیسے کسو کا کوئي نگر ہو لٹا ہوا

تم نے ہمیشہ جور و ستم بے سبب کیے
اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہے کیا

اب بھي دماغ رفتہ ہمارا ہے عرش پر
گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا
تقصیر جان دینے میں ہم نے کبھو نہ کی
جب تیغ وہ بلند ہوئی سر جھکا دیا
کیا کیا زیان ''مہر'' نے کھینچے ہیں عشق میں
دل ہاتھ سے دیا ہے جدا' سر جدا دیا

بہتوں کو آگے تھا یہي آزار عشق کا
جیتا رہا ہے کوئي بھی بیمار عشق کا
زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا ہوئے
چھوٹتا نہ میں ہي' تھا جو گنہ گار عشق کا

منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا
ہر سر کہیں ہوا ہے سزاوار عشق کا

ستم سے گو ترے یہ کشتۂ وفا نہ رہا
رہے جہاں میں تو، دیر میں رہا نہ رہا
موئے تو ہم، پہ دلِ پر کو خوب خالی کر
ہزار شکر کسو سے ہمیں گلا نہ رہا
ادھر کھلی مری چھاتی ادھر نمک چھڑکا
جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا
حمیت اِس کے تئیں کہتے ہیں جو ''میر'' میں تھی
گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آنہ رہا

کرتے ہی نہیں ترک، بتاں طور جفا کا
شاید ہمیں دکھلائیں گے دیدار خدا کا
آنکھیں اس کی نہیں آئینے کے سامنے ہوتی
حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا

رہتا ہے ہڈیوں سے مری جو ہما لگا
کچھ درد عاشقی کا اسے بھی مزا لگا

آنکھیں اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظروں کی
جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا

وقت تب تک تھا تو سجدہ مسجدوں میں کفر تھا

فائدہ اب ' جب کہ قد محراب سا خم ہوگیا

کیا کہوں کیا طرحیں بدلیں چاہ نے آخر کو " میر "

تھا گرہ جو درد چھاتی میں سو اب غم ہوگیا

پہونچے ہے کوئی اُس تن نازک کے لطف کو

گل ' گو چمن میں جامے سے اپنے نکل پڑا

شاید جگر گداختہ یک لخت ہوگیا

کچھہ آب دیدہ رات سے خوں ناب سا ہوا

سمجھے تھے ہم تو " میر " کو عاشق اُسی گھڑي

جب سن کے تیرا نام وہ بے تاب سا ہوا

دیکھہ آرسی کو یار ہوا محو ' ناز کا

خانہ خراب ہو جیو آئینہ ساز کا

ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے

اس کو وھي ہے شوق ابھي ترک تاز کا

اس لطف سے نہ غنچہ نرگس کھلا کبھي

کھلنا تو دیکھہ اس مژۂ نیم‌باز کا

کوتاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شتاب

جي پر وبال سب ہے یہ عمر دراز کا

ہے کیمیاگران‌محبت میں قدر خاک

پر و قر کچھہ نہیں ہے دلِ بے گداز کا

مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار حیف
کشتہ ہوں یار میں تو ترے امتیاز کا
ہلتی ہے یوں پلک کہ گڑی دل میں جائے ہے
انداز دیدنی ہے مرے دل نواز کا
پھر ''میر'' آج مسجد جامع کے تھے امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا

غم ابھی کیا محشر مشہور کا
شور سا ہے تو و لیکن دور کا
حق تو سبب کچھ ہی ہے تو ناحق نہ بول
بات کہتے سر کٹا منصور کا
طرفہ آتش خیز سنگستاں ہے دل
مقتبس یاں سے ہے شعلہ طور کا
چشم بہنے سے کبھو رہتی نہیں
کچھ علاج اے ''میر'' اس ناسور کا

نظر میں طور رکھ اس کم نما کا
بھروسا کیا ہے عمر بے وفا کا
گلوں کے پیرہن ہیں چاک سارے
کھلا تھا کیا کہیں بند اُس قبا کا
پرستش اب اِسی بت کی ہے ہر سو
رہا ہوگا کوئی بندہ خدا کا

کہیں اس زلف سے کیا لگ چلی ہے
پڑے ہے پاؤں بےڈھب کچھ صبا کا

ہوئے آخر کو سارے کام ضایع نا شکیبی سے
کوئی دن اور تاب ہجر دل لاتا تو کیا ہوتا

میں غش کیا جو خط لے اُدھر نامہ بر چلا
یعنی کہ فرط شوق سے جی بھی ادھر چلا
یہ چھیڑ دیکھ ہنس کے رخ زرد پر مرے
کہتا ہے "میر" رنگ تو اب کچھ نکھر چلا

کیا لطف ہے جئے جو برے حال کوئی "میر"
جینے سے تونے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا

اِس موج خیز دھر میں تو ہے حباب سا
آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہے خواب سا
اک آن اِس زمانے میں یہ دل نہ وا ہوا
کیا جانئے کہ "میر" زمانے کو کیا ہوا

از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی راہ میں
آتا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا

یوں پھر اتھا نہ جائیگا اے ابر دشت سے
گر کوئی رونے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا
دامن سے منھ چھپائے جنوں کب رہا چھپا
سوجا سے سامنے ہے گریباں پھٹا ہوا
دیکھا نہ ایک گُل کو بھی چشمک زنی میں ہاے
جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں، رہا ہوا

نہ صبر ہے، نہ ہوش ہے، نہ عقل ہے نہ دین
آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا

نیمچہ ہاتھ میں، مستی سے لہو سی آنکھیں
سج تری دیکھ کے اے شوخ! حذر ہم نے کیا
کیا کیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں
رات کے سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا
جیسے حسرت لئے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو تمیز
ہم دوانے ہیں ہمیں ویران کیا معمور کیا

شب میکدے سے وارد مسجد ہوا تھا میں
پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
رہتے تو تھے مکان پہ ولے آپ میں نہ تھے
اس بن ہمیں ہمیشہ وطن میں سفر رہا

اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار
کچھ وجہ بھی کہ آپ کا منھہ ہے اتر رہا
اکدم میں یہ عجب کہ مرے سرپہ پھر گیا
جو آپ تیغ برسوں ترے تا کمر رہا
کاہے کو میں نے "میر" کو چھیڑا کہ اُن نے آج
یہ درد دل کہا کہ مجھے درد سر رہا

تک جوش سا اُتھا تھا مرے دل سے رات کو
دیکھا تو ایک پل ھي میں دریا سا ہوگیا
جلوہ ترا تھا جب تئیں باغ و بہار تھا
اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہوگیا
کل تک تو ہم وے ہنستے چلے آئے تھے یہیں
مرنا بھي "میر" جي کا تماشا سا ہوگیا

عشق کی سوزش نے دل میں کچھھ نچھوڑا کیا کہیں
لگ اُتھي یہ آگ نا گاہے کہ گھر سب پھک گیا
ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو پیش از فنا
دیکھھ اب پیري میں قد تیرا کدھر کو جھک گیا

پھرتا ہے زندگي کے لیے آہ خوار کیا
اس وھم کي نمود کا ہے اعتبار کیا
سرکش کسو سے ایسي کدورت رکھے وہ شوخ
ہم اس کي خاک راہ ہیں ہم سے غبار کیا

غنچہ هي وہ دهان هے گویا هونٹهہ پر رنگ پان هے گویا
مسجد ایسي بهری بهری کب هے میکدہ اِک جهان هے گویا
بسکہ هیں اس غزل میں شعر بلند یہ زمیں آسمان هے گویا
وهی شور مزاج شیب میں هے "میر" اب تک جوان هے گویا

تیشے سے کوهکن کے کیا طرفہ کام نکلا
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا هنر تها
هوش اُڑ گئے سبهونکے شور سحر سے اس کے
مرغ چمن اگرچہ اِک مشت بال و پر تها

تڑپے زیر تیغ هم بے ڈول آہ
دامن پاک اس کا خوں میں بهر گیا

جی رک گئے اے همدم دل خون هو بهر آیا
اب ضبط کریں کب تک منهہ تک تو جگر آیا
تهی چشم دم آخر وہ دیکهنے آوے گا
سو آنکهوں میں جی آیا پر وہ' نہ نظر آیا
برخستہ ترا خواهاں اِک زخم دگر کا تها
کی مشق ستم تونے پر خون نہ کر آیا
ڈرهی کے تئیں تکتے پتهرا گئیں آنکهیں تو
وہ ظالم سنگیں دل کب "میر" کے گهر آیا

یار ہے "میر" کا مگر گل سا
کہ سحر نالہ کش ہے بلبل سا

دود دل کو ہمارے تک دیکھو
یہ بھی پر پیچ‌اب ہے کاکل سا

اک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن
اس میں بھی تم کو ہے تامل سا

ٹوٹی زنجیر پائے "میر" مگر
رات سنتے رہے ہیں ہم، غل سا

تمہارے ترکش مژگاں کی کیا کروں تعریف
جو تیر اُس سے چلا سو جگر کے پار ہوا

ہماری خاک پہ اک بے کسی برستی ہے
ادھر سے ابر جب آیا تب اشک‌بار ہوا

ایک دل کو ہزار داغ لگا اندرونی میں جیسے باغ لگا
"میر" اس بے نشاں کو پایا جان کچھ ہمارا اگر سراغ لگا

دست و پاگم کرنے سے میرے کھلے اسرار حق
دیکھ کر کھویا گیا سا مجھ کو ہر اک پا گیا

داغ محجوبی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو
عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شرما گیا

ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر
دیکھ کر اس کو ملک سے بھی نہ یاں ٹھہرا گیا

کیا کروں ناچار ہوں مرنے کو اب تیار ہوں
دل کي روز و شب کی بے تابي سے جی گھبرا گیا

اک بار بھی آنکھ اپني اس پر نہ پڑی مرتے
سو مرتبہ بالیں سے ہم سر کو اُٹھا دیکھا
جي دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں
کچھ ساري خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

نا گہ جو وہ صنم ستم ایجاد آ گیا
دیکھے سے طور اس کے' خدا یاد آگیا
اپنا بھی قصد تھا سر دیوار باغ کا
توڑا ہي تھا قفس کو کہ صیاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
دیکھنے آئے دم نزع لئے منھ پہ نقاب
آخري وقت مرے' منھ کا چھپانا کیا تھا

تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا سرشک
اب جو آنکھوں سے تجاوز کرچلا طوفاں ہوا
جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارتے
کام تو مشکل نظر آتا تھا' پر آساں ہوا

تم جو کل اس راہ نکلے برتن سے ھنستے گئے
ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر گریاں ھوا
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا ھے تب سے "میر"
حبیب جاں وابستۂ زنجیر تا داماں ھوا

مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی
جاگہہ سے اپنی جانا اپنا نہیں وطیرا
غیرت سے "میر" صاحب سب جذب ھو گئے تھے
نکلا نہ بوند لوھو سینہ جواں کا چیرا

طالع پھرئے سپہر پھرا، قلب پھر گئے
چندے وہ رشک ماہ جو ھم سے جدا پھرا
آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر
میں جیسے ابر برسوں تئیں دل بھرا بھرا
بندہ ھے پھر کہاں کا جو صاحب ھو بے دماغ
اس سے خدائی پھرتی ھے جس سے خدا پھرا

جانا اس آرام گہہ سے ھے بعینہ بس یہی
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اُدھر پہلو کیا
کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ھے ھائے
خوبرو اس کو کیا لیکن بہت بد خو کیا

پھول نرگس کا لئے بوچک کھڑا تھا راہ میں
کس کی چشم پر فسوں نے "میر" کو جادو گیا

عاشق ترے لاکھوں ہوئے ' مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا
تجھ پر کوئی اے کام جاں! دیکھا نہ یوں مرتا ہوا
مدت ہوئی اُلفت گئی ' برسوں ہوئے طاقت گئی
دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانئے اب کیا ہوا
وے دن گئے جو ' یاں کبھو اُٹھتا تھا دل سے جوش سا
اب لگ گئے ' رونے جہاں پل مارتے دریا ہوا
مستی میں لغزش ہوگئی معذور رکھا چاہیے
اے اہل مسجد! اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہوا
جوں حسن ہے اِک فتنہ گرتوں عشق بھی ہے پر دہ در
وہ شہرۂ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہوا

تمام روز ' جو کل میں پئے شراب پھرا
بسان جام لئے دیدۂ پرآب پھرا

وہ رشک گنج ہی نایاب تھا بہت ورنہ
خرابہ کون تھا جس میں نہ میں خراب پھرا
کہیں ٹھہرنے کی جایاں نہ دیکھی میں نے "میر"
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

اُڑتي هے خاک یارب شام و سحر ' جہاں میں
تس کے غبار دل سے یہ خاک داں بنایا
اس صحن پر یہ وسعت! اللہ رے تیري صنعت
معمار نے قضا کے دل کیا مکاں ' بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب! اتنا کڑھا نہ کرئے
اس غم نے " میر " تم کو جی سے ندان مارا

یہ " میر " ستم کشتہ کسو وقت جواں تھا
انداز سخن کا ' سببِ شور و فغاں تھا
واقف تھے هم احوال دل خستہ سے اپنے
وہ گنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا
کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ
جو پھول مری خاک سے نکلا ' نگراں تھا
مجنوں کو عبث دعویٰ وحشت هے مجھي سے
جس دن کہ جنوں مجھ کو هوا تھا وہ کہاں تھا

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا هوتا
یا تن آدمي میں دل نہ بنایا هوتا
عزت اسلام کي کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ
زلف نے تیري تو زنار بندھایا هوتا

دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں
اس عمارت کو تک اک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

کیا کہوں بےتابئی شب سے کہ ناچار اس بغیر
دل مرے سینے میں دودو ہاتھ اچھل کر رہ گیا

طریق خوب ہے آپس میں آشنائی کا
نہ پیش آوے اگر مرحلہ جدائی کا
یہیں ہیں دیرو حرم اب تو یہ حقیقت ہے
دماغ کس کو ہے ہر در کی جبہ سائی کا
کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سر ' اب ماریں
خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا
رکھا ہے باز ہمیں در بدر کے پھرنے سے
سروں پہ اپنے ہے احساں شکستہ پائی کا
ملا کہیں تو دکھا دیں گے عشق کا جنگل
بہت ہی خضر کو غرہ ہے رہنمائی کا

آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب
اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات اب یہی روزگار ہے اپنا

دے کے دل ہم جو ہوگئے مجبور　　اس میں کیا اختیار ہے اپنا

ہو گوشہ‌گیر، شہرت مد نظر اگر ہے
عنقا کی طرح اپنا عزلت سے نام نکلا
کیوں کر نہ سر رہے جو بے تاب "میر" سا ہو
اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا
اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا
کب ترے رہ میں "میر" گرد آلود
لو ہو میں آ، نہا نہیں جاتا

کچھ عشق و ہوس میں فرق کرلے　　کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا
کہتے نہ تھے "میر" مت کڑھا کر　　دل ہو نہ گیا گداز تیرا

نام اس کا سن کے آنسو گر ہی پڑے پلک سے
دل کا لگاؤ یارو چھپتا نہیں چھپایا
رہتی تھی بے دماغی اک شور ما و من میں
آنکھوں کے مند گئے پر آرام سا تو پایا

منھ تکا ہی کرے ہے جس تس کا
حیرتی ہے یہ آئنہ کس کا

شام سے کچھ بجھا سا رهتا ہے
دل هوا ہے چراغ مفلس کا
داغ آنکھوں سے کھل رهے هیں سب
هاتھ دستہ هوا ہے نرگس کا
فیض اے ابر! چشم تر سے اٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا
تاب کس کو جو حال "میر" سنے
حال هي اور کچھ ہے مجلس کا

تحمل نہ تھا جس کو تک سو وہ میں
ستم کیسے کیسے اُٹھانے لگا

آنسو مری آنکھوں میں هر دم جو نہ آ جاتا
تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
صد شکر کہ داغ دل، افسردہ هوا ورنہ
یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا
کہتے تو هو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا
یہ کہنے کی باتیں هیں کچھ بھي نہ کہا جاتا

جو کچھ نظر پڑي ہے حقیقت میں کچھ نہیں
عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہے خواب کا
شاید کہ قلب یار بھي تک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے کے هوں انقلاب کا

رو، فرصت جواني په جوں ابر بے خبر
انداز برق کا سا هے عهد شباب کا
لایق تها ریجهنے هي کے مصراع قدیار
میں معتقد هوں " میر " ! ترے انتخاب کا

کیا کوئي زیر فلک اونچا کرے فرق غرور
ایک پتهر حادثے کا آ لگا سر پهر گیا
بعد مدت اس طرف لایا تها اس کو جذب عشق
بخت کی برگشتگي سے آتے آتے پهر گیا
سخت هم کو " میر " کے مر جانے کا افسوس هے
تم نے دل پتهر کیا وہ جان سے آخر گیا

طاقت سے میرے دل کی خبر تجهہ کو کیا نہ تهی
ظالم نگاہ چشم ادهر کي ، غضب کیا

لڑگئیں آنکهیں اتهائی دل نے چوٹ
یہ تماشائي عبث گهائل هوا
ایک تهے ، هم ویے نہ هوتے هست اگر
اپنا هونا بیچ میں حائل هوا
" مهر " هم کس ذیل میں، دیکهہ اُس کي آنکهہ
هوش اهل قدس کا زائل هوا

کوئی فقیر' یہہ اے کاشکے دعا کرتا
کہ مجھہ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا
ترے مزاج میں تاب و تعب تھی " میر " کہاں
کسو سے عشق نہ کرتا تو تو بھلا کرتا

بندھا رُت آنسو کا کچھہ تار سا
هوا ابر رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ هی اس کو سادہ کہے
لگے هے همیں وہ تو عیار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ
سدا میں تو رهتا هوں بیمار سا
جو ایسا هی تم هم کو سمجھو هو سهل
همیں بھی یہہ جینا هے دشوار سا
مگر آنکھہ تیری بھی چپکے کہیں
ٹپکتا هے چتون سے کچھہ پیار سا
چمن هوے جو انجمن تجھہ سے واں
لگے آنکھہ میں سب کی' گل خار سا
کھڑے منتظر ضعف جو آگیا
گرا اس کے در پر میں دیوار سا
دکھاؤں متاع وفا کب اسے
لگاوں تو رهتا هے بازار سا

وائے احوال اس جفاکش کا
عاشق اپنا جسے وہ جان گیا

داغ حرماں ہے خاک میں بھي ساتھ
جی گیا پر نہ یہ نشان گیا

پہونچایا مجھ کو عجز نے مقصود دل کے تئیں
یعني کہ اِس کے درھي پہ میں ناتواں گرا

آتے ھي آتے تیرے یہ ناکام ھو چکا
واں کام ھی رھا تجھے ' یاں کام ھو چکا
موسم گیا وہ ترک محبت کا ناصحا
میں اب تو خاص و عام میں بد نام ھو چکا
یا خط چلے ھی آتے تھے یا حرف ھی نہیں
شاید کہ سادگی کا وہ ھنگام ھو چکا
تڑپے ھے جب کہ سینے میں اُچھلے ھے دودو ھاتھ
گر دل یہي ھے " میر " تو آرام ھو چکا

کی بلبل اورگل کی جو صحبت کي سیر " میر "
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

سینے میں شوق " میر " کے سب درد ھو گیا
دل پر رکھا تھا ھاتھ سو منھ زرد ھو گیا

کیا تو ؟ نمود کس کی ؟ کیا ہے کمال تیرا
اے نقش وہم آیا کیدھر خیال تیرا
پہلا قدم ہے انساں ! پامال مرگ ہونا
کیا جانے رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
تفصیل حال میری تھی باعث کدورت
سو جی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لاغری بدن میں
کیا عشق میں ہوا ہے اے " میر " حال تیرا

خدا جانے ہمیں اس بے خودی نے کس طرف پھینکا
کہ مدت ہوگئی ہم کھنچتے ہیں انتظار اپنا
اگرچہ خاک اڑائی دیدۂ ترنے بیاباں کی
ولے نکلا نہ خاطر خواہ رونے سے غبار اپنا
دل بے تاب وبےطاقت سے کچھ چلتا نہیں ورنہ
کھڑا بھی واں نہ جاکر ہوں اگر ہو اختیار اپنا

" میر " بڑی دیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا
کچھ خدا لگتی بھی کہتا جو مسلماں ہوتا

شکست دل عشق کی جان کیا
نظر پھیری تونے تو وہ مر گیا
بہت رفتہ رہتے ہو تم اس کے اب
مزاج آپ کا " میر " کیدھر گیا

کیا ہے جو راہ دل کی ' طے کرتے مر گئے ہم
جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر رہے گا

پند گو مشفق عبث میرا نصیحت گر ہوا
سختیاں جو میں بہت کھینچیں سو دل پتھر ہوا
کب کھپا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا
پھول خوش رنگ اور اُس کے فرش پر بچھ کر ہوا

کبھي تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبے میں
کہاں کہاں لئے پھرتا ہے شوق اس در کا
بتا کے کعبے کا رستا اسے بھلاؤں راہ
نشاں جو پوچھے کوئي مجھ سے یار کے گھر کا

" مہر " کے ہوش کے ہیں ہم عاشق
فصل گل جب تلک تھی ' مست رہا

گئي نیند ' شیون سے بلبل کے رات
کہیں دل ہمارا گرفتار تھا
قد یار کے آگے سرو چمن
کھڑا دور جیسے گنہ گار تھا

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ہي جدا نہ ہوا

اندوہ و غم کے جوش سے دل رک کے خوں ہوا
اب کي سمجھے بہار سے آگے جنوں ہوا

دیکھا پلک اُتھا کے تو پایا نہ کچھ اثر
اے عمر برق ! جلوہ گئے تو شتاب کیا

جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ
ہائے رے چشم دلبراں کی ادا
دل چلے جاے ہیں خرام کے ساتھ
دیکھي چلنے کی دلبراں کی ادا
خاک میں مل کے "میر" ہم سمجھے
بے ادائي تھی آسماں کی ادا

میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا
غنچۂ دل مرا کہیں نہ کھلا

وہ روئے خوب اب کي ، ہرگز گیا نہ دل سے
جب گل کھلا چمن، میر، تب داغ ہم نے کھایا

آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا
خواب عدم سے ہم کو کاہے کے تئیں جگایا

تیرے غم کے ہیں خواہاں سب، نہ کھا غم
کمی کیا ہو ئی جو اک میں نہ ہوں گا

" میر " کے نبض پہ رکھہ ہاتھہ لگا کہنے طبیب
آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا اس سیہ خانے میں چراغ جلا

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
ضبط تھا جب تئیں چاہت نہ ہوئی تھی ظاہر
اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا
مجھکو شاعر نہ کہو " میر " کہ صاحب میں نے
درد غم کتنے کئے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آساں ناتواں میں لے گیا
" یا محبت " کہ کے یہ بار گراں میں لے گیا
خاک و خوں میں لوٹ کر رہ جانے ہی کا لطف ہے
جان کو کیا جو سلامت نیم جاں میں لے گیا

ریختہ کا ہے کو تھا اس رتبۂ عالي میں "میر"
جو زمیں نکلي اُسے تا آسمان میں لے گیا

تھا نزع میں دست "میر" دل پر شاید غم کا یہی محل تھا

تک رہے ہیں اس کو سو ہم تک رہے ایک سے
دیدہ حیراں ہمارا دیدۂ بسمل ہے کیا
ہم تو سو سو بار مر رہتے ہیں ایک آن میں
عشق میں اس کے گذرنا جان سے مشکل ہے کیا

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کس کو؟ سلام کیا؟

بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ولے
تلخ بخلي کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا

چال یہ کیا تھی کہ ایدھر اکو گذارانہ کیا
دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا
جي رہے ڈوبتے دریائے غم عشق میں ایک
بوالھوس کی سي طرح ہم نے کنارا نہ کیا

جلوے سے اس کے جل کے ھوئے خاک، سنگ و خشت
بے تاب دل بہت ھے یہ کیا تاب لائے گا

اس کے دامن تلک نہ پہونچا ھاتھ
تھا سر دست جیب چاک ھوا
ڈر سے اس رشک خور کی گرمي سے
کچھہ تو ھے ھم سے جو تپاک ھوا

کیا حسن خوبان بد راہ کا ھمیشہ رھے نام اللہ کا
پشیماں ھوا دوستي کرکے میں بہت مجھہ کو ارمان تھا چاہ کا
اسیري کا دیتا ھے مژدہ مجھے مرا زمزمہ گاہ و بیگاہ کا

چشم سے خوں ھزار نکلے گا
کوئي دل کا بخار نکلے گا
آندھیوں سے سیاہ ھو گا چرخ
دل کا تب کچھہ غبار نکلے گا
ناز خورشید کب تلک کھینچیں
گھر سے کب اپنے، یار نکلے گا
عزلت "میر" عشق میں کب تک
ھو کے بے اختیار نکلے گا

رقعہ ھمیں جو آوے ھے سو تیر میں بندھا
دیا دیجئے جواب اجل کے پیام کا

صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم و گر نہ کچھ
جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

عمر آوارگی میں سب گذری کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا

راہ اس سے ہوئی خلق کو کس طور سے یارب
ہم کو کبھی ملنے کا تو اُس کے نہ ڈھب آیا
خوں ہوتی رہی دل ہی میں آزردگی میری
کس روز گلہ اس کا مرے تا بہ لب آیا
آئے ہوئے اُس کے تو ہوئی بے خودی طاری
وہ یاں سے گیا اُٹھ کے مجھے ہوش جب آیا

ہرآن تھی سر گوشی ' یا بات نہیں گاہے
اوقات ہے اک یہ بھی ' اک وہ بھی زمانہ تھا
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا
اس عشق کے میداں میں ' میں ہی تو نشانہ تھا

مت سہل ہمیں سمجھو پہونچے تھے بہم تب ہم
برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا
کیا صورتیں بگڑی ہیں مشتاقوں کی ہجراں میں
اس چہرے کو اے خالق ایسا نہ بنانا تھا

اس زندگي سے مارے هی جانا بھلا تھا " میر "
رحم ان نے میرے حق میں کیا ' کیا ستم کیا ؟

اب کي جو گل کي فصل میں هم کو جنوں هوا
وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسا تھا خوں هوا
تھا شوق طوف تربت مجنوں مجھے بہت
اک گرد باد دشت مرا رهنموں هوا

گرم ملنا اُس گل نازک طبیعت سے نہ هو
چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مرجھانے لگا
چشمک اس مہ کي سي دل‌کش دید میں آئی نہیں
گوستارہ صبح کا بھي آنکھ جھپکا نے لگا
کیونکر اس آئینہ روسے " میر " ملئے بے حجاب
وہ تو اپنے عکس سے بھي دیکھو شرمانے لگا

آنکھ پڑتي تھي تمھاری منھ پہ جب تک چین تھا
کیا کیا تم نے کہ مجھ بے تاب سے پردہ کیا
لوگ دل دیتے سنے تھے " میر " دے گذرا هے جي
ایک اپنے طور پر ان نے بھی اک سودا کیا

صد سخن آئے تھے لب تک پر نہ کھلنے پائے ایک
ناگہاں اس کی گلی سے اپنا جانا هو کیا

رهنے کے قابل تو هرگز تھي نه یه عبرت سرائے
اتـفـاقاً اس طرف اپنا بھي آنا هو گیا

هو گئے هم محبت کي بے شعوري سے اسیر
شیخ میں کچھہ هوش تھا میخانے سے جاتا رها
"میر" دیوانه هے اچھا ' بات کیا سمجھے مری
یوں تو مجھہ سے جب ملا میں اس کو سمجھاتا رها

نه پوچھو خوب هے بد عهدیوں کی مشق اس کو
هـزار عـهد کـئـے پـر وهـي تـکـلف تھا

گلی میں اس کی ' میري رات کیا آرام سے گذری
یهی تھا سنگ بالیں ' خاک تھی ' بستر ' جهاں میں تھا
غضب کچھہ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جي میں
قیامت لحظه لحظه تھی مرے دل پر جهاں میں تھا

عاقلانه حرف زن هو "میر" تو کرئے بیاں
زیر لب کیا جانئے کهتا هے کیا مجذوب سا

سر گذشت اپني سبب هے حیرت احباب کی
جس سے دل خالی کیا وہ آہ بھر کر رہ گیا

کیا کہئے دماغ اس کا گلگشت میں کل "میر"
گل شاخوں سے جھک، آئے تھے پر منھ نہ لگایا

مُرید پیرمغاں صدق سے نہ ہم ہوتے
جو حق شناس کوئي اور بھی نظر آتا
کسو هنر سے تو ملتے تھے باهم اگلے لوگ
همیں بھي کاش کے ایسا کوئی هنر آتا
شراب خانے میں شب مست هو رها شاید
جو "میر" هوش میں هوتا تو اپنے گھر آتا

بس هو تو دام کو بھی اس پر نثار کرئے
یک نقد دل رکھے هیں سو تو هے مال اُس کا

بوسہ اس بت کا لے کے منھ موڑا
بھاري پتھر تھا چوم کر چھوڑا
کیا کرے بخت مدعی تھا بلند
کوہ کن نے تو سر بہت پھوڑا
هے لب بام آفتاب عمر
کرئے سو کیا هے "میر" دن تھوڑا

هے عشق میں صبر نا گوارا
پھر صبر بن اور کیا هے چارا

دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو
کچھ پاس نہیں تمہیں ہمارا
جب جی سے گذر گئے ہم اے "مہر"
اُس کوچے میں تب ہوا گذارا

کیا کہے حال کہیں دل زدہ جاکر اپنا
دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا
دورئی یار میں ہے حال دل ابتر اپنا
ہم کو سو کوس سے آتا ہے نظر گھر اپنا
دل بہت کھینچتی ہے یار کے کوچے کی زمیں
لو ہو اس خاک پہ گرنا ہے مقرر اپنا

آخر کو خواب مرگ ہمیں جا سے لے گئی
جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا

اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے داماں اپنا
کیا کروں گر نہ کروں چاک گریباں اپنا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا لوٹا مارا ہے حسن والوں

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یار نام ہے خدا کا

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آیئنہ ہے اس یار خود نما کا
کیا میں ہی جاں بہلب ہوں بیماری دلی سے
مارا ہوا ہے عالم اس درد بے دوا کا

بند اِس قبا کا کھولیں کیا ناخن فقیراں
وابستہ ہے یہ عقدہ شاید کسو دعا کا

ڈرتا ہوں مالکان جزا چھانی دیکھ کر
کھلے لگیں نہ واہ رے زخم اُس کے ہات کا
کیوں کر بسر کرے غم و غصے میں ہجر کے
خو گر جو ہو کسو کے کوئی التفات کا
واعظ کہے سو سچ ہے ولے مے فروش سے
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا
عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

نہیں تاب لاتا دل زار اب
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا
نہ سوز دروں فصل گل میں چھپا
سر و سینہ سے داغ نے گل کیا
ہمیں شوق نے صاحبو کھو دیا
غلاموں سے اس کے تو سل کیا

حقیقت نہ "میر" اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

رفتۂ عشق کیا ہوں میں اب کا
جا چکا ہوں جہان سے کب کا
لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں
دیکھ رہتا ہوں دیر منھ سب کا
ہم تو نا کام ہی چلے یاں سے
تم کو ہو گا حصول مطلب کا

رحم کیا کر ' لطف کیا کر ' پوچھ لیا کر آخر ہے
"میر" اپنا ' غم خوار اپنا ' پھر زار اپنا ' بیمار اپنا

اے کاش مرے سر پر اک بار وہ آ جاتا
ٹھہراؤ سا ہو جاتا ' یوں جی نہ چلا جاتا
تب تک ہی تحمل ہے جب تک نہیں آتا وہ
اس رستے نکلتا تو ' ہم سے نہ رہا جاتا

مستانہ اگرچہ میں ' طاعت کو لگا جاتا
پھر بعد نماز اُٹھ کر مے خانہ چلا جاتا
دیکھا نہ اُدھر ورنہ ' آتا نہ نظر پھر میں
جی مفت مرا جاتا اِس شوخ کا کیا جاتا

شب ' آہ شرر افشاں ہونٹھوں سے پھری میرے
سر کھینچتا یہ شعلہ تو مجھ کو جلا جاتا

ھے شوق سیہ رو سے بد نامی و رسوائی
کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا

تھا "میر" بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے
ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ھلا جاتا

گو بے کسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا
میں جوں چراغ گور اکیلا جلا کیا

ڈرتا ھی میں رھا کہ پلک کوئی گڑ نہ جائے
آنکھوں سے اس کی رات جو تلوے ملا کیا

سر گرم طلب ھو کر کھویا گیا میں آپ ھی
کیا جانئے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا

مرتا تھا جس کے خاطر اس کی طرف نہ دیکھا
"میر" ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے ' درد و غم سے مرجھایا گیا
جی کو مہماں سنتے تھے مہمان سا آیا گیا

ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا ولے
اک آدھ حرف پیار کا منھ سے نکل گیا
سر، اب لگے جھکانے بہت خاک کی طرف
شاید کہ ''میر'' جي کا دماغی خلل گیا

ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیربن آئی نہیں
تم کہو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا
داخل دیوانگی ھي تھی ھماری عاشقی
یعنے اس سودے میں ھم نے جان کا نقصاں کیا
شکر کیا اس کي کریمي کا ادا بندے سے ھو
ایسي اک ناچیز مشت خاک کو انساں کیا

سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھي عاشق کی
اپني غیرت میں وہ کچھ آپ هي جلا جاتا تھا

جہاں بھرا ھے تیرے شور حسن و خوبی سے
لبوں پہ لوگوں ھے ھے ذکر جا بہ جا ترا
نظر، کنھوں نے نہ کی حال ''میر'' پر افسوس
غریب شہروفا تھا وہ خاک پا تیرا

صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا
عشق میں کس حسن سے فرہاد ظالم مرگیا

هم تو تھے محو دوستی اُس کے
گو کہ دشمن جہان سارا تھا
آستاں کی کسو کے خاک ہوا
آسماں کا بھی کیا ستارا تھا

خوب کیا جو اہل کرم کے جود کا کچھ نہ خیال کیا
هم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ترک سوال کیا

هم کوئے مغاں میں تھے ' ماہ رمضاں آیا
صد شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا

آنکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاک قفس سے اسیروں کی
جھونکا باد بہاری کا گل برگ کوئی یاں لاوے گا
اب تو جوانی کا یہ نشہ ہے بے خود تجھ کو رکھے گا
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

جھک کے سلام کسی کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے
سر جاوے گو اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا
دل کے تئیں اس راہ میں کھو افسوس کناں اب پھرتا ہوں
یعنی رفیق و شفیق پھر ایسا " میر " کہاں میں پاؤں گا

قیامت کا عرصہ ہے اے ' میر ' دوھم
مرے شور و زاری نے میدان مارا

جگر خوں کیا ' چشم نم کر گیا
گیا دل سو ہم پر ستم کر گیا

یاری کئے کسو کا کاھے کو نام نکلا
ناکام عشق تھا تو عاشق کا نام نکلا
ھنگامے سے جہاں میں ہم نے جنوں کیا ہے
ہم جس طرف سے نکلے اک اژدھام نکلا
جانا تھا تجھ کو ہم نے تو پختہ مغز ہوگا
دیکھا تو " میر " تیرا سودا بھی خام نکلا

خوش زمزمہ طیور ھی ھوتے ھیں " میر " اسیر
ھم پر ستم یہ ' صبح کی فریاد سے ھوا

زار کیا ' بیمار کیا ' اس دل نے کیا آزار کیا
داغ سے تن گلزار کیا سب آنکھوں کو خوں بار کیا
چاھا ھم نے کیا تھا پر اپنا چاھا کچھ نہ ھوا
عزت کھوئی ذلت کھینچی ' عشق نے خوار و زار کیا

چاهت کا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا
اس پردے کے اُٹھ جانے سے اُس کو ہم سے حجاب ہوا
ساري ساري راتیں جاگے ' عجز و نیاز زاری کی
تب جا کر ملنے کا اس کے صبح کے ہوتے خواب ہوا

"میر" گذرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے
یعنی دس دن جینے کے میں اپنے هي ماتم میں تها

مرنے کا بهي خیال رهے "میر" اگر تجهے
هے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

کوشش میں سر مارا لیکن در په کسي کے جا نه سکا
تن په زبان شکر هے هرمو ' اپني شکسته پائي کا
آنا سن ناداري سے هم نے جي دینا تهرایا هے
کیا کہئیے اندیشه بڑا تها اس کي منهه دکهلائی کا

دور بہت بهاگو هو هم سے سیکهے طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوا هے کیا ؟ اچهی آنکهوں والوں کا

ابهی هوں منتظر ' جاتی هے چشم شوق هر جانب
بلند اس تیغ کو هونے تو دو سر بهی جهکا دوں گا

پڑا میں زیر سر ہوں کاش اُفتادہ رہوں یوں ہی
اٹھا گر خاک سے تو "میر" ہنگامے اٹھاؤں گا

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا
رکھے رہتے ہیں دل پر ہاتھ اے "میر"
یہیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا

کیا پوچھو ہو کیا کہیئے یہاں دل نے بھی کیا کام کیا
عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا
کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے
آخر دل کی بے تابی سے خط بھیجا پیغام کیا
خط و کتاب لکھنا اس کو ترک کیا تھا اسی لیئے
حرف و سخن سے ٹپکا لہو ہو اب جو کچھ ارقام کیا
"میر" جو اس نے منہہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی
لطف، کیا احسان کیا، انعام کیا، اکرام کیا

مرنا اس کے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے
رشک کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا
گر پڑیں گے ٹوٹ کر اکثر ستارے چرخ سے
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا
جي کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا
ہائے جوانی! کیا کیا کہئے شور سروں میں رکھتے تھے
اب کیا ہے ؛ وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا

وصل میں رنگ اڑگیا میرا کیا جدائي کو منھہ دکھاؤں گا
طوف مشہد کو کل جو جاؤں گا تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
چھانتا ہوں کسو گلي کي خاک دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا
اس کے در پر گئي ہے تاب و تواں گھر تلک اپنے کیونکہ کے جاؤں گا

خیال چھوڑ دے واعظ تو بے گناہی کا
رکھے ہے شوق اگر رحمت الٰہی کا

ہرجا پھرا غبار ہمارا اڑا ہوا
تیري گلي میں لائي صبا تو بجا ہوا

پہلو سے اٹھ کیا ہے وہ نازنیں ہمارا
جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا
حالت ہے نزع کی یاں آؤ کہ جاتے ہیں ہم
آنکھوں میں منتظر ہے دم واپسیں ہمارا

آج ہمارا دل تڑپے ھے کوئی اُدھر سے آوے گا
یا کہ نوشتہ ان ھاتوں کا قاصد ہم تلک لاوے گا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ھوں اب کعبے میں نہ آؤں گا
تا بت‌خانہ ھر قدم اوپر سجدہ کرنے جاؤں گا

قدرت حق میں کیا قدرت جو دخل کسو کی فضولی کرے
اس کو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس و خاشاک کیا

برسوں نئیں جہاں میں کیوں کر رہا ھے خضر
میں چار دن میں جینے سے بیزار ھو گیا
اُس کی نگاہ مست کا کھایا ھی تھا فریب
پر شیخ ' طرز دیکھ کے ھوشیار ھو گیا
کیا متقی تھا " میر " پر ' آئین عشق میں
مجرم ساکشت و خوں کا سزاوار ھو گیا

نہ وہ آوے ' نہ جاوے بے قراری
کسو دن " میر " یوں ھی مر رھوں گا

گرم مزاج رھا نہیں اپنا ' ویسے اس کے ھجراں میں
ھوتے ھوتے افسردہ ' دیکھو گے اک دن سرد ھوا

"میر" نہ اپنے درد دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب
صبح جو گوش دل سے سنا تھا دل میں میرے درد ہوا

خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا تھوڑی ہے
اب سر خاک بھی ہو جاویے تو سر سے کیا احسان گیا

دیدۂ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی
آہ نہ جانا روتے روتے یہ چشمہ دریا ہووے گا

"میر" پریشاں خاطر آ کر رات رہا بت خانے میں
راہ رہی کعبہ کی ادھر، یہ سودائی کیدھر آیا

دل رہے وصل جو سدام رہے
مل گئے اس سے گاہ گاہ تو کیا

جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ
آپ میں "میر" پھر نہیں آیا

بات کہتے جی کا جانا ہو گیا مرنا، عاشق کا بہانا ہو گیا
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

فائدہ کیا نماز مسجد کا
قد ہی محراب سا جو خم نہ ہوا
نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا
ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا
یار ہمراہ نعش جس دم تھا
وائے ! مردے میں میرے دم نہ ہوا
بے دلی میں ہے "میر" خوش اُس سے
دل کے جانے کا حیف غم نہ ہوا

بہت کی جستجو اس کی، نہ پایا
ہمیں در پیش ہے اب جی کا کھونا
وصیت "میر" نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہو پہ تو عاشق نہ ہونا

طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشق و جنوں میں روز و شب
روتے روتے ہنسنے لگا کہ "میر" عجب دیوانا تھا

ناخن سے بوالہوس کا گلا یوں ہی چھل گیا
لوہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا
بے دل ہوئے پہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش
ہم آپ ہی میں آئے نہیں جب سے دل گیا
شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق
یعنی کہ ہستی، ننگ عدم تھی خجل گیا

کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں
دریاے گریہ جوش زناں تھا بہا کیا

عالم مستی ' کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا
ھوش آیا ھے جب سے سر میں شوق رھا اُس عالم کا

غربت ھے دل آویز بہت شہر کی اُس کے
آیا نہ خیال ھم کو کبھو اپنے وطن کا

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے
قیامت کا سا ھنگامہ اُٹھایا
تمامی عمر جس کی جستجو کی
اُسے پاس اپنے اک دم بھی نہ پایا
نہ تھی بیگانگی معلوم اُس کی
نہ سمجھے ھم ' اسی سے دل لگایا
قریب دیر ' خضر آیا تھا لیکن
ھمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا

نہ اُٹھا لطف کچھ جوانی کا
کم بہت موسم شباب رھا

پریشاں کر گئی فریاد بلبل
کسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
صنم خانے سے اُتھہ کعبے گئے ہم
کوئی آخر ہمارا بھي خدا تھا
بدن میں اُس کے ہے ہر جاے دل کش
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا

کیا نماز اے "میر" اس اوقات کي
جب کہ تو محراب سا خم ہو گیا

وہ دیکھنے ہمیں تک بیماری میں نہ آیا
سو بار آنکھیں کھولیں بالیں سے سر اُتھایا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناتواں ہوا
مرنا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا
غیر از خدا کي ذات مری گھر میں کچھہ نہیں
یعنے کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر
صیاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا

کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقي میں
پتھر کیا جگر کو تب چاہ کو نباھا

بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا
میں بے دماغ باغ سے اٹھ کر چلا گیا

غم ہجر رکھے گا بے تاب دل کو
ہمیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہو گا

دیر ' بعد عہد جب وہ یار آیا   دور سے دیکھتے ہی پیار آیا

نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اس پر
کہ گھر لٹا چکے جب یار اپنے گھر آیا

جہاں کا دریائے بے کراں تو سراب پایان کار نکلا
جو لوگ تجھ سے کچھ آشنا تھے اُنہوں نے لب تر کیا نہ اپنا

نہ پہونچی جو دعائے " میر " واں تک تو عجب کیا ہے
علوئے مرتبہ ہے بس کہ اس درگاہ عالی کا

روز و شب ' روتے کڑھتے گذرے ہے   اب یہی اپنا روزگار ہوا

کیونکہ سب عمر صعوبت میں کٹی تیری " میر "
اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہوا

جو قافلے گذرے تھے انھوں کي اتھي بھی گرد
کیا جانئے غبار ہمارا کہاں رہا
اعضا ' گداز عشق سے ایک ایک بہہ گئے
اب کیا رہا ہے مجھہ میں جو میں نیم جاں رہا

نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک
کدھر جاتا ہے قد خم ہمارا

کیا کہئے ؟ عشق ' حسن کي آپ هي طرف هوا
دل نام قطرۂ خون یہ ' ناحق تلف هوا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اتھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اتھا

مجلس میں میں نے اپنا سوز جگر کہا تھا
روتي ہے شمع تب سے بے اختیار ہر شب
اب وہ نہیں کہ آنکھیں تھیں پرآب روز و شب
تپکا کرے ہے آنکھوں سے خوں ناب روز و شب

موند رکھنا چشم کا ' هستي میں عین دید ہے
کچھہ نہیں آتا نظر جب آنکھہ کھولے ہے حباب

اندوہ سے هوئي نہ رهائی تمام شب
مجھہ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب

تادل سے میری پلکوں پہ قطرے ٭ر شک سے
دیکھے رہے ہیں ''میر'' دکھائي تمام شب

وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے، کہاں ہے اب
تیرو کماں ہے ہاتھ میں 'سینہ نشاں ہے اب
زردی رنگ ہے غم پوشیدہ پر دلیل
دل میں جو کچھ ہے' منھ سے همارے عیاں ہے اب

کاش اُس کے رو برو نہ کریں مجھ کو حشر میں
کتنے مرے سوال ہیں کتنے مرے جواب
گذرے ہے ''میر'' لوٹتے دن رات آگ میں
ہے سوز دل سے زندگي اپني همیں عذاب

جو کہو تم سو ہے بجا صاحب
هم برے هی سہی' بھلا صاحب

طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف
کب ایسا غلام آوے ہے بازار میں صاحب

کیا کہوں حال ؟ خاطر آشفتہ دل خدا جانئے کدھر ہے اب

جوش رونے کا مجھے آیا ہے اب
دیدۂ تر ابر سا چھایا ہے اب
کاشکے کے ہو جائے سینہ چاک چاک
رکتے رکتے جی بھی گھبرایا ہے اب

التفات زمانہ پر مت جا " میر " دیتا ہے روزگار فریب

عالم کے لوگوں کا ہے تصویر کا سا عالم
ظاهر کھلی ہیں آنکھیں لیکن ہیں بے خبر سب

موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے شاہ ہوئے
دل کھینچتا ہے جانب صحرا، جی نہیں لگتا گھر میں اب

دل خراشی و جگر چاکی و خوں افشانی
ہیں تو یہ کام ' پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
پھر نہ آئے جو ہوے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیر زمیں " میر " ہے آرام بہت

کہتے ہیں " آگے تھا بتوں میں رحم "
ہے خدا جانئے یہ کب کی بات

مرجاں کوئي کہے هے کوئي اِن لبوں کو لعل
کچھہ رفتہ رفتہ پاهي رهے گي قرار بات

بلبل کے بولنے میں سب انداز هیں مرے
پوشیدہ کب رهي هے کسی کی اُڑائي بات
خط لکھتے لکھتے ''میر'' نے دفتر کئے رواں
افراط اشتیاق نے آخر بڑھائي بات

چشم رهنے لگی پر آب بہت
شاید آوے گا خون ناب بہت
دل کے دل هي میں رہ گئے ارماں
کم رها موسم شباب بہت

اب تو وفا ، مہر کا مذکور هي نہیں
تم کس سمے کي کہتے هو یہ هے کہاں کي بات

سو غیروں میں هو عاشق تو ایک اُسی سے شرماویں
اس مستي میں آنکھیں اس کی رهتي هیں هشیار بہت

آئے هیں ''میر'' منھہ کو بنائے جفا سے آج
شاید بگڑ گئی ہے کچھہ اُس بے وفا سے آج

ساقي ٹک ایک موسم گل کي طرف تو دیکھ
ٹپکا پڑے ھے رنگ ' چمن میں ھوا سے آج
تھا جي میں' اُس سے ملتے توکیا کیا نہ کہتے "میر"
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل' حیا سے آج

وے پھري پلکیں اگر کھپ گئیں جي میں تو وھیں
رخنے پڑجائیں گے واعظ! ترے ایمان کے بیچ

کل ھم بھي سیر باغ میں تھے ساتھ یار کے
دیکھا تو اور رنگ ھے سارے چمن کے بیچ

آئے جو لب پر آہ تو میں اُٹھ کھڑا ھوا
بیٹھا گیا نہ مجھ سے تو ایسی ھوا کے بیچ

میں بے دماغ عشق اُٹھا سو چلا گیا
بلبل پکارتی ھی رھی گلستاں کے بیچ
اتنی جبیں رگڑی کہ سنگ آئینہ ھوا
آنے لگا ھے منھ نظر اس آستاں کے بیچ

دوش و آغوش و گریباں ' دامن گل چیں ھوئے
گل فشاني کر رھی ھے چشم ' خوں باري کے بیچ

جان کو قید عناصر سے نہیں ہے وار ھی
تنگ آئے ھیں بہت اس چار دیواری کے بیچ
ایک ھوویں جو زبان و دل تو کچھ نکلے بھی کام
یوں اثر اے "میر" کیا ھے گریہ و زاری کے بیچ

ستھراؤ کردیا ہے تمنائے وصل نے
کیا کیا عزیز مرگئے اس آرزو کے بیچ

دور گردوں سے ھوئی کچھ اور میخانے کی طرح
بھر نہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پیمانے کی طرح
یوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح کوئی مجھ سے کہ ھائے
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ھیں سمجھانے کی طرح

ھم سے بن مرگ کیا جدا ھو ملال
جان کے ساتھ ہے دل ناشاد

لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم
خاک کس دل جلے کی دی برباد

رھیے بغیر تیرے اے رشک ماہ تا چند
آنکھوں میں یوں ھماری عالم سیاہ تا چند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری
اپنی بھی وفا یاد ہے اس کی بھی جفا یاد
کعبے تو گئے' بھول کے ہم دیر کا رستا
آتا تھا ولے راہ میں ہر گام خدا یاد

چمن کی یاد کے آتے خبر نہ اتنی رہی
کہ میں کدھر ہوں ؟ کدھر ہے قفس ؟ کدھر صیاد ؟
سنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتش گل
چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر' صیاد!

نہ درد مندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ
قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالۂ و فریاد

چا دیوارئی عناصر "میر" خوب جائہ ہے پر ہے بے بنیاد

وعدے برسوں کے کتنے دیکھے ہیں
دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم
اس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے
اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

جوں شمع صبح گاهی اک بار بجھ گئے هم
اس شعلہ خونے هم کو مارا جلا جلا کر

قدم تیرے چھوئے تھے جن سے ' اب وہ هاتھ هے سر هے
مرے حق میں نہ هونا هی تھا یاں تک دسترس ' بہتر

میں مشت خاک یارب؟ بار گران غم تھا
کیا کہئیے ؟ آ پڑا هے اک آسماں زمیں پر
جو کوئي یاں سے گذرا کیا آپ سے نہ گذرا
پاني رھا کب اتنا هوکر رواں زمیں پر
کچھ بھی مناسبت هے یاں عجز ' واں تکبر
وے آسماں پر هیں ' میں ناتواں زمیں پر

اک بار تونے آکر خاطر نہ رکھي میري
میں جي سے اپنے گذرا سوبار ترے خاطر

کچھ هو رهے گا عشق و هوس میں بھی امتیاز
آیا هے اب مزاج ترا امتحان پر
کس پر تھے بےدماغ کہ ابرو بہت هے خم
کچھ زور لے پڑا هے کہیں اس کمان پر
دامن میں آج " میر " کے داغ شراب هے
تھا اعتماد هم کو بہت اس جوان پر

کیوں ؟ آنکھوں میں سرمےکا تو دنبالہ رکھے ھے
مت ھاتھہ میں ان مستوں کے تلوار دیا کر
کچھہ خوب نہیں اتنا ستانا بھي کسو کا
ھے "میر" فقیر اس کو نہ آزار دیا کر

آنکھہ اس کي اس طرح سے نہیں پڑتی تک ادھر
اب خوب دیکھتے ھیں تو چتون کا ڈھب ھے اور
کیا کہئیے حال دل کا جدائی کي رات میں
گذرے ھے کب کہاني کہے سے یہ شب ھے اور
دل لےچکے دکھا کے رخ خوب کو تبھی
اب منھہ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ھے اور
کیا بات تیري اے ھمہ عیاری و فریب
آنکھیں کہیں ھیں اور سخن زیر لب ھے اور
اسباب مرگ کے تو مہیا ھیں سارے "میر"
شاید کہ زندگاني کا اپني سبب ھے اور

اس قافلے میں کوئی دل آشنا نہیں ھے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ تو جرس کر

صورت پرست ھوتے نہیں معني آشنا
ھے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھہ اور
وہ کیا یہ دل لگی ھے فنا میں کہ رفتگاں
منھہ کرکے بھي نہ سوئے کبھو پھر جہاں کے اور

یارب ! ھے کیا مزا سخن تلخ یار میں
رھتے ھیں کان سب کے جو اس بدزباں کے اور
کیا حال ھو گیا ھے ترے غم میں "میر'' کا
دیکھا گیا نہ ھم سے تو تک اس جواں کے اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور
مگر اور تھے ' تب ھوئے ھو اب اور
ادا کچھ ھے انداز کچھ ناز کچھ
نہ دل ھے کچھ اور زیر لب اور

تم تیغ اپني کھینچ کے کیا سوچ میں گئے
مرنا ھے اپنا ' جي میں ھم ائے ھیں ٹھان کر
اس گوھر مراد کو پایا نہ ھم نے "میر''
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبل و ریحاں کي کیا خبر
کہہ اے نسیم صبح ' گلستاں کی کیا خبر ؟
رھتا ھے ایک نشہ اُنھیں جن کو ھے شناخت
ھے زاھدوں کو مستي و عرفاں کی کیا خبر ؟

گرمي سے گفتگو کی کرلے قیاس جاں پر
شعلہ ھے شمع ساں یاں ' ھر اک سخن زباں پر

تڑپے ہے دل گھڑی بھر تو پھروں غش رہے ہے
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت و تواں پر

تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر
بگاڑا تجھے خوب صورت بنا کر
کھنچي تیغ اس کی تو یاں نیم جاں تھے
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر

کوتھي کي میرے طول عمر نے
جور میں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار

کا ہے کو اس قرار سے تھا اضطراب خلق
ھوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بے قرار اور

جب تک بہار رہتی ہے ' مست بہار تو
عاشق ہیں "میر" ہم تو ترے عقل و ہوش پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکي کي شان پر
اللہ رے دماغ کہ ہے آسمان پر

دل نہیں دردمند اپنا "میر" اور نالے اثر کریں کیوں کر

تو بھي رباط کہن سے صوفي سیر کو چل تک

ابر سیہ قبلہ سے اگر جھوم پڑا مے خانوں پر

دل کي حقیقت عرش کي عظمت ھے ' معلوم نہیں

سیر رھی ھے اکثر اپني ان پاکیزہ مکانوں پر

چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئي

عشق شہرت دوست نے آخر مارا مجھ کو رسوا کر

زور ھوا ہے چل صوفی تک توبھي رباط کہنہ سے

ابر قبلہ بڑھتا بڑھتا آیا ھے مے خانے پر

کیا دیکھتا ھے ھر گھڑي اپني ھی سج کو ' شوخ !

آنکھوں میں جان آئي ھے ایدھر نگاہ کر

چھوڑ اب طریق جور کو اے بے وفا سمجھ

نبھتي نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر

اس وقت ھے دعا و اجابت ؛ وصل " میر "

اک نعرہ تو بھي پیش کش صبح گاہ کر

شوریدہ سر رکھا ھے جب سے اس آستاں پر

میرا دماغ تب سے ھے ھفتم آسماں پر

لوگ سر دیتے جاتے ھیں کیسے

یار کے پانوں کے نشانوں پر

عشق و ہوس میں آخر، کچھ تو تمیز ہوگي
آئی طبیعت اس کي اگر امتحان اوپر

کان اِس طرف نہ رکھے، اس حرف ناشنو نے
کہتے رہے بہت ہم، اس کو سنا سنا کر
وہ بے وفا نہ آیا بالیں پہ وقت رفتن
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اُٹھا اُٹھا کر

آیا ہے ابر قبلہ چلا خانقاہ پر
صوفي ہوا کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر

اقرار میں کہاں ہے؟ انکار کي سي خوبي
ہوتا ہے شوق غالب اس کے نہیں نہیں پر

مختار رونے ہنسنے کا، تجھ کو اگر کریں
تو اختیار گریۂ بے اختیار کر

ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا، وا ہنوز
بسمل پڑی ہے چرخ پہ مري دعا ہنوز
توڑا تھا کس کا شیشۂ دل تونے سنگ دل
ہے دل خراش کوچے میں تیرے، صدا ہنوز

بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں ''میر''
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

اس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز
غنچہ ہے وہ ' لگی نہیں اس کو ہوا ہنوز
سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی
پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز

کب تک کھنچے گی صبح ' قیامت کی شام کو
عرصہ میں ' میں کھڑا ہوں گنہ‌گار سا ہنوز

قیس و فرہاد پر نہیں موقوف
عشق لاتا ہے مرد کار ہنوز

کیا ہوا ؟ خوں ہوا کہ داغ ہوا
دل ہمارا نہیں گداز ہنوز

ہے پریشاں دشت میں ' کس کا غبار ناتواں
گرد ' کچھ گستاخ آتی ہے چلی محمل کے پاس
آہ نالے مت کیا کر اس قدر بے تاب ہو
اے ستم کش ''میر'' ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس

رخصت سیر باغ تک نہ ہوئی
یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس

کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے محبت ہر دم
تک کبھو بیٹھو کسی طالب دیدار کے پاس
ہم نہ کہتے تھے نہ مل مغ بچوں سے اے زاہد
ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس

کیا جانئے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی
بیگانے ہی سے ہم رہے اس آشنا کے پاس

شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ریش سے نہ جھک
رکھتا ہے کون آتش سو زندہ گھاس پاس

گل و گلزار سے کیا؟ قیدیوں کو
ہمیں داغِ دل و کنج قفس بس

اب سے جاکر کے پھر نہ آئے ہم
بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس
چشم پوشی نہ کر فقیر ہے "میر"
مہر کی اس کو اک نظر ہے بس

بہار اب کي بھي جو گذري قفس میں
تو پھر اپنی رھائی ھو چکي بس
نہ آیا وہ مرے جاتے ' جہاں سے
یہاں تک آشنائی ھو چکی بس
رکھا اس بت کو پھر بھی ' یا خدا یا
تري قدرت نمائي ھو چکي بس

اسیري کا کھلا منھہ پہ ھمارے کیا تنگ
مر ھي رھیئے گا قفس کے درو دیوار کے پاس

"میر" ابتر بہت ھے دل کا حال یعنے ویراں پڑا ھے گھر افسوس

گل کو ھوتا ' صبا قرار اے کاش
رھتي اک آدھہ دن بہار اے کاش
جان آخر تو جانے والی تھی
اس پہ کی ھوتی میں نثار اے کاش
بے اجل "میر" اب پڑا مرنا
عشق کرتے نہ اختیار اے کاش

کیا کہیئے ؟ کیا رکھیں ھیں ھم تجھہ سے یار خواھش
اک جان و صد تمنا ' اک دل ھزار خواھش
نے کچھہ گنہہ ھے دل کا ' نے جرم چشم اس میں
رکھتي ھے ھم کو اتنا بے اختیار خواھش

کرتے ہیں سب تمنا پر ''میر'' جي نہ اتنی
رکھے گـي مـار تم کو پایانِ کار خواهش

فعل خصوص اپنے ' دیکھو هو آرسی میں
پھر پوچھتے هو هنس‌کر مجھہ بے نوا کي خواهش

پانؤں پڑتا ہے کہیں ' آنکھیں کہیں
اس کی مستي دیکھہ کر جاتا ہے هوش

کیا پتنگے کو شمع روئے ''میر''
اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

یـار آنکھـوں تـلے هي پـھرتا ہے
بـڑي مـدت سے ہے نظر درپیش
غـم سے نزدیک مـرنے کے پھونچے
دور کا ''مـیر'' ہے سفر درپیش

...ں کی پا مالی ' سر فرازي ہے   راہ میں هو مرا مزار اے کاش

عشق کی راہ چل خبر ہے شرط
اولِ گام ' تـرک سـر ہے شـرط

دل کا دینا ہے سہل کیا اے "میر"
عاشقي کرنے کو جگر ہے شرط

ساتھہ ہم بھی گئے ہیں دور تلک
جب ادھر کے تئیں چلا ہے خط

کہا دن دل رات کیا "میر" نے
اُٹھایا بہت اس کہاني سے حظ

تم اور ہم سے محبت تمھیں ' خلاف
ہم اور الفت خوب دگر ' دروغ دروغ

دو حرف زیر لب کہے ' پھر ہو گیا خموش
یعنے کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ

ایک دن میں نے لکھا تھا اس کو اپنا درد دل
آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف

ہم نے تو پر فشاني نہ جانی کہ ایک بار
پرواز کي چمن سے سو صیاد کي طرف

محبت نے شاید نہ دی دل کو آگ
دھواں سا ہے کچھ اس نگر کي طرف
نہ سمجھا گیا ابر کیا دیکھ کر
ھوا تھا مري چشم تر کی طرف

دیکھي ہے جب سے اس بت کافر کي شکل "میر"
جاتا نہیں ہے جی تنک اسلام کي طرف

شب آنکھیں کھلي رہتی ھیں ہم منتظروں کی
جوں دیدۂ انجم نہیں ھیں خواب سے واقف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف
نگاھیں ھیں میری نظر کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لیکن دیر تلک
آنکھیں اھل نظر کي ھیں تي اس کے قدم کے نشاں کی طرف

شاید متاع حسن کھلي ہے کسو کی آج
ھنگامہ حشر کا سا ہے بازار کي طرف

اسے ڈھونڈھتے "میر" کھوئے گئے
کوئي دیکھے اس جستجو کي طرف

اے تجھ بغیر' لالہ و باغ و بہار حیف
گل سے چمن بھرے ھوں نہ ھو تو' ھزار حیف

دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے
گر چاھنے میں ھوتا کچھہ اختیار عاشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ھے عشق
جان کا روگ ھے' بلا ھے عشق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ھے عشق
حق شناسوں کا ھاں خدا ھے عشق
دل لگا ھو تو جي جہاں سے اٹھا
موت کا نام پیار کا ھے عشق
اور تدبیر کو نہیں کچھہ دخل
عشق کے درد کی دوا ھے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہونچا
آرزو عشق' مدعا ھے عشق

کیا پوچھتے ھو شوق کہاں تک ھے ھم کو "میر"
مرنا ھی اھل درد کا ھے انتہائے شوق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے
کس مرتبے میں ہم بھي ہیں دیکھنے کے شائق

تنہا تو اپنے گور میں رہنے پہ بعد مرگ
مت اضطراب کر تو کہ عالم ہے زیر خاک

تصویر کی سي شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم
سوز دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک
آنکھیں جو روتے روتے جاتی رہیں' بجا ہے
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک

کیا جانئے ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

کچھ ہو اے مرغ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نغمہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک

گلی تک تیری' لایا تھا ہمیں شوق
کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں گھر تک

کہاں پھر شور شیون جب گیا "میر"
یہ ہنگامہ ہے اس ہی نوحہ گر تک

دست پا مارے وقت بسمل تک
ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ !
سعی کر، ٹک پہونچ کسی دل تک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بےقرار
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن رہے
ہم ناتوانِ عشق تمہارے کہاں تلک

حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دی کس واسطے ؟
حوصلے سے بات کرتا کاشکے منصور تک

اس رشک مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر
ہر چند پہونچی مری دعا آسماں تلک
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہے خوں ہوئی
نومید، یوں بسر کرے کوئی کہاں تلک

دل تنگ ہو جئے تو نہ ملیئے کسو کے ساتھ
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یے لوگ کم شریک

ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر
اور کوئی کرے وفا کیا خاک
خاک ہی میں ملائے رکھتے ہو
ہو کوئي تم سے آشنا کیا خاک
سب موئے ابتدائے عشق ہي میں
ہو وے معلوم انتہا کیا خاک
تربت "میر" پر چلے تم دیر
اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

سبز ہے رونے سے میرے گوشہ گوشہ کشت کا
باعثِ آبادیء صحرا ہے چشم گریہ‌ناک

محبت میں جي سے گئے "میر" آخر
خبر، گفتنی ہے یہ ہر بے خبر تک

ہر چند صرف غم ہیں، لے دل جگر سے جاں تک
لیکن کبھو شکایت آئي نہیں زباں تک
ہوئے ہیں حواس اور ہوش و خرد گم
خبر کچھ تو آئي ہے اس بے خبر تک

وا ماندہ نقش پا سے یک دشت ہم ہیں بے کس
دشوار ہے پہونچنا؛ اب اپنا ' کارواں تک

عہدِ و عید و حشر و قیامت ہیں دیکھتے
جیتے رہیں گے طالب دیدار کب تلک
صیاد اسیر کر کے جسے اُٹھ گیا ہو "میر"
وہ دام کي شکن میں گرفتار کب تلک

"میر" بندوں سے کام کب نکلا
مانگنا ہے جو کچھ ' خدا سے مانگ

غافل ہیں ' ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ
حالانکہ رفتني ہیں سب اس کارواں کے لوگ
تو' ہم میں اور آپ میں مت دے کسي کو دخل
ہوتے ہیں فتنہ ساز بھی یہ درمیاں کے لوگ
فردوس کو بھي آنکھ اُٹھا دیکھتے نہیں
کس درجے سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ
کیا سہل جي سے ہاتھ اُٹھا بیٹھتے ہیں ہاے
یہ عشق پیشگاں ہیں اِلہی کہاں کے لوگ

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دي ہے آگ

اب گرم و سرد دھر سے یکساں نہیں ہے حال
پانی ہے دل ہمارا کبھي ' تو کبھی ہے آگ
یارب ہمیشہ جلتی ہي رھتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسي؟ عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ
افسردگئی سوختہ جاناں ہے قہر " میر "
دامن کو تک ھلا کہ دلوں کی بجھي ہے آگ

دیکھے اُدھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے
ظاھر ہے میرے منھ سے مرے مدعا کا رنگ

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ھیں لوگ
بہت اس طرف کو تو جاتے ھیں لوگ
اُن آنکھوں کے بیمار ھیں " میر " ھم
بجا دیکھنے ھم کو آتے ھیں لوگ

کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا
دل ' گل بے بہار کے سے رنگ

ایک گردش میں ھیں برابر خاک
کیا جھگڑتے ھیں آسماں سے لوگ

بدتر آپ سے پاؤں کسو کو تو میں اس کا عیب کہوں
خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ

پاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے
بیٹھا ہے میری خاک سے اُٹھ کر غبار الگ

وہ کون سی اُمید برائی ہے عشق میں
رہتا ہے کس اُمید پہ اُمیدوار دل

نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا
ملے تو، ہم سے تو سب سے جدا مل

نہ تک واشد ہوئی جب سے لگا دل
الٰہی غنچہ پژمردہ ہے یا دل

حال مستی جوانی تھی سوگئی
"میر" اس کا خمار ہے تا حال

طریق عشق میں ہے رہ نما دل
پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خدا دل

کھل جائیں گی پھر آنکھیں ' جو مرجائے گا کوئی
آتے نہیں ہو باز ' مرے امتحاں سے تم

آھستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے
مشتاق پر فشاني هیں اک مشت خاک هم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش ' شرار و برق
رکھتے هیں دل جلے کے بہم سب تپاک هم

مدت هوئی کہ چاک قفس هي سے اب تو " میر "
دکھلا رهے هیں گل کو دل چاک چاک هم

هوس تھی عشق کرنے میں و لیکن
بہت نادم هوئے دل کو لگا هم

هوا جس کے لئے ' اس کو نہ دیکھا
نہ سمجھے " میر " کا کچھہ مدعا هم

جہاں " میر " زیر و زبر هو گیا
خراماں هوا تھا وہ محشر خرام

کو چہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک ، لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
اے بتاں اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
آستاں پر ترے گذاری عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

سوکھ غم سے ہوئے ہیں کانٹا سے
پر دلوں میں کھٹک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے
عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کیونکہ گرد علاقہ بیٹھ سکے
دامن دل جھٹک رہے ہیں ہم

میں نے جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم
عشق ، جانا تھا مار رکھے گا
ابتدا میں تھی انتہا معلوم
طرز کینے کی کوئی چھپتی ہے
مدعی کا ہے مدعا معلوم

فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہے
قسم بھی کھاؤں تو کہتے ہیں کیا گدا کی قسم

قدم تلے ھی رھا اس کے یہ سرِ پر شور
جو کھائي ھے تو مرے طالع رسا کي قسم
جدال دیر کی رھیاں سنھں کہاں تک "میر"
اتھو حرم کو چلو اب تمھیں خدا کی قسم

سوکھي ھی جاتی ھے سب کشت ھوس ظالم
اے ابرتر آکر تک ' ایدھر ؛ بھي برس ظالم
صیاد بہار اب کي سب لوتوں گا کیا میں ھی
تک باغ تلک لے چل میرا بھی قفس ظالم
جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو ھنستا تھا
صحبت نہ رھي یوں ھي ایک ادھم برس ظالم
سو رشتۂ ھستی کو تم دیے چکے ھاتھوں سے
کچھ توتے ھی ھیں جاتے اب تار نفس ظالم

تدبیریں کریں اپنی تن زار و زبوں کی
افراط سے اندوہ کے ھوں آپ میں جب ھم

مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ھوگا
آ نکلے اگر عرصہ میں یوں نالہ بہ لب ھم
تربت سے ھماري نہ اتھي گرد بھی اے " میر "
جي سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ھم

اب چھوڑئے جہاں وهیں گویا هے درد سب
پهوڑا سا هو گیا هے ترے غم میں تن تمام
میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفیر
مجھ سے غبار رکھتے هیں اهل وطن تمام

منظور سجدہ هے همیں اس آفتاب کا
ظاهر میں یوں کریں هیں نماز زوال هم

کون کہتا هے منھ کو کھولو تم
کاشکے پردے هي میں بولو تم
حکم آب رواں رکھے هے حسن
بہتے دریا میں هاتھ دهو لو تم
رات گذرے هے سب ' تڑپتے " میر "
آنکھ لگ جائے تک تو سو لو تم

جو دیکھو وہ قامت تو معلوم هو
کہ روکش هوئے هیں قیامت سے هم
نہ تک لا سکا تاب جلوے کی دل
گلہ رکھتے هیں صبر و طاقت سے هم
خدا سے بھي شب کو دعا مانگتے
نہ اس کا لیا نام غیرت سے هم

اُڑتی ہے خاک شہر کي گلیوں میں اب جہاں
سونا لیا ہے گود میں بھر کر وھیں سے ھم

هردم جبیں خراشي ' هرآن سینه کاري
حیران عشق تو هیں پر گرم کار هیں هم

چاهیں تو تم کو چاهیں ' دیکھیں تو تم کو دیکھیں
خواهش دلوں کی تم هو ' آنکھوں کي آرزو تم

لطف و مہر و خشم و غضب ' هم هر صورت میں راضي هیں
حق میں همارے کر گذرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم

راہ تکتے تکتے اپني آنکھیں بھی پتھرا چلیں
یہ نہ جانا تھا کہ سختي اس قدر دیکھیں گے هم

چپ هیں کچھ جو نهیں کهتے هم کار عشق کي حیراں هیں
سوچو حال همارا تک تو' بات کي تہ کو پاؤ تم

سوزدروں نے هم کو پردے میں مار رکھا
جوں شمع آپ هی کو کھا کھا کے رہ گئے هم

دیر ' کعبہ گئے ہیں اکثر ہم
یعنے ڈھونڈھا ہے اس کو گھر گھر ہم
کوفت سي کوفت ' اپنے دل پر ہے
چھاتی کو تانکتے ہیں اکثر ہم

اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم رکے ہے بہت
ملا ہی دیں گے تری تیغ سے گلو کو ہم

عشق ہمارے درپے جاں ہے ' آئے گھر سے نکل کر ہم
باہر ' پر دیکھا یہي فلک ہے جاویں کدھر چل کر ہم

کب تک یہ دز دیدہ نگاہیں عمداً آنکھیں جھکا لینا
دلبر ہوتے في‌الواقع تو آنکھیں یوں نہ چھپاتے تم
بعد نماز دعائیں کیں سو " میر " فقیر ہوے تم تو
ایسي مناجاتوں سے آگے کاش کہ ہاتھ اُتھاتے تم

سو طرف لے جاتی ہے ہم کو پریشاں خاطري
یاں کسے ڈھونڈھو ہو تم' کیا جانئے کیدھر ہیں ہم

فاش نہ کرئیے راز محبت ' جانیں اس میں جاتي ہیں
درد دل آنکھوں سے ہر اک کے ' تا مقدور چھپاؤ تم

صاحب اپنا ہے بندہ پرور "میر"
ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

بہلانے کو دل ' باغ میں آئے تھے سو بلبل
چلانے لگے ایسے کہ بیزار ہوئے ہم
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات
دشنام کے اب اس کے سزاوار ہوئے ہم
ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے ' اتھے سب
تھی چوٹ جو دل پر سو گرفتار ہوے ہم

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں
ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن
مرضِ عشق کا علاج نہیں

اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے
اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
اسود گی تو معلوم اے "میر" جیتے جی یاں
آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اُٹھاؤں

دم آخر ہے بیٹھ جا! مت جا
صبر کر تک کہ ہم بھی چلتے ہیں

بے روي و زلف یار ھے رونے سے کام یاں
دامن ھے منھ پہ ابر نمط ' صبح و شام یاں
نا کام رھنے ھی کا تمھیں غم ھے آج "میر"
بہتوں کے کام ھو گئے ھیں کل تمام یاں

نہ کہا تھا اے رفو گر مرے ٹانکے ھوں گے ڈھیلے
نہ سیا گیا یہ آخر دل چاکِ بے قراراں

متصل روتے ھي رھئے تو بجھے آتش دل
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ھیں
وقت خوش ان کا جو ھم بزم ھیں تیرے ' ھم تو
در و دیوار کو احوال سنا جاتے ھیں
ایک بیمار جدائي ھوں میں آپ ھي ' تس پر
پوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ھیں

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ھمیں کیا کرتے ھیں
جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ھیں

اس کے کوچے میں نہ کر شورِ قیامت کا ذکر
شیخ یاں ایسے تو ھنگامے ھوا کرتے ھیں
تجھ بن ' اس جان مصیبت زدہ غم دیدہ پہ ھم
کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ھیں

آتے ہیں مجھے خوب سے دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں
ہوں غنچہ افسردہ کہ مردود صبا ہوں

دل خواہ چلا اب تو مجھے اے شب ہجراں
میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں

ناموس دوستی سے گردن پھنسی ہے اپنی
جیتے ہیں جب تلک ہم ' تب تک نباہتے ہیں

سہل اس قدر نہیں ہے مشکل پسندی میری
جو تجھ کو دیکھتے ہیں مجھ کو سراہتے ہیں

جی انتظارکش ہے آنکھوں میں رہگذر پر
آ جا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں

آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری
حسرت یہ تھی کہ اس کو میں اک نگاہ دیکھوں

آنکھیں تو تونے دی ہیں اے جرم بخش عالم
کیا تری رحمت آگے ' اپنے گناہ دیکھوں

چہرے پہ جیسے زخم ہے ناخن کا ہر خراش
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دست کاریاں

تربت سے عاشقوں کے نہ اوٹھا کبھو غبار
جی سے گئے ولے نہ گئیں رازداریاں

رکھتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب
لے جائے گا یہ سوختہ دل ' کیا بہشت میں
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانند گرد باد
آوارگی تمام ہے میری سرشت میں
کب تک خراب سعي طواف حرم رہوں
دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کنشت میں

خار کر جن نے لڑي موتي کی کر دکھلایا
اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں

" میر " آوارہ عالم جو سنا ہے تونے
خاک آلودہ وہ اے باد صبا میں هي ہوں

جاتا ہے اک ہجوم غم عشق جی کے ساتھ
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ' ہر دکان میں

غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہئے
سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں
سوزش رہے ہے اب تو ہر اک استخوان میں

خرد مندی ہوئی زنجیر ، ورنہ
گذرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
گداز عشق میں یہ بھی گیا "میر"
یہی دھوکا سا ہے اب پیرهن میں

ان آئینہ رویوں کے کیا "میر" بھی عاشق ہیں
جب گھر سے نکلتے ہیں حیران نکلتے ہیں

حسن کلام کھینچے کیوں کر نہ دامن دل
اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں
اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجزو و نیاز اپنا ، اپنی طرف ہے سارا
اس مشت خاک کو ہم موجود جانتے ہیں

مانند شمع ہم نے ، حضور اپنے یار کے
کار وفا تمام کیا ایک آہ میں

مِهن صید جو هوا تو ندامت اُسے هوئی
اک قطره خون بهی نه گرا صید گاه میں

نه تنگ کر اُسے اے فکر روزگار که میں
دل اُس صنم کے لئے مستعار لایا هوں
چلا نه اوٹھ کے وهیں چپکے چپکے پهر تو "مہر"
ابهی تو اس کی گلی سے پکار لایا هوں

جفائیں دیکھ لیا بے وفائیاں دیکھیں
بهلا هوا که تری سب برائیاں دیکھیں

صبر و طاقت کو کڑهوں یا خوش دلی کا غم کروں
اس میں حیراں هوں بہت، کس کس کا میں ماتم کروں
گرچہ میں گنتی میں هوں، پر ایک دم مجھ تک تو آ
یا اِدھر هوں یا اُدھر، کب تک شمار دم کروں

کہیں مست، چالاک، ناخن نه لاگے
که سینه هے قرب وجوار گریباں
نشاں اشک خوني کے ارتے چلے هیں
خزاں هو چلي هے بهار گریباں

پاس مجھ کو بھي نہيں ہے "میر" اب
دور پہونچي ہیں مری رسوائیاں

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہي خلوتئي راز نہاں ہوں
دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا
میں باعث آشفتگئي طبع جہاں ہوں
ہوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے
اس باغ خزاں دیدہ میں، میں برگ خزاں ہوں
رکھتي ہے مجھے خواہش دل بسکہ پریشاں
در پے نہ ہو، اس وقت خدا جانے کہاں ہوں

گہے داغ رہتا ہے، گہہ دل جگر خوں
ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں

جی میں پھرتا ہے "میر" وہ میرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

پری سمجھے تجھے وہم و گماں سے
کہاں تک اور ہم دل اب جلاویں

مري نسود نے مجھ کو کیا برابر خاک
میں نقش پا کي طرح پائمال اپنا ہوں

سید ہو یا چمار ہو اس جا وفا ہے شرط
کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں

ملنے لگے ہو دیر دیر ' دیکھئے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی ' بندے میں کچھ رہا نہیں
بوئے گل اور رنگ گل دونوں ہیں دل کش' اے نسیم
لیک بہ قدر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں

کوئی تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

خوبرو سب کی جان ہوتے ہیں آرزوے جہان ہوتے ہیں
کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن گھر میں ہم مہمان ہوتے ہیں

سینے پہ داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم
یہ بھی تختہ کبھو ہو وے گا سزاوار چمن

کم نہیں ہے دل پر داغ بھی اے مرغ اسیر
گل میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلب گار چمن

کتنی باتیں بنا کے لاؤں ایک
یاد رہتی ترے حضور نہیں

پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش
ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلی "میر"
خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں

آنا وہ تیرے کوچے میں ہوتا جو "میر" یاں
کیا جانئے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح!
وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں

داد لے چھوڑوں میں صیاد سے اپنے لیکن
ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں

اک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں
یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بتکدے میں معنی کا کس سے کریں سوال
آدم نہیں ہے صورت آدم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہے یہاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ "میر"
احوال آج شام سے درہم بہت ہے یہاں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کے قید سے
مرغ سیر آھنگ کو کوئی رھا کرتا نہیں

سینہ سپر کیا تھا جن کے لئے بلا کا
وے بات بات میں اب ، تلوار کھینچتے ھیں
ناوک سے "میر" اس کے دل بستگي تھي مجھ کو
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ھیں

سرخ رھتي ھیں مري آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ھو مجھپر ، واجب‌التعزیر ھوں

خلاف اِن اہر خوباں کے ، سدا یہ جي میں رھتا ھے
یہی تو "میر" اک خوبي ھے معشوق خیالي میں

سنا جاتا ھے شہر عشق کے گرد
مزاریں ھي مزاریں ھوگئي ھیں

خوش نہ آئي تمہاري چال ھمیں
یوں نہ کرنا تھا پائمال ھمیں
حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ھو
کبھي پاتے بھي ھو بحال ھمیں

وجہ کیا ہے کہ "میر" منھہ پہ ترے
نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں

ہمیں تو نزع میں شرمندہ آکے تم نے کیا
رہا ہے ایک رمق جی سو کیا نثار کریں

موے، سہتے سہتے جفا کاریاں کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں
بیقراری جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے
کچھ تو ہے "میر" کہ اک دم تجھے آرام نہیں

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
غیر ہی مورد عنایت ہے ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

بت، برہمن کوئی نا محرم نہیں اللہ کا
ہے حرم میں شیخ، لیکن "میر" وہ محرم نہیں

خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اُس سے کہ عقبی میں
مکاں تو "میر" صاحب شہرۂ عالم ہیں یہ دونوں

ہے تکلف نقاب وے رخسار
کیا چھپیں ' آفتاب ہیں دونوں
سو جگہہ اُس کی آنکھیں پڑتی ہیں
جیسے مست شراب ہیں دونوں
آگے دریا تھے ' دیدۂ تر "میر"
اب جو دیکھو ! سراب ہیں دونوں

مدعی ' مجھہ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں
چپکے تم سنتے ہو بیٹھے ' اِسے کیا کہتے ہیں ؟
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کشتے ہم
درد جاں کاہ جو ہو اُس کو دوا کہتے ہیں

اپنا ہی ہاتھہ سر پہ رہا اپنے ' یاں سدا
مشفق کوئی نہیں ہے ' کوئی مہرباں نہیں
اِس عہد کو نہ جانیے اگلا سا عہد "میر"
وہ دور اب نہیں ' وہ زمین آسماں نہیں

کوئی بجلی کا ٹکرا اب تلک بھی
پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں
پھرے ہے چھانتا ہی خاک اے "میر"
ہوس کیا ہے مزاج آسماں میں

اُٹھاتے ہاتھ کیوں نومید ہو کر
اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں
کہے ہے ہر کوئی ' اللہ میرا
عجب نسبت ہے بندے میں ' خدا میں
بلا ' تہہ‌دار بحر عشق نکلا
نہ ہم نے انتہا کی ابتدا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ
اُڑے ہیں "میر" لیکن ہم ہوا میں

ہیرو حرم سے تو تو ' ٹک گرم ناز نکلا
ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں

فہم میں میرے نہ آیا ' پردہ در ہے طفل اشک
روؤں کیا ' اے ہم‌نشیں ! میں اپنی نادانی کے تئیں ؟
جب جلے چھاتی بہت ' تب اشک افشاں ہو نہ "میر"
کیا ' جو چھڑکا اِس دھکتی آگ پر ' پانی کے تئیں ؟

کیا کہوں ؟ اول بہ‌خود تو دیر میں آتا ہوں میں
پھر جو یاد آتا ہے وہ ' چپکا سا رہ جاتا ہوں میں
اِک جگہ ' کب ٹھیرنے دے ہے یہ مجھکو روزگار
کیوں تم اُکتاتے ہو اِتنا آج کل ؟ جاتا ہوں میں
ہے کمال عشق ' پر بےطاقتی دل کی دلیل
جلوۂ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں

بس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں ، لیک " میر "
دل مرا رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

مدت ہوئی کہ بیچ میں پیغام بھی نہیں
نامے کا اُس کی مہر سے اب نام بھی نہیں
ایام ہجر کریے بسر کس اُمید پر
ملنا اُنھوں کا صبح نہیں ، شام بھی نہیں

روؤں تو آتشِ دل شمع نمط بجھتی نہیں
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیویں مگر پانی میں
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اُس کی جیسے
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

خاک اُڑاتا اشک افشاں ، آن نکلوں میں تو پھر
دشت کو دریا کروں ، بستی کے تئیں صحرا کروں

کیا کوفتیں اُٹھائیں ہجراں کی ، درد و غم میں ؟
تڑپا ہزار نوبت ، دل ایک ایک دم میں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں ؟
اِس سے آنکھیں لگیں ، تو خواب کہاں ؟

بےکلی دل ہی کی تماشا تھی
برق میں ایسے اضطراب کہاں ؟
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا
ہم نہ ہوویں ' تو پھر حجاب کہاں ؟
گریۂ شب سے سرخ ہیں آنکھیں
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں ؟
عشق کا گھر ہے " میر " سے آباد
ایسے پھر خانماں خراب کہاں ؟

کاشکے ' دل دو تو ہوتے عشق میں
ایک رہتا ' ایک کھوتے عشق میں

جا ' ہمیں اُس گلی میں گر رہنا
ضعف و بےطاقتی بہانے ہیں
عشق کرتے ہیں اُس پری رو سے
" میر " صاحب بھی کیا دوانے ہیں

اضطراب و قلق و ضعف ہیں گر " میر " یہی
زندگی ہو چکی اپنی تو اِن آزاروں میں

ابکے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے
دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کہیے لطافت اُس تن نازک کی "میر" کیا ؟
شاید یہ لطف ہوگا کسو جان پاک میں

خاک ہوئے ، برباد ہوئے ، پامال ہوئے ، سب محو ہوئے
اور شدائد عشق کے روکے ، کیسے ہم ہموار کریں ؟
زردئی رخ ، رونا ہر دم کا ، شاہد تو جب ایسے ہیں
چاہت کا ، انصاف کرو تم ، کیوں کر ہم انکار کریں ؟

ہوتا ہے گرم کیا تو ، اے آفتاب خوبی !
اک آدھ دم میں میں تو ، شبنم‌نمط ہوا ہوں

ہے عاشقی کے بیچ ، ستم دیکھنا ہی لطف
مر جانا آنکھیں موند کے یہ کچھ ہنر نہیں

نکلے ہوس ، جو اب بھی ہو وا‌رہی قفس سے
شایستۂ پریدن دو چار پر رہے ہیں
نے غم ہے ہم کو یاں کا ، نے فکر کچھ ہے واں کا
صدقے جنوں کے ، کیا ہم بے دردِ سر رہے ہیں

یوں تہدیوں سے کب تئیں ہم تنگ‌تر رہیں ؟
جی چاہتا ہے ، جاکے کسو اور مر رہیں

کیا کیا لقب ہیں ' شوق کے عالم میں ' یار کے ؟
کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدا لکھوں ؟

کیا کہیے ' آہ ' جي کو قیامت ہے انتظار
آتا نہ کاش وعدۂ دیدار درمیاں
بازار میں دکھائي ہے کب اُس نے جنس حسن
جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں

تم تو اب آنے کو پھر کہہ چلے ہو کل ' لیکن
بےکل ایسا ھي رہا شب ' تو یہ بیمار کہاں ؟
گوکہ گردن تئیں یاں کوئی لہو میں بیٹھے
ہاتھہ اُٹھاتا ہے جفا سے وہ ستمگار کہاں ؟

اے ! مجھہ سے تجھہ کو سو ملے ' تجھہ سا نہ پایا ایک میں
سو سو کہیں تونے مجھے ' منہہ پر نہ لایا ایک میں
عالم کی میں نے سیر کي ' مجھہ کو جو خوش آیا سو تو
سب سے رہا محظوظ تو ' تجھہ کو نہ بھایا ایک میں

چمن میں جاکے بھرو تم گلوں سے جیب و کنار
ہم اپنے دل ھی کے ٹکڑوں سے گل بداماں ہیں
رہا ہے کون سا پردا ترے ستم کا شوخ ؟
کہ زخم سینہ ہمارے سبھی نمایاں ہیں

جور دیا کیا ' جفائیں کیا کیا ہیں ؟
عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں

گلہ عشق کا ' بدو خلقت سے ہے
غم دل کی ' کچھ انتہا ہی نہیں
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں ؟
نہیں ہے تو رسم وفا ہی نہیں
نہیں دیر اگر ' "میر" کعبہ تو ہے
ہمارے ' کوئی کیا خدا ہی نہیں

اندیشہ زاد رہ کا رکھیے تو ہے مناسب
چلنے کو یاں سے اکثر تیار قافلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں
بہت اس نے ڈھونڈھا نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم
ہوا ہے ' کہے تو کہ سایا ہمیں
کبھے تر رہیں ' گاہ خوں بستہ تھیں
اِن آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں
نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی
بہت ' دوستوں نے جتایا ہمیں

جنوں نے تماشا بنایا ہمیں
رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں
سدا ، ہم تو کھوئےگئے سے رہے
کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں ؟
شب ، آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا
اِنہیں نے کنارے لگایا ہمیں
جلیں پیش و پس، جیسے شمع و پتنگ
جلا وہ بھی جس نے جلایا ہمیں

روے سخن جو ہے تو مرا چشم و دل کي اور
تم سے خدا نہ خواستہ مجھ کو گلا نہیں

کیا کہیں ، آتش ہجراں سے گلے جاتے ہیں
چھاتیاں سلگیں ہیں ایسی کہ جلے جاتے ہیں

معلوم نہیں ، کیا ہے لب سرخ بتاں میں
اِس آتش خاموش کا ہے شور جہاں میں
یہ دل جو شکستہ ہے سو بے لطف نہیں ہے
تھہرو کوئي دم آن کے ، اِس توٹے مکاں میں
وے یاسمن تازہ‌شگفتہ میں کہاں "میر"
پائے گئے لطف ، اُس کے جو پانؤوں کے نشاں میں

غفلت دل سے ستم گذریں ہیں سو مت پوچھو
قافلے چلنے کو تیار ہیں ، ہم خواب میں ہیں
اِس سے کیا دور ؟ جو بیٹھے بھی ہیں بے اغیار
پاس ، اِس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں
ہم بھی اِس شہر میں اُن لوگوں سے ہیں ، خانہ خراب
''میر'' ! گھر بار جنوں کے رہ سیلاب میں ہیں

نگاہ حسرت بت ، دیر سے جانے کی مانع ہے
مزاج اپنا بہت چاہا کہ سوے کعبہ لاؤں میں

رو چکا خون جگر سب ، اب جگر میں خوں کہاں ؟
غم سے پانی ہوکے کب کا بہہ گیا ، میں ہوں کہاں ؟
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے
جاے گریہ ہے یہاں ، لیلیٰ کہاں مجنوں کہاں ؟

اِس جنوں میں کہیں ہے سر پر خاک
ٹکڑے ہوکر گیا لباس کہیں

ظلم و ستم کیا ؟ جور و جفا کیا ؟ جو کچھ کہیے اُٹھاتا ہوں
خفت کھینچ کے جاتا ہوں ؛ رہتا نہیں دل ، پھر آتا ہوں
پھاڑ کے خط کو گلے میں ڈالا ، شہر میں سب تشہیر کیا
سامنے ہوں قاصد کے کیوں کر ؟ اُس سے میں شرماتا ہوں

بہلے فریب لطف سے اُس کے ' کچھ نہ ہوا معلوم مجھے
اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں ' کڑھتا ہوں پچھتاتا ہوں

یہ تصرف عشق کا ہے سب ' وگرنہ ظرف کیا ؟
ایک عالم غم سمایا خاطر ناشاد میں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں
ساتھ اِس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن زار کا ہے تو گل تر
بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو ' واں کے ہم بھی ہیں

رہے پھرتے دریا میں گرداب سے
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں

دل کے اُلجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں ' اے ناصح
تو کسو زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں
اُس کے کاکل کی پہیلی ' کہو ؟ تم بوجھے ' " میر "
کیا ہے ؟ زنجیر نہیں ' دام نہیں ' مار نہیں

جہاں سے دیکھیے ' اِک شعر شورانگیز نکلے ھے
قیامت کا سا ھنگامہ ھے ھر جا میرے دیواں میں

بہ حالِ سگ ' پھرا کب تک کروں یوں اُس کے کوچے میں
خجالت کھینچتا ھوں " میر " آخر میں بھی انساں ھوں

جہاں ھو تیغ بہ کف کوئی سادہ ' جا لگتا
اب اپنی جان کا کچھہ احتیاط مجھہ کو نہیں
ھوا ھوں فرط اذیت سے میں تو' سن ' اے " میر "
تمیز رنج و خیال نشاط ' مجھہ کو نہیں

بہار آئی ' کھلے گل ' پھول ' شاید باغ صحرا میں
جھلک سی مارتی ھے کچھہ سیاھی داغ صحرا میں

جاے ھے جی ' نجات کے غم میں ایسی جنت گئی جہنم میں
بےخودی پر نہ " میر " کی جاؤ تم نے دیکھا ھے اور عالم میں

دیکھہ اُسے ' ھو ملک سے بھی لغزش
ھم تو دل کو سنبھال لیتے ھیں

تڑپے ہے متصل وہ کہاں ایسی روز و شب ؟
ہے فرق "میر" برق و دل بےقرار میں

——

گھبرا کے یوں لگے ہے سینے میں دل تڑپنے
جیسے اسیر تازہ بےتاب ہو قفس میں

——

مرنا ہے خاک ہونا ' ہو خاک اُڑتے پھرنا
اِس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں
کس دن چمن میں ' یا رب! ہوگی صبا گل افشاں ؟
کتنے شکستہ‌پر ہم ' دیوار کے تلے ہیں

——

شرر سے ' اشک ہیں اب چشم تر میں
لگی ہے آگ ' اِک میرے جگر میں
نگین عاشق و معشوق کے رنگ
جدا رہتے ہیں ہم وے ایک گھر میں
بلا ہنگامہ تھا کل اُس کے در پر
قیامت گم ہوئی اُس شور و شر میں
رہا تھا دیکھ ایدھر "میر" چلتے
عجب اِک نا اُمیدی تھی نظر میں

——

قصور اپنے ہی طول عمر کا تھا
نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں

——

جھمکنے لگا خوں تو جائے سرشک
ابھی دیکھیں آنکھیں ہمیں کیا دکھائیں
خدا ساز تھا آزر بت تراش
ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں
ہمیں بے نیازی نے بتھلا دیا
کہاں اِتنی طاقت کہ منت اُتھائیں

مجھ کو دماغ وصف گل و یاسمن نہیں
میں ' جوں نسیم ' باد فروش چمن نہیں
ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا
دل سے ہے جن کو راہ ' یہ اُن کا چلن نہیں

مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا اُدھر سے یاں
جاتی رہےگی جان اُسی رہگذر سے یاں
وہ آپ چل کے آوے تو شاید کہ جی رہے
ہوتی نہیں تسلیِ دل ' اب خبر سے یاں

وہ تو نہیں کہ دیکھیں اُس آئینہ رو کو صبح
ہم کس اُمید پر شب غم کو سحر کریں
لاویں کہاں سے خون دل اتنا کہ " میر " ہم
جس وقت بات کرنے لگیں ' چشم تر کریں

کیا راہ چلنے سے ہے اے "میر"! دل مکدر
تو ہی نہیں مسافر، ہے عمر بھی گذر میں

——

شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی ہے قریب
جی کو ہے اضطراب بہت اب فراق میں

——

زباں سے ہماری ہے صیاد خوش   ہمیں اب اُمید رہائی نہیں

——

جی ھی جائے ہے "میر" جو اپنا دیر کی جانب کیا کریے
یوں تو مزاج، طرف کعبے کے، بہتیرا ہم لائے ہیں

——

حساب پاک ہو روز شمار میں، تو عجب
گناہ اتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں
تلاش "میر" کی اب میکدوں میں کاہو کریں
کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

——

وہ جو خرام ناز کرے ہے، ٹھوکر دل کو لگتی ہے
چوٹ کے اوپر چوٹ پڑے ہے، دل ہے میرا سنگ نہیں
ہم بھی عالم فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر
ایک سوال میں دو عالم دیں، اتنے دل کے تنگ نہیں

شعر " میر '' بھی پڑھتا ھے تو اور کسو کا لے کر نام
کیوں کر کہیے اُس ناداں کو نام سے میرے ننگ نہیں

برے حال اُس کے گلی میں ھیں " میر ''
جو اتھ جائیں واں سے تو اچھا کریں

پاؤں کو دامن محشر میں ناچاري سے ھم کھینچیں گے
لائق اپني وحشت کے اُس عرصے کا میدان نہیں

یوں ناکام رھیں گے کب تک ؟ جي میں ھے اِک کام کریں :
رسوا ھوکر مارے جاویں ' اُس کو بھي بدنام کریں

سنتا نہیں ھے شعر بھی وہ حرف ناشنو
دل ھي میں خوں ھوا کیں مري نکتہ دانیاں

کسو سے دل نہیں ملتا ھے ' یارب !
ھوا تھا کس گھڑي اُن سے جدا میں

دل ھے داغ ' جگر تکڑے ؛ رہ جاتے ھیں چپ کے سے
چھاتي سراھیے اُن لوگوں کي جو چاھت کو نباھیں ھیں

دل اُلجھے اِن بالوں میں ' تو آخر سودا ھوتا ھے
کوچے کو زنجیر کے یعني زلفوں سے دو راھیں ھیں

رونا روز شمار کا مجھہ کو آتھہ پہر اب رھتا ھے
یعنے میرے گناھوں کو کچھہ حصر و حد و حساب نہیں

دیکھی تھیں ایک روز تری مست انکھڑیاں
انگڑائیاں ھي لیتے ھیں اب تک خمار میں
شور اب چمن میں میري غزل‌خواني کا ھے "میر"
اِک عندلیب کیا ھے کہوں میں ھزار میں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ھلتی ھے تو توڑ دیں ھم
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھنکاریں ھیں

کیا کیا مردم خوش‌ظاھر ھیں عالم حسن میں' نام خدا
عالم عشق خرابہ ھے ' واں کوئی گھر آباد نہیں
عشق کوئی ھمدرد کہیں مدت میں پیدا کرتا ھے
کوہ رھیں گو نالاں برسوں ' لیکن اب فرھاد نہیں

چلتے ھیں ناز سے جب' ٹھوکر لگے ھے دل کو
آتیں نہیں سمجھ میں اِن دلبروں کی چالیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں　　فاقہ‌مستی مدام کرتا ہوں

قطعہ

کوئی ناکام یوں رہے کب تک　　میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب　　کام اپنا تمام کرتا ہوں

مرگئے نا اُمید ہم مجبور
خواہشیں جی کی اپنے جی میں رہیں
دیر سے "میر" اُٹھ کے کعبے گئے
کہیے کیا ؟ نکلے جا کہیں کے کہیں

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں
دل کی پھر دل میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں
در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہوں

میں منھ نہیں لگایا بنت‌العنب کو گاہے
تب تھا جوان صالح ، اب پیر میکدہ ہوں

رنگینیٔ زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ
سو رنگ بدلے جاتے ہیں ، یاں ایک آن میں

آئے ہیں "میر" کافر ہوکر خدا کے گھر میں
پیشانی پر ہے قشقہ، زنار ہے کمر میں

طرفہ خوش‌رو، دمِ خوں‌ریز ادا کرتے ہیں
وار جب کرتے ہیں منھہ پھیر لیا کرتے ہیں
غم و اندوہ و بےتابی، الم، بے طاقتی، حرماں
کہوں، اے ہم نشیں! تاچند غم ہاے فراواں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اِس دل کو اب ناصح
سحر خوں‌بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صداے آہ، جیسے تیر، جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا جانیے، اے گوہر مقصد! تو کہاں ہے
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو
اِس جینے سے اب دل کو اُٹھا بیٹھیں گے ہم بھی
ہے تجھہ کو قسم، ظلم سے مت ہاتھہ اُٹھا تو

خط لکھہ کے کوئی سادہ نہ اُس کو ملول ہو
ہم تو ہوں بدگمان، جو قاصد رسول ہو
جاویں نثار ہونے کو ہم کس بساط پر
اِک نیم جاں رکھیں ہیں، سو وہ جب قبول ہو

آہ کس ڈھب سے روئیے کم کم شوق حد سے زیادہ ہے ہم کو
دوستی ایک سے بھی تجھ کو نہیں اور سب سے عناد ہے ہم کو
نامرادانہ زیست کرتا تھا "میر" کا طور یاد ہے ہم کو

خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی
کدھر کے ہوجیے ' جو بے بال و پر رہائی ہو
اُس آفتاب سے تو فیض سب کو پہونچے ہے
یقین ہے کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے
اگر نصیب ترے کوچے کی گدائی ہو

گر ذوق سیر ہے ' تو آوارہ اِس چمن میں
مانند عندلیب گم‌کردہ‌آشیاں ہو
اُس تیغ‌زن سے کہیو ' قاصد ! مری طرف سے
اب تک بھی نیم‌جاں ہوں ' گر قصد اِمتحاں ہو

عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے آہ تم بھی تو اِک نظر دیکھو
ہر خراش جبیں جراحت ہے ناخن شوق کا ہنر دیکھو

آرام ہوچکا مرے جسم نزار کو
رکھے خدا جہاں میں دل بےقرار کو

ہنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھہ ہو اختیار
پھر کیا کروں میں دیدۂ بےاختیار کو

اچھی لگے ہے تجھہ بن، گل گشت باغ کس کو
صحبت رکھے گلوں سے، اِتنا دماغ کس کو

خاکِ حسرت‌زدگاں پر تو گزر بے وسواس
اِن ستم کشتوں سے اب عرض تمنا کیا ہو

عالم ہے شوق کشتہ، خلقت ہے تیری رفتہ
جانوں کی آرزو تو، آنکھوں کا مدعا تو

سجدے کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں
پر یہ تو ہو کہ نعش پہ میری نماز ہو
اک دم تو ہم پہ تیغ کو تو بے دریغ کھینچ
تا عشق میں، ہوس میں، تنک امتیاز ہو
جوں توں کے اُس کی چاہ کا پردا کیا ہے میں
اے چشم گریہ‌ناک نہ افشاے راز ہو

نالہ اگر مرا سبب شور و شر نہ ہو
پھر مر بھی جائیے، تو کسو کو خبر نہ ہو

صبح سے یاں پھر جان و دل پر ' روز قیامت رهتي هے
رات کبهو آرهتے هو تو یه دن هم کو دکھاتے هو

هاے اُس زخمي شمشیر محبت کا جگر
درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا هو
گل هو ' مهتاب هو ' آئینه هو ' خورشید هو "میر"
اپنا محبوب وهي هے جو ادا رکھتا هو

سرو ' گل اچھے هیں دونوں رونق هیں گلزار کی لیک
چاهیے رو اُس کاسا رو هو ' قامت ویسا قامت هو
هو جو اِرادہ رهنے کا رہ سکیے تو رهیے آپ
هم تو چلے جاتے هیں هر دم کس کو قصد اقامت هو
شور و شغب کو راتوں کے همسائے تمهارے کیا روویں
ایسے فتنے کتنے اُٹھیں گے " میر " جی تم جو سلامت هو

خنکي اِتني بهي تو لازم نهیں اِس موسم میں
پاس جوش گل و دل‌گرمیء ایام کرو
سایۂ گل میں لب جو یه گلابي رکھو
هاتھ میں جام کو لو ' آپ کو بدنام کرو
رات تو ساري گئي سنتے پریشاں‌گوئي
" میر " جی کوئی گھڑي تم بهي تو آرام کرو

هیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

دل صاف ہو، تو جلوہگہہ یار کیوں نہ ہو ؟
آئینہ ہو، تو قابل دیدار کیوں نہ ہو ؟
رحمت، غضب میں نسبت برق و سحاب ہے
جس کو شعور ہو، تو گنہگار کیوں نہ ہو ؟
ہردم کی تازہ مرگ جدائي سے تنگ ہوں
ہونا جو کچھہ ہے، آہ، سو اِک بار کیوں نہ ہو ؟

کامل ہو اِشتیاق تو اِتنا نہیں ہے دور
حشر دگر پہ وعدۂ دیدار کیوں نہ ہو ؟
شاید کہ آوے پرسش احوال کو کبھو
عاشق بھلا سا ہووے، تو بیمار کیوں نہ ہو ؟

مجنوں جو دشت گرد تھا، ہم شہر گرد ہیں
آوارگي ہماري بھی مذکور کیوں نہ ہو ؟

ہردم وہ شوخ دست بہ شمشیر کیوں نہ ہو ؟
کچھہ ہم نے کي ہے ایسي ہی تقصیر کیوں نہ ہو ؟

وے جو مست بےخودی هیں عیش کرتے هیں مدام
میکدے میں دهر کے مشکل هے تک هشیار کو

زیادہ حد سے تهي تابوت ''میر'' پر کثرت
هوا نہ وقت مساعد یہ ناز کرنے کو

حال تم ''میر'' کا اے اهل وفا مت پوچهو
اُس ستم کشتہ پہ جو گذري جفا مت پوچهو
هوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب
اس کے آتے هي میں کیا کیا نہ گیا ' مت پوچهو

نالۂ شب نے کیا هے جو اثر ' مت پو چهو
تکرے تکرے هوا جاتا هے جگر ' مت پو چهو

اُس کي طرز نگاہ ' مت پوچهو — جی هي جانے هے' آه' مت پوجهو

قطعہ

تها کرم پر اسي کے شرب مدام — میرے اعمال ' آه ' مت پوچهو
تم بهي ' اے مالکان روز جزا — بخش دو اب گناه ' مت پوچهو

کہنے سے ''میر'' اور بھي ھوتا ھے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اِس دل خانہ خراب کو

چاھتا ھے جي کہ ھم تم ایک جا تنھا ملیں
ناز بےجا بھي نہ ھووے ' کم‌نگاھي بھي نہ ھو

واماندگی نے مارا اثناے رہ میں ھم کو
معلوم ھے پہنچنا اب کارواں تلک تو
افسانہ غم کا لب تک آیا ھے مدتوں میں
سو جائیو نہ پیارے اِس داستاں تلک تو
اے کاش خاک ھي ھم رھتے کہ ''میر'' اِس میں
ھوتي ھمیں رسائی اُس آستاں تلک تو

بے طاقتی میں شب کو پوچھو نہ ضبط میرا
ھاتھوں میں دل کو رکھا ' دانتوں تلے جگر کو
ھے روزگار میرا ایسا ھی یہ کہ یارو
مشکل ھے فرق کرنا ٹک شام سے سحر کو
نزدیک ھے کہ جاویں ھم آپ سے ' اب آؤ
ملتے ھیں دوستوں سے جاتے ھوئے سفر کو

نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دے گا دل جلنا
یہی پھر "میر" سا سر گرم آہ سرد ہوگا تو

بدزباں ہو، جیسے خوش اسلوب ہو
کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو

سائے میں ہر پلک کی خوابیدہ ہے قیامت
اس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو
اشعار "میر" پر، ہے اب ہائے وائے ہر سو
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو

یہی مشہور عالم ہیں، دو عالم
خدا جانے ملاپ اُس سے کہاں ہو
جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا
وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو
نہ دل سے جا، خدا کی تجھ کو سوگند
خدائی میں اگر ایسا مکاں ہو
تم اے نازک تمنا ہو کے سب کے
تمنائے دل و آرام جاں ہو

تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ
اِتنی چپ بھی نہیں ہے خوب، کوئی بات کرو

کیا هم سے گنهگار هیں یے سب جو موئے هیں
کچھ پوچھو نہ اُس شوخ کي رنجش کے سبب کو
هوگا کسو دیوار کے سائے کے تلے " میر "
کیا ربط محبت سے اُس آرام طلب کو

تک نہ چل اے نسیم باغ کہ میں
رہ گیا هوں چراغ سا ' گل هو
مجھ دوانے کي مت هلا زنجیر
کہیں ایسا نہ هو کہ پھر غل هو
منکشف هو رها هے حال " میر "
کاش تک یار کو تامل هو

اِس تن پہ نثار کرتے لیکن
اپني بھي نظر میں تھرے جاں تو
کیا کیا نہ عزیز خوار هوں گے
هونے دو اُسے ابھی جواں تو
کیا اُس سے رکھیں امید بھبود
پھرتا هے خراب آسماں تو
یہ طالع نارسا بھی جاگیں :
سوجائے تک اُس کا پاسباں بھي
مت تربت " میر " کو مٹاؤ
رهنے دو غریب کا نشاں تو

رهتے هو تم آنکھوں میں، پھرتے هو تمھیں دل میں
مدت سے اگرچہ یاں آتے هو نہ جاتے هو

چھاتی، قفس میں داغ سے هو کیوں نہ رشک باغ
جوش بہار تھا کہ هم آئے اسیر هو
کس طرح، آہ، خاک ندامت سے میں اُٹھوں ؟
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دست گیر هو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نما نہیں
ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر هو
دم بھر نہ ٹھہرے دل میں نہ آنکھوں میں ایک پل
اِتنے سے قد پہ تم بھی قیامت شریر هو

تک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو
تم بھی تو "میر" صاحب و قبلہ فقیر هو

نہ لکھیں یار کو محضر همارے خون ناحق کا
دکھا دیویں گے هم محشر میں اُس کے دست رنگیں کو
لئے تسبیح هاتھوں میں جو تو باتیں بناتا هے
نہیں دیکھا هے واعظ تونے اُس غارتگر دیں کو
گیا کوچے سے تیرے اُٹھ کے "میر" آشفتہ سر شاید
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اُس کے سنگ بالیں کو

کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے
اے عشق بےمحابا دنیا ہو اور تو ہو

ایسی کہو گے کچھ تو ، ہم چپکے ہو رہیں گے
ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو

مت التیام چاہے پھر دل شکستگاں سے
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لونگا میں ہی
تم دست لطف اپنا سر سے مرے اُٹھا لو

یاران رفتہ ایسے کیا دورتر گئے ہیں
ٹک کر کے تیزگامی اُس قافلے کو جالو

یوں رفتہ اور بےخود کب تک رہا کرو گے
تم اب بھی "میر صاحب" اپنے تئیں سنبھالو

سر ، خاک آستاں پہ تمہاری ، رہا مدام
اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کہو

سختیاں ، دیکھیں تو ، ہم سے چند کھنچواتا ہے عشق
دل کو ہم نے بھی کیا ہے اب تو پتھر ، ہو سو ہو

کہتے ہیں ٹھہرا ہے تیرا اور غیروں کا بگاڑ
ہیں شریک اے "میر" ہم بھی تیرے ، بہتر ، ہو سو ہو

هر چند ساتھ جان کے ھے عشق "میر" لیک
اِس درد لاعلاج کي کچھ تو دوا کرو

ھجر بتاں مین طبع پراگندہ ھي رھے
کافر بھی اپنے یار سے یارب جدا نہ ھو
آزار کھینچنے کے مزے عاشقوں سے پوچھ
کیا جانے وہ کہ جس کا کہیں دل لگا نہ ھو
کھینچا ھے آدمی نے بہت دور آپ کو
اِس پردے میں، خیال تو کر تک، خدا نہ ھو

ملتفت ھوتا نہیں ھے گاہ تو
کس قدر مغرور ھے اللہ تو
بے خودي رھتی ھے اب اکثر مجھے
حال سے میرے نہین آگاہ تو
اُس کے دل میں کام کرنا کام ھے
یوں فلک پر کیوں نہ جا، اے آہ، تو
"میر" تو تو عاشقي مین کھپ گیا
مت کسي کو چند روز اب چاہ تو

عنایت ازلي سے جو دل ملا مجھ کو
محل شکر ھے، آتا نہیں گلا مجھ کو
پڑا رھے کوئی مردا سا کب تلک خاموش ؟
ھلا کہیں، لب جاں‌بخش کو، جلا مجھ کو

درستی جیب کی اِتنی نہیں ھے اے ناصح
بنے تو سینۂ صد چاک دے سلا مجھ کو

سب سر گذشت سن چکے اب چپکے ہو رہو
آخر ہوئی کہانی مری' تم بھی سو رہو
خطرہ بہت ھے "میر" رہ صعب عشق مین
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل و دیں کو کھو رہو

ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں
دکھائي دے ھے: موئے ھي پہ اب رہائي ہو

مستی اُن آنکھوں سے نکلي ھے اگر دیکھو خوب
خلق بدنام عبث کرتی ھے جام مل کو

یاں جرم گنتے' انگلیوں کے خط بھی مٹ گئے
واں کس طرح سے دیکھیں ھمارا حساب ہو
ھستي پر ایک دم کی تمھیں جوش اِس قدر
اِس بحر موج خیز میں تم تو حباب ہو

قتل کیے پر غصہ کیا ھے؟ لاش مری اُٹھوانے دو
جان سے بھي ہم جاتے رھے ھیں؛ تم بھي آؤ' جانے دو

کرتے ہو تم نیچی نظریں، یہ ابھی کوئی مروت ہے؟
برسوں سے پھرتے ہیں جدا ہم؛ آنکھ سے آنکھ ملانے دو
اب کے بہت ہے شور بہاراں، ہم کو مت زنجیر کرو
دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں، دھومیں ہم کو مچانے دو
کیا جاتا ہے اِس میں ہمارا چپ کے ہم تو بیٹھے ہیں
دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا، ناصح کو سمجھانے دو

جب کبھو ایدھر سے نکلے ہے، تو اِک حسرت کے ساتھ
دیکھے ہے خورشید اُس کے سایۂ دیوار کو

سارے بازار جہاں کا ہے یہی مول، اے "میر":
جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو

ہجراں کی سر گذشت مری گفتنی نہیں
کیا کہیے تم سے قصۂ دور و دراز کو

شب، آنکھ مری لگنے نہیں دیتی ہے بلبل
اِس مرغ کی بےتابیِ آواز تو دیکھو

کیا بلاخیز جا ہے کوچۂ عشق
تم بھی یاں "میر" مول اک گھر لو

ہم کو دیوانگی ' شہروں ہی میں خوش آتی ہے
دشت میں قیس رہو ' کوہ میں فرہاد رہو
" میر " مل مل کے بہت خوش ہوئے تم سے ' پیارے
اِس خرابے میں ' مری جان ! تم آباد رہو

زخموں پر اپنے ' نون چھڑکتے رہا کرو
دل کو مزے سے بھی تو تنک آشنا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
جی اُلجھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو

اُڑایا غم نے اب کے سوکھے پتوں کی روش ہم کو
الٰہی سبز رکھیو باغ خوبی کے نہالوں کو

جہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں مندتے " میر "
تمھیں تو چاھیے ہر کام میں شتاب کرو

آلودہ خون دل سے صد حرف منھہ پر آئے
مرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو
دل " میر " دلبروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا
کچھہ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

کام گئے ھیں شوق سے ضایع صبر نہ آیا یاروں کو
باز رکھا بے تابی دل نے ھم سب غم کے ماروں کو

تھي وفا و مہر تو بابت دیار عشق کي
دیکھیں شہر حسن میں اِس جنس کا کیا بھاو ھو

اِن اُجڑي ھوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا
ھے جي میں وھیں جا بسیں ویرانہ جہاں ھو

کیا فرض ، ھستی کی رخصت ھے مجھ کو
کہیں اپنے رونے سے فرصت ھے مجھ کو ؟

اِن پلکوں کی کاوش سے زخمی ھے جگر سارا
لے تار نگاھوں کے ، نازک سا رفو کیجو

مستي و دیوانگي کا عہد ھے بازار میں
پاےکوباں دستافشاں آن کر پیدا کرو

موسمِ گل آیا ھے ، یارو ! کچھ میري تدبیر کرو
یعنی سایۂ سرو و گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پھیر دیے ہیں دل لوگوں کے ' مالک نے کچھ میری طرف
تم بھی تک ' اے آہ و نالہ ! قلبوں میں تاثیر کرو

خلع بدن کرنے سے عاشق ' خوش رہتے ہیں اِس خاطر
جان و جاناں ایک ہیں یعنی بیچ میں تن جو حجاب نہ ہو
تر داری کچھ دیدۂ تر کی "میر" نہیں کم دریا سے
جوشاں ' شورکناں آ جاوے ہے ' یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں
حسن عمل کی واں بھی مکافات ہو تو ہو
منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا "میر" کی
ذات مقدس اُن کی یہی ذات ہو تو ہو

مجھے عشق اُس پاس یوں لے گیا
کوئی جیسے لاوے گنہگار کو

کیونکے نیچے ہاتھ کے رکھا دل بےتاب کو ؟
وہ جو تڑپا لے گیا آسودگیِ خواب کو
چاہتا ہے جب مسبب آپھی ہوتا ہے سبب
دخل اِس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو
دم بہ خود رہتا ہوں اکثر سر رکھے زانو پہ "میر"
حال کہہ کر کیا کروں آزردہ اور احباب کو

بے چین بستر پر رہا' بے خواب خاکستر پہ ہوں

صبر و سکوں جب سے گئے پایا نہیں آرام کو

" میر " اب بھلا کیا ابتداے عشق کو روتا ہے تو

کر فکر جو پاوے بھی اِس آغاز کے انجام کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لیے اہل جہاں

واقعہ " میر " ہے درپیش عجب یاروں کو

ابتدا ہی میں مرگئے سب یار

عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

فرصت بود و باش یاں کم ہے

کام جو کچھ کرو شتاب کرو

" میر " جی' راز عشق ہوگا فاش

چشم ہر لحظہ مت پر آب کرو

رہے آبرو " میر " تو ہے غنیمت

کہ غارت میں دل کی ہے ایساے ابرو

چاہت میں خوبرویوں کی کیا جانے کیا نہ ہو

بے تاب دل کا' مرگ کہیں مدعا نہ ہو

آزاد پرشکستہ کو صد رنگ قید ہے

یا رب' اسیر ایسا قفس سے رہا نہ ہو

ہے دامن گل‌چیں ' چمن جیب ہمارا
دنیا میں رہے دیدۂ خوں‌بار ہمیشہ

تری گل‌گشت کے خاطر بنا ہے باغ داغوں سے
پر طاؤس سینہ ہے تمامی دست گل دستہ

آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم
اب جو ہیں خاک ' انتہا ہے یہ
شکر اُس کی جفا کا ہو نہ سکا
دل سے اپنے ہمیں گلا ہے یہ
نعشیں اُٹھتی ہیں آج یاروں کی
آن بیٹھو تو خوش‌نما ہے یہ
تیغ پر ہاتھ دم بہ دم کب تک ؟
اِک لگا چک کہ مدعا ہے یہ

دل گیا ' ہوش گیا ' صبر گیا ' جی بھی گیا
شغل میں غم کے ترے ہم سے گیا کیا کیا کچھ ؟
آہ ' مت پوچھ ستم گار کہ تجھ سے تھی ہمیں
چشم لطف و کرم و مہرو وفا ' کیا کیا کچھ ؟
درد دل ' زخم جگر ' کلفت غم ' داغ فراق
آہ ' عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ ؟
ایک محروم چلے " میر " ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ ؟

جی چاھے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ
پر ھو سکے تو پیارے تک دل کا آشنا رہ
ھر مشت خاک یاں کی چاھے ھے اِک تامل
بے سوچے راہ مت چل ' ھر گام پر کھڑا رہ
شاید کہ سر بلندي ھووے نصیب تیرے
جوں گرد راہ سب کے پانؤں سے تو لگا رہ

مر جاؤ کوئی' پروا نہیں ھے　　کتنا ھے مغرور' اللہ اللہ !
پیر مغاں سے بے اعتقادي　　استغفراللہ ' استغفراللہ !

تھي خواھش دل رکھتا حمائل　　گردن میں اُس کے ھرگاہ و بیگاہ
اِس پر کہ تھا! وہ شہرگ سے اقرب　　ھرگز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ

جلوے ھیں اُس کے شانیں ھیں اُس کی
کیا روز' کیا خور' کیا رات' کیا ماہ
ظاھر کہ باطن ' اول کہ آخر
اللہ اللہ اللہ اللہ

کرے ھے جس کو ملامت جہاں وہ میں ھی ھوں
اجل‌رسیدہ ' جفادیدہ ' اضطراب‌زدہ

ناحق اُلجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا "میر" میں تو چلا اپنی راہ راہ

کیا موافق ہو دوا، عشق کے بیمار کے ساتھ
جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اِس آزار کے ساتھ
مرگئے، پھر بھی کھلی رہ گئیں اپنی آنکھیں
کون اِس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ
کس کو ہر دم ہے لہو رونے کا ہجراں میں دماغ
دل کو اک ربط سا ہے دیدۂ خوں‌بار کے ساتھ
دیکھیے کس کو شہادت سے سر افراز کریں
لاگ تو سب کو ہے اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ

سعی اِتنی یہ ضروری ہے، اُتھے بزم سلک
اے جگر تفتگیء بے اثر پروانہ
کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذرِ جاں سوز
پانو پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

کھل گیا منہ اب تو اُس محبوب کا
کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ
یار کا وہ ناز اپنا یہ نیاز
دیکھیے ہوتا ہے کیوں کر یہ نباہ

شیخ! تو نے خوب سمجھا "میر" کو
واہ وا، اے بے حقیقت! واہ واہ

پامال ہوں کہ اِس میں ہوں خاک سے برابر
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ
گر بت‌کدے میں جانا ایسا ہے "میر جی" کا
تو تار سبحہ ہو گا زنار، رفتہ رفتہ

سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ
جوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ

وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ
جان جاتی رہے نہ آہ کے ساتھ
جاذبہ تو اِن آنکھوں کا دیکھا
جی کھینچے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ
ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
وصل اُس کا خدا نصیب کرے
"میر" دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ؟

منھہ نہ ھم جبریوں کا کھلواؤ
کھنے کو اختیار سا ھے کچھ
ضعف پیری میں زندگانی بھی
دوش پر اپنے بار سا ھے کچھ

خالي نہیں ھے خواھش دل سے کوئي بشر
جاتے ھیں سب ' جہان سے ' اِک آرزو کے ساتھ
کیا اضطراب عشق سے میں حرف‌زن ھوں "میر" ؟
منھہ تک جگر تو آنے لگا گفتگو کے ساتھ

ھم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ
لے جاتے دل کو خاک میں اِس آرزو کے ساتھ

محتاج گل نہیں ھے گریبان غم‌کشاں
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ

اب دل خزاں میں رھتا ھے جي کي رکن کے ساتھ
جانا ھي تھا ھمیں بھی بہار چمن کے ساتھ

دیکھیں عاشق کا جی بھي ھے کہ نہیں
تنگ ھے جان ناصبور سے وہ

خوش ہیں دیوانگیء "میر" سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

ملنا نہ ملنا ٹھہرے' تو دل بھي ٹھہرے اپنا
اقرار ہے ہمیشہ ' انکار ہے ہمیشہ
آمادہٗ فنا کچھہ کیا "میر" اب ہوا ہے
جي مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ

دل ہے میري بغل میں صدپارہ   اور ہر پارہ اِس کا آوارہ

کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو
اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آہ میں غیر سے تاچند کہوں جی کي بات
عشق کا راز تو کہئے نہیں محرم سے بھی
ہمت اپني ہی یہ تھی "میر" کہ جوں مرغ خیال
اک پرافشانی میں گذرے سر عالم سے بھی

دیکھہ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے   یہ دھواں سا ' کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا   کوئی ' ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
نالہ سرِ کھینچتا ہے جب میرا   شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے
بیٹھنے کون دیے ہے پھر اُس کو   جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے
یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم   جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

کروں کیا حسرت گُل کو ' و گرنہ   دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے

تاب دل' صرف جدائي ہو چکی
یعنی طاقت‌آزمائی ہو چکی
چھوٹتا کب ہے اسیر خوش‌زباں
جیتے جی اپني رہائي ہو چکی

فرصت میں یک نفس کے ' کیا درد دل سنو گے '
آئے تو تم و لیکن وقت اخیر آئے
بن جی دیے نہیں ہے امکاں یاں سے جانا
بسمل‌گہ جہاں میں اب ہم تو "میر" آئے

کب سے نظر لگی تھی دروازۂ حرم سے
پردہ اُتھا تو لڑیاں آنکھیں ہماري ہم سے
سوزش گئی نہ دل کي ' رونے سے روز و شب کے
جلتا ہوں ' اور دریا بہتے ہیں چشم نم سے
کیا کیا تعب اتھائے ' کیا کیا عذاب دیکھے ؟
تب دل ہوا ہے اِتنا خوگر ترے ستم سے
ہستي میں ہم نے آکر آسودگی نہ دیکھي
کھلتیں نہ کاش آنکھیں خواب خوش عدم سے

گئے جی سے، چھوٹے بتوں کی جفا سے
یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات "میر"
آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

خنجر بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بہ دم
چشم سے انصاف کی، سینے ہمارے دیکھیے

دم مرگ دشوار دی جان اُن نے
مگر "میر" کو آرزو تھی کسو کی

وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی
اب دیدۂ خوں بار، نہیں جاتے سنبھالے
احوال بہت تنگ ہے؛ اے کاش، محبت
اب دست تلطف کو مرے سر سے اُٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو
وگرنہ ہم خدا تھے، گر دل بےمدعا ہوتے
فلک، اے کاش، ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم
غبار راہ ہوتے یا کسو کی خاک پا ہوتے

سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم
جہاں دیکھو، اللہ ہی اللہ ہے
تری، آہ کس سے خبر پائیے
وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ
یہ منزل نہیں، بےخبر! راہ ہے

شرط سلیقہ ہے ہر اِک امر میں
عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے
خوف قیامت کا یہی ہے کہ "میر"
ہم کو جیا بار دگر چاہیے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے
نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اِک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے دَر پہ جاتا ہوں
حالت اب اِضطراب کی سی ہے
"میر" اُن نیم‌باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ "میر"
جی پہ رکھیں گے تو گذر جائیں گے

اب جو اِک حسرت جوانی ہے
عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے
گریہ ہر وقت کا نہیں بے ہیچ
دل میں کوئی غم نہانی ہے
خاک تھی موج زن جہاں میں، اور
ہم کو دھوکا یہ تھا کہ پانی ہے
ہم قفس زاد قید ہیں ورنہ
تا چمن ایک پرفشانی ہے
اُس کی شمشیر تیز سے، ہمدم
مر رہیں گے، جو زندگانی ہے
یاں ہوئے "میر" تم برابر خاک
واں وہی ناز و سر گرانی ہے

اُس کے ایفائے عہد تک نہ جیے
عمر نے ہم سے بےوفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی
اِسی تقریب اُس گلی میں رہے:
منتیں ہیں شکستہ‌پائی کی

دل میں اُس شوخ کے نہ کي تاثیر
آہ نے ! آہ ‘ نارسائي کي
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس
ہم نے دیدار کی گدائي کي

دل کي معموري کي مت کر فکر ‘ فرصت چاهیے
ایسے ویرانے کے اب بسنے کو مدت چاهیے
عشق میں وصل و جدائي سے نہیں کچھہ گفتگو
قرب و بعد اِس جا برابر هے ‘ محبت چاهیے
نازکي کو عشق میں کیا دخل هے ‘ اے بوالهوس
یاں صعوبت کھینچنے کو جي میں طاقت چاهیے

بے یار ‘ شہر دل کا ‘ ویران هو رها هے
دکھلائی دے جہاں تک میدان هو رها هے

آہ میری زبان پر آئي یہ بلا آسماں پر آئي
آتش رنگ گل سے کیا کہیے ؟ برق تھي آشیان پر آوی

گر دل کي بےقراري هوتي یہی جو اب هے
تو ‘ هم ستم رسیدہ ڈھےکو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اُتھہ کر جاتے تھے اُس گلی میں
اب سعي چاهیے هے بالیں سے سر اُتھاتے

شاید کہ خون دل کا پہونچا ہے وقت آخر
تھم جاتے ہیں کچھ آنسو راتوں کو آتے آتے

مری خاک تفتہ پر، اے ابر تر!
قسم ہے تجھے تگ برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی
دھواں سا اُٹھا کچھ لب گور سے
جو ہو "میر" بھي اُس گلی میں، صبا!
بہت پوچھیو تو مری اور سے

بات شکوے کي ہم نے گاہ نہ کی
بلکہ دي جان اور آہ نہ کي
جس سے تھي چشم ہم کو کیا کیا "میر"
اِس طرف اُس نے اِک نگاہ نہ کي

سر، دے کے "میر" ہم نے فراغت کي عشق میں
ذمے ہمارے بوجھ تھا بارے ادا ہوئے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے
دل نے صدمے بڑے، اُٹھائے تھے
پاس ناموس عشق تھا، ورنہ
کتنے آنسو پلک تک آئے تھے!

وهی سمجھا نہ ، ورنہ هم نے تو
زخم چھاتي کے سب دکھائے تھے
فرصت زندگي سے مت پوچھو
سانس بھي هم نہ لینے پائے تھے
"میر" صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھي لائے تھے

کہاں هیں ادمي عالم میں پیدا
خدائی صدقے کي انسان پر سے

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ ' دھر میں
خندۂ صبح چمن پر شکل شبنم روئیے

ابر و بہار و بادہ سبھوں میں هے اتفاق
ساقي ! جو تو بھي مل چلے تو واہ واہ هے

دن رات مري چھاتی ' جلتی هے محبت میں
کیا اور نہ تھي جاگھہ یہ آگ جو یاں دابی
همیں آمد " میر " کل بھا گئی
طرح اس میں مجنوں کی سب پا گئي
هوئي سامنے یوں تو ایک ایک کے
همیں سے وہ کچھہ آنکھ شرما گئی

کوئي رهنے والي هے جان عزیز
گئی گر نہ امروز ' فردا گئي

جوش دل ' ائے بهم دیدهٔ گریان هوئے
کتنے اک اشک هوئے جمع که طوفان هوئے
سبزه و لاله و گل ' ابر و هوا هے ' مے ' هے
ساقي ! هم توبه کے کرنے سے پشیمان هوئے

خبر نه تهي تجهے کیا ? میرے دل کی طاقت کی
نگاه چشم اُدهر تونے کي ' قیامت کی
سوال میں نے جو انجام زندگي سے کیا
قد خمیده نے سوئے زمیں اشارت کي

پژ مرده بهت هے گل و گلزار همارا
شرمندهٔ یک گوشهٔ دستار نه هووے
مانگے هے دعا خلق تجهے دیکهہ کے ظالم
یارب ! کسو کو اس سے سروکار نه هووے

صحرائے محبت هے ' قدم دیکهہ کے رکهہ " میر " !
یه سیر سر کوچه و بازار نه هووے

برقع کو اُتھا چہرے سے وہ بت اگر آوے
اس زندگي کرنے کو کہاں سے جگر آوے
کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بہ صد ناز، نسیم سحر آوے

بالیں پہ میري، آکر، تک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جي اب آنکھوں میں آرہا ھے

بہ تنگ ھوں میں ترے اختلاط سے، پیري!
قسم، ھے اپني مجھے اس گئی جوانی کی

ھوا ھے دن تو جدائي کا سو تعب سے شام
شب فراق، کس اُمید پر سحر کرئے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے
پر ھم جو نہ ھوں گے تو بہت یاد کرو گے

سیر گلزار مبارک ھو صبا کو ھم تو
ایک پرواز نہ کي تھي، کہ گرفتار ھوئے
اس ستم گار کے کوچے کے ھوا داروں میں
نام فردوس کا ھم لے کے گنہہ گار ھوئے

وعدۂ حشر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ
کس توقع پر ترے طالب دیدار ہوئے

باغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دي ہے بہاراں نے
ہر غنچہ اخگر ہے ہم کو ہر گل اک انگارا ہے

لائی تری گلي تک آوارگي ہماري
ذلت کی اپنی اب ہم، عزت کیا کرینگے

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے
نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں
ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے

جب کہ پہلو سے یار اُٹھتا ہے
درد بے اختیار اُٹھتا ہے
اب تلک بھی مزار مجنوں سے
ناتواں اک غبا اٹھتا ہے
ہے بگولہ، غبار کس کا ؟ "میر" !
کہ جو ہو بےقرار، اٹھتا ہے

پا برہنہ، خاک سر میں، مو پریشاں، سینہ چاک
حال میرا دیکھنے آ ! تیریے ہي دلخواہ ہے

لاعلاجي هے جو رهتي هے مجهے آوارگي
کیجئے کیا "میر" صاحب بندگي بےچارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں
دیکھتے هی دیکھتے کیا هو گیا یکبارگي

عشق کے داغ کا عبث هے علاج کوئي اب یه نشان جاتا هے

مر هی جاویںگے بہت هجر میں ناشاد رهے
بھول تو هم کو گئے هو، یه تمہیں یاد رهے
هم سے دیوانے رهیں شهر میں، سبحان الله!
دشت میں قیس رهے، کوه میں فرهاد رهے

باهم سلوک تها تو اوٹھاتے تھے نرم گرم
کا هے کو "میر"! کوئی دبے جب بگڑ گئی

کیسے هیں وے که جیتے هیں صد سال، هم تو "میر"
اس چاردن کي زیست میں بیزار هو گئے

"میر"! اب بہار آئي، صحرا میں چل، جنون کر
کوئی بھي فصل گل میں، نادان! گھر رهے هے

اے حب جاہ والو! جو آج تاجور ھے
کل اس کو دیکھیو تم، نے تاج ھے، نہ سر ھے
شمع اخیر شب ھوں، سن! سر گذشت میری
پھر صبح ھونے تک تو، قصہ ھي مختصر ھے

ھر دم قدم کو اپنے رکھ، احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساري، دوکان شیشہ گر ھے
اھل زمانہ رھتے یک، طور پر نہیں ھیں
ھر آن، مرتبہ سے اپنے، اُنھیں سفر ھے
وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے "میر" اَب تو
آنکھوں میں لخت دل یا پارۂ جگر ھے

کچھ، موج ھوا پیچاں، اے "میر"! نظر آئی
شاید کہ بہار آئي، زنجیر نظر آئی
دلی کے نہ تھے کوچے، اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئي

پیري، میں کیا؟ جوانی کے موسم کو روئیے
اب صبح ھونے آئي ھے، اک دم تو سوئیے
رخسارے اس کے، ھائے رے جب دیکھتے ھیں ھم
آتا ھے جي میں آنکھوں کو ان میں گڑوئیے

پیار کرنے کا جو خوباں، ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
اُن سے بھی تو پوچھئے تم اتنے کیوں پیارے ہوئے ؟
لیتے کروٹ ، ہل گئے جو کان کے موتی ترے
شرم سے ، سر در گریباں صبح کے تارے ہوئے

کرے ؟ کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے
زمیں سخت ہے آسماں دور ہے
تمنائے دل کے لئے جان دی
سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے
نہ ہو کس طرح ؟ فکر انجام کار
بھروسا ہے جس پر ، سو مغرور ہے
دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج
گرا ، گر یہ شیشہ تو پھر چور ہے
بہت سعی کرنے سے مر رہئے ''میر''
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

سجدہ کرنے میں سر کٹتے ہے جہاں
سو ترا آستان ہے پیارے
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
یہ ہمارا نشان ہے پیارے
'' میر '' عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

آگے بھی تجھ سے تھا یاں ' تصویر کا سا عالم
بے دردی فلک نے وے نقش سب مٹائے
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے

آبشار انے لگے آنسو کی پلکوں سے تو " میر "
کب تلک ' یہ آبچادر منھ پہ تانا کیجئے

شوق تھا جو یار کے کوچے ' ہمیں لایا تھا "میر"
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائے

غالب کہ یہ دل خستہ شب ہجر میں مرجائے
یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گذر جائے
نہ بت کدہ ہے منزل مقصود ' نہ کعبہ
جو کوئی تلاشی ہو ترا ' آہ کدھر جائے
یا قوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی اگل برگ
ٹک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے

ہو گئی ' شہر شہر رسوائی اے مری موت تو بھلی آئی

تو ہے بے چارہ گدا " میر " ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں ' صاحب افسر کتنے

چشم بد دور، چشم تر اے "میر" آنکھیں طوفان کو دکھاتي ھے

طاقت نہیں ھے دل میں، نے جي به جا رھا ھے
کیا ناز کر رھے ھو، اب ھم میں کیا رھا ھے

تڑپنا بھي دیکھا نه بسمل کا اپنے
میں کشته ھوں انداز قاتل کا اپنے
بنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
ھوں بندہ، خیالات باطل کا اپنے

پژمردہ اس قدر ھیں که ھے شبه ھم کو "میر"
تن میں ھمارے جان کبھي تھي بھي یا نه تھي

بیمار رھے ھیں اس کي آنکھیں
دیکھو کسو کي نظر نه ھوئے
رکھ، دیکھ کے راہ عشق میں پاؤں
یاں "میر" کسو کا سر نه ھو وے

کچھ آبلے دئے تھے رہ آورد عشق نے
سو رفته رفته خار مغیلاں تلک گئے؟

جن جن کو تھا ' یہ عشق کا آزار ' مر گئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
بے کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاعِ دل کے خریدار مر گئے

چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھي یار کے تیر! جان لے جا بھي

ترا آنا هي اب مرکوز هے هم کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

بھرا هے دل مرا جام لبالب کي طرح ساقي
ڈلے لگ خوب رؤں میں جو میناے شراب آوے
لپیٹا هے دل سوزاں کو اپنے " میر " نے خط میں
الهي ! نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

کہاں تلک شب و روز آہ دردِ دل کہئیے
هر ایک بات کي آخر کچھ اِنتہا بھي هے
هوس تو دل میں همارے جگھہ کرے لیکن
کہیں هجوم سے اندوہ غم کي جا بھي هے
گذار شہر وفا میں سمجھ کے کر مجنوں
کہ اس دیار میں " میر " شکستہ پا بھي هے

ٹپکا کرے ہے آنکھ سے لوہو ہي روز و شب
چہرے پہ "میر" چشم نہ یا کوئي گھاؤ ہے

جو سوچئے تو وہ مطلوب ہم ہی نکلے "میر"
خراب پھرتے تھے جس کي طلب میں مدت سے

اے چرخ ! نہ تو روز سیہ "میر" پہ لانا
بے چارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ہے

دو سونپ دود دل کو، میرا کوئي نشاں ہے
ہوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ہے
روشن ہے جل کے مرنا پروانے کا و لیکن
اے شمع! کچھ تو کہہ تو، تیرے بھی تو زباں ہے
بھڑکے ہے آتش گل اے ابر تر ترحم
گوشے میں گلستاں کے میرا بھي آشیاں ہے

لبریز جس کے حسن سے مسجد ہے اور دیر
ایسا بتوں کے بیچ، وہ اللہ کون ہے

بے طاقتی نے دل کی، آخر کو مار رکھا
آفت ہمارے جی کی آئي ہمارے گھر سے

دل‌کش بہ‌منزل آخر دیکھا تو راہ نکلی
سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے
آوارہ "میر" شاید واں خاک ہو گیا ہے
اک گرد اوٹھ چلے ہے گاہ اس کی رہ گذر سے

فتراک سے نہ باندھے ' دیکھے نہ تو تڑپنا
کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہووے

رہی نہ پختگی عالم میں دور خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

ناصح کو خبر کیا ہے لذت سے غم دل کی
ہے حق بہ طرف اس کے چکھے تو مزا جانے
لے جائے "میر" اس کے دروازے کی مٹی بھی
اس درد محبت کی جو کوئی دوا جانے

ہنستے ہو ' روتے دیکھ کر غم سے — چھیڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے
تم جو دل‌خواہ خلق ہو' ہم کو — دشمنی ہے تمام عالم سے
مفت یوں ہاتھ سے نہ کھو ہم کو — کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے

نالۂ‌عجز نقش‌الفت ہے — رنج و محنت کمال راحت ہے
تا دم مرگ' غم خوشی کا نہیں — دل‌آزردہ گر سلامت ہے

رونا آتا ہے دم بہ دم شاید کسو حسرت کی دل سے رخصت ھے
فتنے رھتے ھیں اُس کے سائے میں قد و قامت ترا قیامت ھے

قطعہ

تجھ کو مسجد ھے ' مجھ کو مے‌خانہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

قطعہ

تربت "میر" پر ھیں اھل سخن ھر طرف حرف ھے حکایت ھے
تو بھی تقریب فاتحہ سے چل بہ خدا واجب‌الزیارت ھے

" میر " میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن ' جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا ' چشم نہ بھر آوے گی

ھر چند ضبط کرئے ' چھپتا ھے عشق کوئی
گذرے ھے دل پہ جو کچھ' چہرے ھی سے عیاں ھے
از خویش رفتہ اس بن رھتا ھے " میر " اکثر
کرتے ھو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ھے

اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ھے
فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کس کو ھے آرزوے رفاقت فراق میں
ایسا تو ھو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے

ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک
مانند شمع داغ جگر کا نہ دھو سکے

آتش کے شعلہ سر سے ہمارے گذر گئے
بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں
جانے دے ''میر'' صاحب و قبلہ جدھر گئے

دن کو نہیں ہے چین، نہ ہے خواب، شب مجھے
مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے
اے ابر تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں اُن نے ''میر'' کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

لوٹے ہے خاک و خون میں غیروں کے ساتھ "میر"
ایسے تو نیم کشتہ کو اُن میں نہ سانٹے

مرے اس رک کے مر جانے سے وہ غافل ہے کیا جانے
گذرنا جان سے آساں، بہت مشکل ہے کیا جانے

کیا کروں شرح خستہ جانی کی
میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد' گفتنی نہیں میرا
تم نے پوچھا تو مہربانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند "میر" نے کل
ابتدا پھر وہی کہانی کی

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے
دن گذر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے

روز آنے پہ نہیں نسبت عشقی موقوف
عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں "میر"
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

پہونچا تو ہو گا سمع مبارک میں حال "میر"
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع
کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی

میکدے سے تو ابھی آیا ھے مسجد میں "میر"
ھو نہ لغزش کہیں، مجلس ھے یہ بیگانوں کی

نہیں وسواس جي گنوانے کے   ھائے رے ذوق دل لگانے کے
میرے تغیر حال پر مت جا   اتفاقات ھیں زمانے کے
دم آخر ھي کیا نہ آتا تھا   اور بھي وقت تھے بہانے کے

ٹک آنکھ بھي کھولي نہ زخود رفتہ نے اس کے
ھر چند کیا شور قیامت نے سرھانے

میں پاشکستہ جا نہ سکا قافلے تلک
آتي اگرچہ دیر صداے جرس رھی
جوں صبح اِس چمن میں نہ ھم کھل کے ھنس سکے
فرصت رھی جو "میر" بھي سو اک نفس رھي

تجھ بن آئے ھیں تنگ جینے سے   مرنے کا اِنتظار رھتا ھے

آج کل بےقرار ھیں ھم بھی   بیٹھ جا! چلنے ھار ھیں ھم بھي
منع گریہ نہ کر تو اے ناصح   اس میں بےاختیار ھیں ھم بھي

غفلت میں گئی آہ مری ساري جوانی
اے عمر گذشتہ میں تیري قدر نہ جانی

مدت سے ہیں اک مشت پر' آوارہ چمن میں
نکلے ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

مر گیا کوہکن اسی غم میں   آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی
کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے
ہر اک چیز سے دل اُٹھا کر چلے
کوئی نا اُمیدانہ کرتے نگاہ
سو تم ہم سے منھ بھی چھپا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے
نظر میں سبھوں کے خدا کر چلے

نہ دیکھا غم دوستاں شکر ہے
ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئي هم سے "میر"
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اپنے تو هونٹھ بھي نہ هلے اس کے روبرو
رنجش کي وجہہ "میر" وہ کیا بات هو گئی

بغیر دل کے یہ قیمت هے سارے عالم کی
کسو سے کام نہیں رکھتي جنس آدم کی
کوئی هو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برهم کي
همیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو
کہ سیر و گشت نہیں رسم اهل ماتم کی
قفس میں "میر" نہیں جوش داغ سینے پر
هوس نکالي هے هم نے بھی گل کے موسم کی

اب چھیڑ یہ رکھي هے کہ عاشق هے تو کہیں
القصہ خوش گذرتي هے اُس بدگمان سے

چاک پر چاک هوا، جوں جوں سلایا هم نے
اس گریباں هی سے اب هاتھ اُٹھایا هم نے

سی ' چاک دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے
ہوتا ہے کیا ہمارا گریباں سیئے ہوئے
کافر ہوئے بتوں کي محبت میں "میر" جی
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ دے ہوے

غم سے ' یہ راہ میں نے نکالی نجات کي
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی
ہم تو ھي اِس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں
اب بات جا چکي ہے سبھي کائنات کي

کیوں کر بجھاؤ آتش سوزان عشق کي
اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھي جا لگی
کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ "میر"
کس جائے اُس شہید کے تیغ جفا لگي

اخیر الفت یہي نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے
ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہوکر اُڑا کرو گے
غم مَحبت سے "میر" صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہوگا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کرو گے

گریئے سے داغ سینہ ' تازہ ہوئے ہیں سارے
یہ کشت خشک تو نے اے چشم پھر ہري کي

ھے یہ اندھیر، شہر میں خورشید
دن کو لے کر چراغ نکلے ھے

اس شہر دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے
کیا جانئے کہ بستي یہ کب کي خراب ھے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم، پر ھم تم سے بنائے گئے
چپکے باتیں اوٹھائے گئے، سرکاڑے وھیں آئے گئے
اللہ رے یہ دیدہ درائي، ھوں نہ مکدر کیوں کر ھم
آنکھیں ھم سے ملائے گئے، پھر خاک میں ھم کو ملائے گئے
ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھي حد ایک آخر ھوتي ھے
کشتے اس کی تیغ ستم کے گور نمئیں کب لائے گئے
مرنے سے کیا "میر" جی صاحب ھم کچھ خوش تھے کیا کرئے
جي سے ھاتھ اٹھائے گئے پر اُسّے دل نہ اُٹھائے گئے

اِدھر سے ابر اوٹھ کر جو گیا ھے — ھماری خاک پر بھي رو گیا ھے
مصائب اور تھے، پر دل کا جانا — عجب اک سانحہ سا ھو گیا ھے
سرھانے "میر" کے کوئی نہ بولو — ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ھے

عمر بھر ھم رھے شرابي سے — دل پر خوں کی اک گلابي سے
برقع اٹھتے ھي چاند سا نکلا — داغ ھوں اس کی بےحجابي سے
کام تھے عشق میں بہت پر "میر" — ھم ھي فارغ ھوئے شتابي سے

گر دل ہے یہي مضطرب الحال تو اے "میر"
ہم زیر زمیں بھي' بہت آرام کریں گے

نکل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پکڑي
پہونچتا ہوں کبھو در پر ترے سو اس خرابي سے

آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس
آخر کو "میر" اس کي گلے ہی میں جا رہے

ہر صبح اتھہ کے تجھہ سے' مانگوں ہوں میں تجھہي کو
تیرے سواے میرا کچھہ مدعا نہیں ہے

ناتواني سے اگر مجھہ میں نہیں ہے جی تو کیا
عشق جو چاہے تو مردے سے بھي اپنا کام لے

پلکوں سے رفو ان نے کیا خاکِ دلِ "میر"
کس زخم کو کس ناز دی کے ساتھہ سیا ہے

لطف اس کے بدن کا کچھہ نہ پوچھو
کیا جانئے ? جان ہے کہ تن ہے

کس کو خبر ہے کشتی تبا ہوں کے حال کی
تختہ مگر کنارے کوئی بہہ کے جا لگے

اسیر زلف کرے قیدئی کمند کرے
پسند اس کی ہے وہ جس طرح پسند کرے
ہمیشہ چشم ہے غمناک ' ہاتھ دل پر ہے
خدا کسو کو نہ ہم سا بھی درد مند کرے

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہے جان کو کوئی کھائے جاتا ہے

جائے غیرت ہے خاک دان جہاں تو کہاں منھ اُٹھائے جاتا ہے
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا کیا ہی سر کو جھکائے جاتا ہے

کعبے میں جاں بہ لب تھے ہم دوریٔ بتاں سے
آئے ہیں پھر کے یارو ! اب کے خدا کے یاں سے
کیا خوبی اس کے منھ کی اے غنچے نقل کرلی
تو تو نہ بول ظالم بو آتی ہے دہاں سے
اتنی بھی بدمزاجی ہر لحظہ " میر " تم کو
الجھاؤ ہے زمیں سے جھگڑا ہے آسماں سے

کی اس طبیب جاں نے تجویز مرگ عشق
آزار کی مناسب تدبیر کیا نکالی

دل بند ہے ہمارا موج ہوائے گل سے
اب کے جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

تاثیر ہے دعا کو فقیروں کی "میر" جی
تک آپ بھی ہمارے لئے ہاتھ اُٹھائیے

ہم آپ سے گئے سو الٰہی کہاں گئے
مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں اِنتظار ہے
بس وعدۂ وصال سے کم دیجے مجھے فریب
آگے ہی مجھ کو تیرا بہت اِعتبار ہے
کب تک ستم کبھو تو دلاسا بھی دیجئے
بالفرض "میر" ایسا ہی تقصیر وار ہے

شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا
کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہونچا نہ "میر"
مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نا محرم گئے

کرتا ہے کب سلوک وہ اہل نیاز سے
گفتار اس کی کبر سے، رفتار ناز سے
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ پوچھ
سر شمع کا کٹے ہے زبان دراز سے

جي رشک سے گئے جو اُدھر کو صبا چلی
کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلي

کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہراب چھوڑ
خضر کو ہنستے ہیں سب مجروح خنجر کے ترے

کار دل اس مہہ تمام سے ہے
کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہے
کوئي تجھ سا بھی کاش تجھ کوملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

کوئی بھي ''میر'' سے دل‌ریش سے یوں دور پھرتا ہے
تک اس درویش سے مل چل کہ تجھ کو کچھ دعا دے دے

ہشیار کہ ہے راہ محبت کي خطرناک
مارے گئے ہیں لوگ بہت بے خبري سے

کچھ کرو فکر مجھ دوانے کي
دھوم ہے پھر بہار آنے کي
تیز یونہیں نہ تھي سب آتش شوق
تھی خبر گرم اس کے آنے کی

قطعہ

جو ہے سو پائمال غم ہے "میر" چال بے ڈول ہے زمانے کی

اب تو ہم ہو چکتے ہیں تک تیرے ابرو خم ہوتے
کیا کیا رنج اُٹھاتے تھے، جب جی میں طاقت رکھتے تھے

دین و مذہب عاشقوں کا قابل پرسش نہیں
یے ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اس کے لیے

طپش سے رنگ اڑ جاوے قلق سے جان گھبرا وے
دیا ہے دل اِلٰہی ہم کو یا کوئی ?

دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہے راہ آپس میں
طریق عشق بھی عالم سے کچھ نرالا ہے
ہزار بار گھڑی بھر میں " میر " مرتے ہیں
انہوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے

دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بتخانے سے کعبے کو
اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے

چھاتی جلا کرے ہے' سوز دروں بلا ہے
ایک آگ سی لگی ہے' کیا جانئے کہ کیا ہے

ہمارا تو ہے اصل مدعا تو — خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
تماشا کردنی ہے داغ سینہ — یہ پھول اس تختے میں تازہ کھلا ہے
کب اس بے گانہ خو کو سمجھے عالم — اگرچہ یار عالم آشنا ہے
نہ عالم میں ہے نے عالم سے باہر — یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے
لگا میں گرد سر پھرنے تو بولا — تمہارا "میر" صاحب سر پھرا ہے

افراط شتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہوچکے

شور بازار میں ہے یوسف کا
وہ بھی آنکلے تو تماشا ہے
تک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ
دل بھی دامن وسیع صحرا ہے

کیا کف دست ایک میداں تھا بیاباں عشق کا
جان سے جب اس میں گزرے تب ہمیں راحت ہوئی

ہم "میر" تیرا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن
رہتا ہے ہوئے بن کب ؟ جو کچھ کہ ہوا چاہے

هم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہے
کیا کہیئے داغ ہے دل ' ٹکڑے جگر ہے سارا
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے

گرم آکے ایک دن وہ ' سینہ سے لگ گیا تھا
تب سے ہماری چھاتی ہر شب جلا کرے ہے
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یار سے هم
اندوہ ایک جی کو اکثر رہا کرے ہے
ایک آفت زماں ہے یہ "میر" عشق پیشہ
پردے میں سارے مطلب اپنے ' ادا کرے ہے

جاناں کی رہ سے آنکھیں ' جس تس کی لگ رہی ہیں
رفتہ ہیں لوگ سارے یاں پاؤں کے نشاں کے
خمیازہ کش رہے ہے اے "میر" شوق سے تو
سینے کے زخم کے ' کہہ! کیوں کر رہیں گے ٹانکے

جفا اس کی نہ پہونچی انتہا کو دریغا عمر نے کی بے وفائی

کیا جانئے کہ عشق میں خوں ہوگیا کہ داغ
چھاتی میں اب تو دل کی جگہہ ایک درد ہے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یاں سے گئے
سو ھي بات آئي ، اُٹھے اس پاس سے ، جاں سے گئے
جي تو اس کی زلف میں، دل کاکل پیچاں میں ''میر''
جا بھي نکلے اس کنے تو ہم پریشاں سے گئے

ھائے کس خوبی سے آوارہ رھا ھے مجنوں
ھم بھي دیوانے ھیں اس طور کے دیوانے کے
آہ ! کیا سہل گذر جاتے ھیں جی سے عاشق
ڈھب کوئي سیکھ لے اِن لوگوں سے مرجانے کے
کاھے کو آنکھ چھپاتے ھو یہي ھے گر چال
ایک دو دن میں نہیں ھم بھی نظر آنے کے

کبھو '' میر '' اس طرف آکر جو چھاتي کوٹ جاتا ھے
خدا شاھد ھے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ھے

مستی میں جا و بے جا مدنظر کہاں ھے
بے خود ھیں اس کي آنکھیں ان کو خبر کہاں ھے
اٹھنے کي ایک ھوس ھے ھم کو قفس سے ورنہ
شایستۂ پریدن ، بازو میں پر کہاں ھے

یاران دیر و کعبہ ، دونوں بلا رھے ھیں
اب دیکھیں '' میر '' اپنا جانا کدھر بنے ھے

رکھنا تمہارے پاؤں کا کھوتا ھے سر سے ھوش
یہ چال ھے تو اپني کسے پھر خبر رھے

— —

وے دن گئے کہ پھروں کرتے نہ ذکر اس کا
اب نام یار اپنے لب پر گھڑي گھڑي ھے
آتش سي پھک رھي ھے سارے بدن میں میرے
دل میں عجب طرح کي چنگاری آپڑی ھے

— —

ریجھنے ھی کے ھے قابل یار کی ترکیب "میر"
واہ وا رے چشم‌وابرو' قد و قامت ھاے رے

— —

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مو‌نازک ھے
چاک دل پلکوں سے مت سي کہ رفو نازک ھے

— —

چھاتي کے داغ یکسر آنکھوں سے کھل رھے ھیں
دیکھیں ابھي محبت کیا کیا ھمیں دکھاوے

— —

آسماں شاید ورے کچھہ آگیا
رات سے کیا کیا رکا جاتا ھے جي

— —

کیا جانئے کہ چھاتي جلے ھے کہ داغ دل
اک آگ سی لگی ھے کہیں' کچھہ دھواں سا ھے

— —

مزاجوں میں یاس آگئی ہے ہمارے
نہ مرنے کا غم ہے ' نہ جینے کی شادی
نہ ہو عشق کا شور تا "میر" ہرگز
چلے بس تو شہروں میں کرے منادی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب ' کرتے تھے پیار
عقل کی باتیں کیں' کیا ہم سے نادانی ہوئی

جنوں کا عبث میرے مذکور ہے
جوانی دوانی ہے ' مشہور ہے
گدا ' شاہ دونوں ہیں دل باختہ
عجب عشق بازی کا دستور ہے
نیاز اپنا جس مرتبے میں ہے یاں
اسی مرتبے میں وہ مغرور ہے
گیا شاید اس شمع رو کا خیال
کہ اب "میر" کے منہ پہ کچھ نور ہے

بے خودی یہ ہے تو ہم آپ میں اب آچکے
کیا تمہیں یاں سے چلے جاتے ہو ہم بھی جا چکے

کی سیر ہم نے سینۂ یکسر فگار کی
اس تختے نے بھی اب کے قیامت بہار کی

آنکھیں غبار لائیں مری انتظار میں
دیکھوں تو گرد کب اُٹھے اس رہ گزار کی
مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں
منھ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی
کیا جانوں چشم تر سے اُدھر دل پہ کیا ہوا
کس کو خبر ہے "میر" سمندر کے پار کی

اب حوصلہ کرے ہے ہمارا بھی تنگیاں یاں
جانے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں یے

تھا ملک جن کے زیر نگیں صاف مٹ گئے
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
اک قافلے سے گرد ہماری نہ تک اُٹھی
حیرت ہے "میر" اپنے تئیں ہم کہاں رہے

رہتے رہتے منتظر' آنکھوں میں جی آیا ندان
دم غنیمت جان اب مہلت کوئی دم اور ہے
جی تو جانے کا ہمیں اندوہ ہی ہے ایک "میر"
حشر کو اُٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

الٰہی کہاں منھ چھپایا ہے تو نے
ہمیں کھو دیا ہے تری جستجو نے

جو خواهش نه هوتي تو کاهش نه هوتی
همیں جي سے مارا تری آرزو نے
مداوا نه کرتا تها مشفق همارا
جراحت جگر کے لگے دکھنے دونے
تري چال تیڑ هي تری بات روکهي
تجهے "میر" سمجها هے یاں کم کسو نے

جی گیا اس کے تیر کے همراه ... تهي تواضع ضرور مهماں کي
پهوڑ ڈالیں گے سر هی اس در پر ... منت اٹهتی نهیں هے درباں کي
آدمی سے ملک کو کیا نسبت ... شان ارفع هے "میر" انساں کي

یه رات هجر کی یاں تک تو دکهه دکهاتي هے
که صبح شکل مري سب کو بهول جاتي هے

کوفت سے جان لب په آئی هے ... هم نے کیا چوٹ دل په کهائي هے
لکهتے رقعه، لکهے گئے دفتر ... شوق نے بات کیا بڑهائي هے
یاں هوے خاک سے برابر هم ... واں وهی ناز خود نمائي هے

سجده کوئی کرے تو در یار پر کرے
هے جاے پاک شرط عبادت کے واسطے

قصد ہے کعبہ کا لیکن سوچ ہے
کیا ہے منھ جو اس کے در پر جائیے

گردش میں جو ہیں "میر" مہہ و مہر ستارے
دن رات ہمیں رہتی ہے یہ چشم نمائی

خوبی سے نداں اس کی سب صورتیں یاں بگڑیں
وہ زلف بلی دیکھی سب بن گئے سودائی

آبِ حسرت آنکھوں میں اس کی نو میدانہ پھرتا تھا
"میر" نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

بتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ
خدا ہی ہو تو کعبہ "میر" جاوے

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی
کہاں رحمت حق کہاں بے گناہی

پتا پتا، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

آنا ادھر اس بت کا ' کیا میری کشش سے ھے
ھو موم جو پتھر تو ' تائید خدا کي ھے
دامانِ دراز اس کا جو صبح نہیں کھینچا
اے " میر " یہ کوتاھي سب دست دعا کي ھے

شکایت کروں ھوں تو سونے لگے ھے
مری سر گذشت اب ھوئي ھے کہانی

عالم عالم عشق و جنوں ' ھے دنیا دنیا تہمت ھے
دریا دریا روتا ھوں میں ' صحرا صحرا وحشت ھے

آنسو ھو کر خون جگر کا ' بے تابانہ آیا تھا
شاید رات شکیبائي کی جلد بہت کچھ رخصت تھي

دل بھی بھرا رھتا ھے میرا ' جي بھي رندھا کچھ جاتا ھے
کیا جانوں میں روؤں گا کیا ؟ دریا چڑھتا آتا ھے
عشق و محبت کیا جانوں میں ؟ لیکن اتنا جانوں ھوں
اندر ھي اندر سینے میں میرے ' دل کو کوئي کھاتا ھے
عاشق اپنا جان لیا ھے اُن نے شاید " میر " ھمیں
دیکھ بھری مجلس میں اپني ' ھم ھی سے شرماتا ھے

گردش دلوں کي کم نہ ھوئی کچھ کڑے ھوئے
روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ھوئے

بیمار امید وار سے ' بستر پہ اپنے ہم
دروازے ہی کے اور تکے ہیں پڑے ہوئے

گلستاں کے ہیں دونوں پلے بھرے
بہار اِس طرف ' اُس طرف ابر ہے

آنکھوں کی کچھ حیا تھی ' سو موند لیں ادھر سے
پر دہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اُٹھا دیا ہے

سر کسو سے فرو نہیں آتا
حیف بندے ہوئے خدا نہ ہوئے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا
موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے
میں نہ گردن کٹائی جب تک "میر"
عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے

دیکھئے کیا ہو سانجھ تلک احوال ہمارا ابتر ہے
دل اپنا تو بجھا سا دیا ہے جان چراغ مضطر ہے
تاب و توان کا حال وہی ہے ' آج تلک ہم جیتے ہیں
تم پوچھو تو اور کہیں کیا ؟ نسبت کل کے بہتر ہے

تسبیحیں ٹوتیں ' خرقے ' مصلے ' پھٹے جلے
کیا جانے جانقاہ میں ' کیا "میر" کہ گئے

جي کے لگنے کي "میر" کچھ کہ بھی
ھے وھي بات جس میں ھو تہ بھي

شائستہ غم و ستم یار هم هوئے
عاشق کہاں ھوے کہ گنہگار ھم ھوئے
جی کھنچ گیا اسیرقفس کی فغاں کے اور
تھي چوٹ اپنے دل کو گرفتار هم هوئے
هونا نہور ھے بے خبری کا مآل خوب
افسوس ھے کہ دیر خبر دار هم هوئے

تعارف کیا رھا اھل چمن سے — ھوئی اک عمر میں اپنی رھائي
کہاں کا بے ستون فرھاد کیسا — یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
جفا اُٹھتی ' وفا جو عمر کرتي — سو' کی اس رفتني نے بے وفائی
پھر آنا کعبے سے اپنا نہ ھوگا — اب اس کے گھر کی هم نے راہ پائي

ان دوھي صورتوں میں' شکل اب نباہ کی ھے
یا صبر هم کو آوے یا رحم اُس کو آوے
کچھ زخم کھل چلے کچھ داغ کھل رھے ھیں
اب کي بہار دیکھیں کیا کیا شگوفے لاوے

بہار آئی نکالو مت مجھے اب کے گلستاں سے
مرا دامن بھرے تو باندھ دو گل کے گریباں سے
خدا جانے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے
کھڑے تھے ''میر'' صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

موسم گل تلک رہے گا کون چبھتے ہی دل کو خار رہے
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے دل کو اپنے اگر قرار رہے
دل لگے پر رہا نہیں جاتا رہے اپنا جو اختیار رہے

یوں جنوں کرتے جو یاں سے ہم گئے
تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے

پلکوں کی اس کی جنبش جاتی نہیں نظر سے
کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے
ہوتا تھا گاہ گاہے محسوس درد آگے
اب دل، جگر، ہمارے پھوڑے سے ہیں ٹپکتے

غم مرگ سے، دل جگر ریش ہے
عجب مرحلہ ہم کو درپیش ہے
ہمیں کیا جو ہے ''میر'' بے ہوش سا
خدا جانے یہ کیا ہے؟ درویش ہے

گوش ہر اک کا اسي کي اور ہے
کيا قيامت کا قيامت شور ہے

آشنا ہو اس سے ہم ، مر مر گئے آيندہ "مير"
جيتے رہئے تو کسو سے اب نہ ياري کيجئے

آينہ دار اسي کے ، پاتے ہيں شش جہت کو
ديکھيں تو منھہ دکھاوے ، وہ کام جاں کدھر سے
جب گوش زد ہو اس کے تب بے دماغ ہو وہ
بس ہوچکي توقع اب نالۂ سحر سے

چاھيے کس سے تيري داد ستم
کاش انصاف اپنے دل ميں کرے

چلے ہم ، اگر تم کو اکراہ ہے فقيروں کي اللہ اللہ ہے

خواهش بہت جو ہو تو کاهش ہے جان و دل کي
کچھہ کم کر ان دنوں ميں ، اے "مير" چاہ کو بھي

بے تابي ، جو دل ہر گھڑي اظہار کرے ہے
اب ديکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے

کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں
سوناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے
کیوں کر نہ ہو تم "میر" کے آزار کے درپے
یہ جرم ہے اس کا کہ تمھیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے رو بہ رو دشنام ہے
یہ بھی کوئي لطف بے ہنگام ہے
عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر
سر کا جانا جس میں ہراک گام ہے
روز و شب پھرتا ہوں اس کوچہ کے گرد
کیا کہوں ? کیا گردش ایام ہے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا تو سہل ہے
لوگوں کے پوچھنے کا کوئي کیا جواب دے

بہ رنگ طائر نو پر، ہوئے آوارہ ہم اوٹھ کر
کہ پھر پائي نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کي

تیرے بیمار کي بالیں پہ جاکر، ہم بہت روے
بلا حسرت کے ساتھ اس کي نگاہ واپسي دیکھی

بے طاقتي دل سے میری جان ہے لب پر
تم ٹھہرو کوئی دم، تو مرا جي بھی ٹھہر جائے

جاتا ہے جدھر مغزل مقصود نہیں وہ
آوارہ جو ہو عشق کا، بےچارہ کدھر جائے
اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی
یاں جی بھی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے

بتوں کے جرم الفت پر، ہمیں زجرو ملامت ہے
مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے
پئے دارو، پڑے پھرتے تھے کل تک "میر" کوچوں میں
اُنھیں کو، مسجد جامع کی دیکھی آج خدمت ہے

خدا کرے مرے دل کو تک اک قرار آوے
کہ زندگی تو کروں جب تلک کہ یار آوے
ہمیں تو ایک گھڑی، گُل بغیر دوبھر ہے
خداھی جانے کہ اب کب تلک بہار آوے
اُٹھے بھی گرد رہ اِس کی کہیں، تو لطف ھی کیا
جب اِنتظار میں آنکھوں ھی پر غبار آوے
تمہارے جوروں سے اب حال جاے عبرت ہے
کسی سے کہئے تو اس کو نہ اِعتبار آوے

دل کی بیماری سے طاقت طاق ہے
زندگانی اب تو کرنا شاق ہے
دم شماری سی ہے رنج قلب سے
اب حساب زندگی بے باق ہے

مرتے پڑا وہ دیر کے ٹکڑوں پہ "میر"
اٹھ کے کعبہ چل ، خدا رزاق ہے

بات کیا آدمی کی بن آئی　　آسماں سے زمین نپوائی

دست افشاں، پائے کوباں، شوق میں
صومعے سے " میر " بھی باہر گئے

واعظ ناکس کی باتوں پر ، کوئی جاتا ہے " میر "
آؤ میخانے چلو ، تم کس کے کہنے پر گئے

خستہ ہوا اپنا کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں
وحشت - ایک تمہیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا
خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی
کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے " میر "
آفت جاں ہے عشق کا غم بھی

باغ میں سیر ، کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے
روش آب رواں پھلے پھرا کرتے تھے

اب تو بے تابئی دل نے ہمیں بتھلاھي دیا
آگے رنج و تعب شق ' اتھا کرتے تھے

کیسا کیسا عجز ھے اپنا' کیسے خاک میں ملتے ھیں
کیا کیا ناز و ادا اس کو ھے ' کیا کیا بے پروائی ھے

کیا ابر رحمت اب کے برستا ھے لطف سے
طاعت گزیں جو ہو سو گنہگار ھو کوئی
یکساں ہوئے ھیں خاک سے پامال ھوکے ھم
کیا اور اس کي راہ میں ھموار ھو کوئی

معشوقوں کي گرمی بھي' اے "میر" قیامت ھے
چھاتی میں گلے لگ کر تک آگ لگاویں گے

لہو ' میری آنکھوں میں آتا نہیں
جگر کے مگر زخم سب بھر گئے

ھمیں ھے عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں
وگرنہ سب کے تئیں جان اپني پیاري ھے

یوں تو ایک قطرہ خون ھے لیکن قہر ھے دل' جو اضطراب کرے
"میر" اٹھ بت کدے سے کعبے گیا کیا کرے جو خدا خراب کرے

عشق کیا ہے جب سے ہم نے، دل کو کوئی ملتا ہے
اشک کی سوخی، زردیء چہرہ، کیا کیا رنگ بدلتا ہے

ہماری جان لبوں پر ہے، سوے خوش گئی
کہ اس کے آنے کی سن گن، کچھ اب بھی یاں پاوے

اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوے اس کے
رکھتے ہی قدم مجھ میں پھر جان گئی، آئی

کیا ہوتا جو پاس اپنے اے "میر" کبھو وے آجاتے
عاشق تھے، درویش تھے آخر، بے کس بھی تھے، تنہا تھے

راہ جاناں سے ہے گزر مشکل جان ہی سے کوئی مگر گزرے

درد دل طول سے کہے عاشق روبہ رو، اس کے جو کہا بھی جائے

اس دشت سے غبار ہمارا نہ تک اٹھے
ہم خانماں خراب نہ جانا کدھر رہے

رہنا گلی میں جیتے جی، اس کی نہ ہوسکا
ناچار ہوکے واں جو گئے اب، سو مر رہے

بدنامی کیا عشق کی کہئے ' رسوائی سی رسوئی ہے
صحرا صحرا وحشت بھی تھی' دنیا دنیا تہمت تھی

کہنا جو کچھ جس سے ہوگا' سامنے "میر" کہا ہوگا
بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی' منہ پر میرے آئی ہوئی

حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں مرگ فرہاد ' کیا کیا تو نے

میلان نہ آئینے کا اس کو' نہ ہے گھر کا
کیا جانئے اب روے دل یار کدھر ہے
اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان
روشن ہے ترے چہرے سے تو گرم سفر ہے
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت
دنداں بہ جگر ' دست بہ دل ' داغ بہ سر ہے

گیا ہی دامن‌گیر تھی ' یا رب! خاک بسمل گاہ وفا
اس ظالم کے تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آے

جوں ابر ' بے کسانہ روتے اٹھے ہیں گھر سے
برسے ہے عشق اپنے دیوار اور در سے
شاید کہ وصل اس کا ہووے تو جی بھی ٹھہرے
ہوتی نہیں ہے اب تو تسکین دل' خبر سے

گلشن سے لے قفس تک، آواز ایک سی ہے

کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے

یہ عاشقی ہے ایسی، جیؤ گے یار کب تک

ترک وفا کرو ہو مرنے کے "میر" ڈر سے

برسوں ہم درویش رہے، پردے میں دنیا داری کے

قامرس اس کے، کیوں کہ رہے، یہ پردا جن نے اٹھایا ہے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہہ گئے

اس قافلے میں ہم بھی تھے، افسوس رہ گئے

کیسی سعی و کوشش سے، ہم کعبہ گئے بت خانے سے

اُس گھر میں کوئی بھی نہ تھا، شرمندہ ہوئے ہم جانے سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں رہی ہے

تم ہو خدائے باطل، ہم بندے ہیں تمہارے

ٹھہرے ہیں ہم تو مجرم ٹک پیار کرکے تم کو

تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے

چپکا چلا گیا میں آزردہ ہو چمن سے

کس کو دماغ اتنا بلبل کو جو پکارے

کیا رات دن کٹے ہیں ہجراں کے، بےخودی میں
سدھ اپنی "میر" اس بن، دو دو پہر نہ آئی

اِتفاق ان کا مار ڈالے ہے   ناز و اندز کو جدا کرئیے

دل میں گرہ لگی رہی پرواز باغ کی
موسم گلوں کا جب تئیں تھا، ہم اسیر تھے

مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر
جاں کا بھی دینا محبت کی گنہگاری ہے

وائے وہ طائر بےبال ہوس ناک جسے
شوقِ گل‌گشت گلستاں میں گرفتاری ہے
آنکھ، مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اس کی
یہ بھی اس سادۂ پرکار کی ہشیاری ہے
واں سے جز ناز و تبختر نہیں کچھ یاں سے "میر"
عجز ہے دوستی ہے، عشق ہے، غم خواری ہے

بندے کا دل بجا ہے، جانا سوں شاد ہر جا
جب سے سنا ہے میں نے، کیا غم ہے جو خدا ہے

مقصود کو دیکھیں پہونچے کب تک
گردش میں تو آسماں بہت ھے
اکثر پوچھے ھے جیتے ھیں "میر"
اب تو کچھ مہرباں بہت ھے

آشوب ھجر ھستی ' کیا جانئے ھے کب سے
موج و حباب اُتھ کر لگ جاتے ھیں کنارے
کوئی تو تھا طرف پر آواز دي نہ ھم کو
ھم بےقرار ھو کر چاروں طرف پکارے

عشق ھمارا درپے جاں ھے کیسی خصومت کرتا ھے
چین نہیں دیتا ھے ظالم ' جب تک عاشق مرتا ھے
شاید لمبے بال اس مہہ کے بکھر گئے تھے باد چلے
دل تو پریشاں تھا ھي میرا' رات سے جی بھی بکھرتا ھے

نالہ جب گرم کار ھوتا ھے   دل ' کلیجے' کے پار ھوتا ھے
جبر ھے' قہر ھے ' قیامت ھے   دل جو بے اختیار ھوتا ھے

"میر" اتني سماجت جو بندوں سے تو کرتا ھے
دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

یاد زلف یار ' جی مارے ہے " میر "
سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے

موسم گل میں توبہ کی ' واعظ کے میں کہنے سے
اب جو رنگ بہار کے دیکھے ' شرمندہ ہیں ندامت ہے

نہ تو جذب رسا ' نہ بخت رسا کیوں کر کہئے کہ واں رسائی ہے
میں نہ آتا تھا باغ میں اس بن مجھ کو بلبل پکار لائی ہے
عشق دریا ہے ایک لنگر دار تھہ کسو نے نہ اس کی پائی ہے
بے ستوں کوہکن نے کیا توڑا عشق کی زور آزمائی ہے

تیرے بندے ہم ہیں ' خدا جانتا ہے
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اس کی
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی ' تبھی تو
جو کچھ دل کا ہے مدعا ' جانتا ہے

بدی میں بھی کچھ خوبی ہو وے گی تب تو
برا کرنے کو وہ بھلا جانتا ہے

نہیں اتحاد تن و جان سے واقف
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

اس گلی سے جو اٹھ گئے بے صبر   "میر" گویا کہ وے جہاں سے گئے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے
کیا محبت نے دشمنی کی ہے

قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا
عشق نے "میر" رہزنی کی ہے

وصف اس کا باغ میں کرنا نہ تھا
گل ہمارا اب گریباں گیر ہے

دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی
جان امید وار سے شرمندگی ہوئی

بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ
اب توقع نہیں رہائی کی
جور اس سنگ‌دل کے سب نہ کھنچے
عمر نے سخت بے وفائی کی
نسبت اس آستاں سے کچھ نہ ہوئی
برسوں تک ہم نے جبھہ سائی کی

"میر" کي بندگي میں جاں بازي
سیر سي هو گئی خدائی کي

هم آپ سے جو گئے هیں گئے هیں مدت سے
الٰهی اپنا همیں کب تک اِنتظار رهے
نہ کرئے گریۂ بے اِختیار هر گز "میر"
جو عشق کرنے میں دل پر کچھ اِختیار رهے

جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے فریب دل کو
اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں هے

وہ اب ہوا هے اتنا کہ جور و جفا کرے
افسوس هے جو عمر نہ میری وفا کرے
مستی شراب کی سی هے یہ آمد شباب
ایسا نہ هو کہ تم کو جوانی نشا کرے

پھرتے هیں "میر" خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

گل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے
گل گشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے
میں بے دماغ کرکے تغافل چلا گیا
وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے

صحبت عجب طرح کی پڑي اتفاق هائے
کهو بیٹهئے جو آپ کو تو اس کو پائیے

دل میں مسودے تھے بہت' پر حضور یار
نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے

پهرا کرتے هیں خوار گلیوں میں هم
کہاں تک یہ بے اعتباری رهے

یارب رکھیں گے پنبہ و مرهم کہاں کہاں
سوز دروں سے هاے بدن داغ داغ هے

گهر کو اس کے خراب هي دیکها جس کے یہ چشم و دل مشیر هوئے

آؤ کبهو تو پاس همارے بهي ناز سے
کرنا سلوک خوب هے اهل نیاز سے
کرتا هے چهید چهید همارا جگر تمام
وہ دیکهنا ترا مژهٔ نیم باز سے

اب کی دل ' ان سے بچ گیا تو گیا چور جاتے رهے کہ اندهیاري
کیوں نہ ابر بہار پر هو رنگ برسوں دیکهی هے میري خوں‌باري

دوستی نے تو ہماری جاں‌گدازی خوب کی
آہ اس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی

اس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات رہے
بات رہ جائے نہ یہ دن رہیں، نے رات رہے

سہرے کہاں تک پڑیں، آنسوؤں کے چہرے پر
گو یہ گلے کا ہار دیکھیے کب تک رہے
اس سے تو عہدو قرار کچھہ بھی نہیں درمیاں
دل ہے مرا بے قرار دیکھیے کب تک رہے
آنکھیں تو پتھرا گئیں تکتے ہوئے اس کی راہ
شام و سحر انتظار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں
" میر " یہ لیل و نہار دیکھیے کب تک رہے

بہت نا مہرباں رہتا ہے یعنی
ہمارے حال پر کچھہ مہرباں ہے
ہمیں جس جا پہ کل غش آگیا تھا
وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے
بدن میں اپنے جب تک نیم جاں ہے

غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا
دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے

پڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف
دھڑکے ہے جي قفس میں غم آشیان سے
آنکھوں میں آکے دل سے نہ ٹھہرا تو ایک دم
جاتا ہے کوئي دید کے ایسے مکان سے

فردیات

کیا کہیئے عشق' حسن کي آپ ہی طرف ہوا
دل نام قطرہ خون یہ' ناحق تلف ہوا

مغ گل گوں کے بو سے بس کہ مے خانہ مہکتا تھا
لب ساغر پہ منھ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بہکتا تھا

جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اُٹھا
شعلۂ آہ' دل گرم محبت سے اُٹھا

گرچہ امید اسیري پہ یہ ناشاد آیا
دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا

یک پارہ جیب کا بھي ' بجا میں نہیں سیا
وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

خاک سے ''میر'' کیوں نہ یک ساں ہو
مجھ پہ تو آسمان ٹوٹتا ہے

وصل کي جب سے گئی ہے چھوڑ دل‌داری مجھے
ہجر کی کرني پڑی ہے نازبرداری مجھے
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے ''میر''
خوش نہیں آتي نصیحت گر کی غم خواری

حیران اُس بھبھو کے سے سب دوش ہوگئے
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہوگئے

نسبت مہ ہے دور اِس گل سے
وہ شگفتہ ہے ' یہ گرفتہ ہے

اُن نے دیکھا جو اتھہ کے سوتے سے اڑگئے آیئنے کے توتے سے

دیکھتا ہوں تو کام میرا '' میر '' اول عشق ہی میں آخر ہے

بس نہ لگ چل نسیم مجھ سے کہ میں
وہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر

چلی جاتي ہے جاں ہی بس ' بھلا تدبیر کیا کرئیے
مداوے سے مرض گذرا ' کہو اب '' میر '' کیا کرئیے

عاشق کي مناجات

مرا زخم یارب نمایاں رہے
پس از مرگ صد سال خنداں رہے
رہے دشمنی جیب سے چاک کو
صبا دوست رکھے مری خاک کو
مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھہ پر نوازش کرے
جگر سے طپیدن موافق رہے
مرا درد دل مجھہ پہ عاشق رہے
جو نالہ ہو شب گیر کا روشناس
وہ آٹھوں پہر ہی رہے میرے پاس
مژہ گرم افسوس و نم ناک ہو
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو
کریں نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کي پھوٹ جاوے سپر
خموشي سے مجھہ کو رہے گفتگو
اُڑے پر لگا کر مرا رنگِ رو
نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گلِ باغِ دل
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے
مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے

اگر ضعف تک کسب طاقت کرے
مري نـاتـوانـی قـیامـت کرے
مری بےکسي نـاز بـردار هـو
مروں میں تو مرنے کو تیار هوں
بیاباں میں آشفتہ حالي کروں
کہیں تو دل پر کو خالی کروں
کـریں دونو عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشـک ندامت مجھے
مرا هاتھہ هو چاک کا دستیار
کہ تاجیب و دامن هو قرب و جوار
چلوں میرے سر پر سلامت رهے
بیاباں میں مجھہ سے قیامت رهے
بھٹکنے سے مجھہ کو نہ هـو وارهي
بھلاوے خضـر کـو مری گـمرهی
جو هو گـرم رہ پاے پر آبلہ
تـو هھوجاے سـرد آتش قافلہ

محبت

محبت نے ظلمت سے کاڑھا هے نور
نہ هـوتی محبت نـہ هـوتا ظهور
محبت مسـبب محبت سـبب
محبت سے آتے هـیں کار عـجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی
محبت سے خالی نہ پایا کوئی

محبت ھی اِس کار خانے میں ھے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ھے
محبت سے سب کو ھوا ھے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ھیں داغ
محبت اگر کار پرداز ھو
دلوں کے تئیں سوز سے ساز ھو
محبت ہے آب رخ کار دل
محبت ھے گرمئی بازار دل
محبت عجب خوب خوں ریز ھے
محبت بلائے دل آویز ھے
محبت کی آتش سے اخگر ھے دل
محبت نہ ھووے تو پتھر ھے دل
محبت لگاتی ھے پانی میں آگ
محبت سے ھے تیغ وگردن میں لاگ
محبت سے ھے اِنتظام جہاں
محبت سے گردش میں ھے آسماں
محبت سے پروانہ آتش بہ جاں
محبت سے بلبل ھے گرم فغاں
اِسی آگ سے شمع کو ھے گداز
اِسی کے لئے گُل ھے سرگرم ناز
محبت سے لے تحت سے تابہ فوق
زمین آسماں سب ھیں لبریز شوق
اس آتش سے گرمی ھے خورشید میں
یہی ذرے کی جانِ نومید میں

اِسي سے دل ماہ ہے داغدار
کتاں کا جگر ہے سراسر فگار
اِسی سے قیامت ہے، ہر چار اور
اِسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور

عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال
ہر جگہہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا
کہیں سر میں جنون ہوکے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا
کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اُس کو داغ کا پایا
گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہوا جگر کے بیچ
یاں تبسم ہے زخم تو کے بیچ
کہیں آنسوں کی یہ سرایت ہے
کہیں یہ خون چکاں شکایت ہے
تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ
ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کي نم ناکي
ہے کسو خاطروں کی غم ناکي

کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا
کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں عشاق کی نیاز ہوا
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بے تابی
تھا کسو مضطرب کی بے خوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا
کسو محمل کے آگے گرد ہوا
طرر پر جاکے شعلہ پیشہ رہا
بے ستوں میں شرارتیشہ رہا
کہیں لے بست کو لگائی آگ
کہیں تیغ و جگو میں رکھی لاگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا
کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا فتارہ ہوا
کوئی دل ہوکے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں درد مندی کی
ایک محفل میں جاسپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہے ہوکر دود
ایک لب پر سخن ہے خوں آلود
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا
اک سمے میں جگر کی کاهش تھا

کہیں بیٹھے ہے جی میں ہوکر چاہ
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ
خار خار دل غریباں ہے
انتظار بلا نصیباں ہے
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
آرزو تھا اُمیدواروں کی
دردمندی جگر فگاروں کی
نمک زخم سینہ ریشاں ہے
نگہ ناز مہر کیشاں ہے
حسرت آلودہ آہ تھا یہ کہیں
شوق کی اک نگاہ تھا یہ کہیں

عاشق اور معشوق

(عاشق)

ضبط کروں میں کب تک آہ اب
چل اے خامے بسم اللہ اب

کر تک دل کا راز نہانی
ثبت جریدہ میری زبانی

یعنی ”میر“ ایک خستہ غم تھا
سرتاپا اندوہ و الم تھا

آنکھ لڑی اُس کی اک جاگہہ
بے خود ہوگئی جان آگہ

صبر نے چاہی دل سے رخصت
تاب نے ڈھونڈی اِک دم فرصت

تاب و توان و شکیب و تحمل
رخصت اُس سے ہوگئے بالکل

سینہ فگاری سامنے آئی
بے تابی نے طاقت پائی

خون جگر ہو بہنے لاگا
پلکوں ہی پر رہنے لاگا

خواب و خورش کا نام نہ آیا | ایک گھڑي آرام نہ آیا
چاک جگر سے محبت تپکی | آنسو کی جاگہ حسرت تپکی
سوز سے چہاتی تابہ گویا | اور پلک خوننابہ گویا
آہ سے اس کي مشکل جینا | درد فقط تھا سارا سینا
دل میں تمنا داغ جگر میں | شیون لب پر یاس نظر میں
رو و جبیں پہ خراش ناخن | داغوں سے خوں کے قامت گلبن
زخم سینہ دل تک پہنچا | کوئی نہ اُس گھائل تک پہنچا
سونہ دیا یک دم وہ بے کل | بخت نہ جاگے اُس کے اک پل
کام رہا نا کامی هي سے | تسکیں بے آرامي هی سے
نے طاقت نے یار اُس کو | ضعف دلي نے مارا اُس کو
نالۂ دل میں حزینی اُس کے | خاطر میں غمگینی اُس کے
رنگ اُڑے چہرے کا هردم | تھا گویا گل آخر موسم
دیدۂ تر کے دریا قائل | ساحل خشک لبي کے سائل
خاک بسر آ شفتہ سري سے | شور قیامت نوحہ گري سے
سرتا پا آ شفتہ دماغی | داغ جنوں دے جس کو چراغی
وادي پر جب اپنی اوے | صحرا صحرا خاک اُڑاوے
کلفت دل جب خاک فشاں ہو | اشک کی جاگہ ریگ رواں هو
سر پر اس کے سنگ همیشہ | جي پر عرصہ تنگ همیشہ
گرد کي تہ اس کا پیراهن | دامن صحرا جس کا دامن
بار دامن تار گریبان | دامن قرب و جوار گریباں
پا مالي میں مثل جادہ | نقش قدم سا خاک افتادہ
جن نے دیکھا اس کو اک دم | اُس نے کہا یہ بھولے کے سب غم
چندے یہ ناشاد رهے گا | پھر مدت تک یاد رهے گا

لوهو ٹپکے آه سحر سے — نالہ گتھواں لخت جگر سے
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ — هر اک کا منہ دیکھ رهے وہ
نے کعبہ نے دیر کے قابل — مذهب اُس کا سیر کے قابل
کیا کہیے اب کیسا کچھ تھا — القصہ وہ ایسا کچھ تھا

(معشوق)

وہ کیسا تھا جس پر عاشق — جي سے تھا یہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاگھہ اُس کی — نکہت گل گرد رہ اُس کي
چشم برہ سارا چمن اُس کا — نقش قدم تھا یا سمن اُس کا
گل آشفتہ اُس کے رو کا — سنبل اک زنجیري موکا
دیکھ اُس رخ کی نور افشائي — شمع مجلس پاني پانی
دور چشم هے اس کا جب سے — فتنا اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے ' جاں بخش عالم — بلکہ سراپا جان مجسم
کوئي مرے انداز حیا پر — چشم اُس کي تھی پشت پا پر
دونوں لب اُس کے لعل بدخشاں — دست حنائي پنجۂ مرجاں
جس دم برقع منہ سے اُتھا تا — خورشید اُس دم ڈوبا جانا
پار دلوں میں خدنگ مژہ کا — کاوش کم کم ننگ مژہ کا
بھوں کی کشش سے' دوانہ عالم — تیر نگہ کا ' نشانہ عالم
تیغ و تبر تھي ابرو اُس کی — آتش سرکش تھي خو اُس کی
سائے سے اُس کے سرو بنایا — خاک رہ سے تدرو بنایا
چشم کرشمہ جان تغافل — شایاں اُس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا — پتھر دل اُس آئینہ رو کا
پاتے هي ابرو کا اشارہ — غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے هے — جي کو جور نیاز کرے هے

رخصت دے گر عشوہ گری کو
ایک ھي جلوہ بس ھے پری کو

ھسنے میں وہ صفائی دنداں
برق خرمن عالم امکاں

اشک سحر کو صفائے تن پر
خون صراحي اُس گردن پر

شکل چیں میں، یہ ناز کہاں ھے
صورت ھے انداز کہاں ھے

جب وہ شکل نظر آتی تھي
کلفت دل کي نکل جاتی تھي

بار نزاکت کیونکہ اٹھاوے
شاخ گل سا لچکا جاوے

مہ فلک قربانی اُس کا
یوسف اِک زندانی اُس کا

اور جو خوباں پاویں اُس کو
یک دیگر دکھلاویں اُس کو

کیا کوئي شوخی اُس کي بتاوے
کچھ تھہرے تو کہنے میں آوے

کیا ھے اُس کے آب و گل میں
آرزو اس کي سب کے دل میں

سب کو میل اُس بت کي ادا کا
بندہ کون رھا ھے خدا کا

دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے
پوچھے نہ بیمار کو اپنے

عاشق ظلم و جور و جفا کا
دشمن جانی اھل وفا کا

کوچہ: رشک فضاے کعبہ
واں پہنچے نہ دعائے کعبہ

قاتل حسن

مژہ، بخت عاشق کی بر گشتگي
نگہہ، ایک عالم کي سر گشتگي
قد و قامت اُس کا کروں کیا بیاں
قیامت کا ٹکڑا ھوا تھا عیاں
شکن اُس کی کاکل کا دام بلا
ھر اک حلقۂ زلف، کام بلا

اگر ابرو اُس کي جھمک جاتی تھی
مہ نو کي گردن ڈھلک جاتي تھی
ھلیں اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز
کرے اُس طرف ایک عالم نماز
کماں اُس کے ابرو کي عاشق کمیں
خدنگ اس کی مژگاں کے سب دل نشیں
نہ آنکھوں کی مستي کي اُس کو خبر
خرابي نہ عاشق کي مد نظر
شہید اُس کي چشمک کے دل خستگاں
نشانے نگاھوں کے دل بستگاں
پری منفعل رنگ رخسار سے
خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اُس کے ھي دیدار کا
مسیحا شہید اُس کے بیمار کا
ترحم کو پاؤں تلے وہ ملے
ستم اُس کے کوچے سے بچ کر چلے
جو آمد ھو اُس کي نصیب چمن
کرے ترک گل عندلیب چمن
گلي اُس کی فردوس کا تھی شرف
بہشت، اک گنہگار سي اک طرف
زمیں اُس کي یک دست گلزار تھي
نسیم چمن واں گرفتار تھي

گلی اُس کي وہ قتل گاہ عجیب
شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
صبا گر اُڑا وے تنگ واں کي خاک
تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

بوسیدہ مکان

کیا لکھوں "میر" اپنے گھر کا حال
اِس خرابی میں میں ہوا پا مال
گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ھے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے
کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ
چار دیواري سو جگھہ سے خم
تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم
لوني لگ لگ کے جھڑتی ھے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
کیا تھمے منھہ، سقف چھلني تمام
چھت سے آنکھیں لگی رھے ھیں مدام
اس چکھ کا علاج کیا کر لے
راکھہ سے کب تلک گڑھے بھریئے
جا نہیں بیٹھنے کو گھر کے بیچ
ھے چکھ سے تمام ایواں کیچ
ایک حجرہ جو گھر میں ھے واثق
سو شکستہ‌تر ازدل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھو جھو کے ڈھیر سی ہے خاک
کہیں گھوسوں نے کھون ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں لکڑي کے لٹکے هیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کونے ٹوٹے هیں' طاق پھوٹے هیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے هیں
اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جي اِسی حجرے هی میں پھرتا ہے
آگے اِس حجرے کے ہے اک ایواں
وهی اِس تنگ خلق کا ہے مکاں
کڑی تختے سبھي دھوئیں سے سیاہ
اُس کی چھت کي طرف همیشہ نگاہ
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا همیشہ مد نظر
گھر کہاں - صاف موت کا ہے گھر
مٹی تودہ جو ڈالے چھت پر هم
تھے جو شہتیر' جوں کماں هیں خم
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر
گرتی جاتی ہے هولے هولے منڈیر

کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار
تھر تھرا وے بھنبیری سی دیوار
ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب
اُڑ بھنبیری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے
جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
ایک چھپر ہے شہر دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دئے تھے سرکنڈے
سو وہ مینھوں میں سب ہوے تھلڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب
پا کھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھہ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر
پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
واں یہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں
پیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
یاں تر جھانکے ہزار میں تنہا
کچھہ نہیں آج مجھہ سے ہو سکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی
کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ هولی کھیلا ہوں
کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں

پوچھہ مت زندگانی کیسی ہے
ایسے چھپر کي ایسی تیسی ہے

کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی
چار پائي ہمیشہ سر پہ رہي

بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو
کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹي رہے ہیں جن کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھي
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھي

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھہ سے کھانے ہي کو دوڑا ہے

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ہاتھہ تکیے پہ ' گھہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر

سلسلایا جو پائینتی کي اور
وہیں مسلا ' کرایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں ہي میں سب پھاٹي
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

اک ہتیلي میں ایک کھائی میں
سیکڑوں ایک چار پائي میں

هاتھ کو چین ہو تو کچھ کھیے
کب تلک یوں تٹولتے رھیے
دو طرف سے ھے کتوں کا رستا
کاش جنگل میں جا کے میں بستا
ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں
چار آتے ہیں چار جاتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں
کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

واسوخت

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی
سرمہ و آئینے کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی
زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
تا بلد شانے سے تھا کوچہ گیسو تیرا
آئینہ کا ھے کو تھا حیرتئی رو تیرا
آ گئی حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی
اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بےڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی
ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کا ھے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیوار تلے روتے تھے

شانہ اب هاتھ میں هے زلف بنا کرتي هے
مسی دانتوں میں کئي بار لگا کرتي هے
پاس سرمے کی سلائي بھی رها کرتی هے
آنکھ رعنائی پہ اپني هی پڑا کرتی هے

جان آنکھوں میں کسي کی هونظر تم کو نہیں
غش کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں

پیشتر هم سے کوئي تیرا طلبگار نہ تھا
ایک بھي نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جنس اچھي تھی تری' نیک خریدار نہ تھا
هم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا

کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موندکے وے جی نہ جلا سکتے تھے

یا تو هم هي تھی پر اب هم سے نہیں کچھ یاري
مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رهے اب هم کو بھی هے بیزاري
یعني اس شہر سے اُٹھ جانے کي هے تیاری

رتبۂ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا

کوئی نا دیدہ مصحب سادہ نکالیں گے هم
سادہ یا مرتکب بادہ نکالیں گے هم
بوس و آغوش کا آمادہ نکالیں گے هم
بند خود رائي سے آزاد لگا لیں گے هم

اُس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اُس سے داد دل نا کام سب اپني لیں گے

چهرے کو اُس کے کر آراستہ دلخواہ کریں
آرسي اُس کو دکھا حسن سے آہ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں
تو سهي ضد سے تري ایسا هی شتاہ کریں
کہ تجھے سدھ نہ رہے خوبي و رعنائي کي
دھجیاں لے ترے اِس جامۂ زیبائی کي

دست افشاں هو تو عزت بھي تري هاتھ سے جاے
چشم مکحول کو دکھلاے تو' تو آنکھ چھپاے
مار ٹھوکر چلے دامن کو تو' تو سر نہ هلائے
جس طرف اس کا گزر هووے تو اودھر کو نہ جاے
چھیڑے گالي دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے

زندگانی هو تجھے هاتھ سے اُس کے دشوار
کوئي دن تو بھي پھرے جان سے اپنی بیزار
پهونچیں هر آن میں اُس سے تجھے سو سو آزار
طنز و تعریض و کناے کي رهے اک بوچھار
جا کے تک سامنے اُس کے تو بہت تر آوے
عرق شرم میں ڈوبا هوا سب گھر آوے

دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے هیں
غصے سے خون جگر اپنا پیئے جاتے هیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دے جاتے هیں
اب کے یوں جاتے نہیں عہد کیے جاتے هیں
آوے گا تو بھي منانے کو نہ آویں گے هم
جان سے جاویں گے پیماں سے نہ جاویں گے هم

رباعیاں

دامن غربت کا اب لیا ھے میں نے
دل مرگ سے آشنا کیا ھے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی ' نزدیک
پر خاک سے اس کو بھر دیا ھے میں نے

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوؤ گے
پر سوچ کے غفلت کے تئیں روؤ گے
کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ھے
جاگو تک "میر"! پھر بہت سوؤگے

اندوہ کھپے عشق کے ' سارے دل میں
اب درد ' لگا رھنے ھمارے دل میں
کچھ حال نہیں رھا ھے دل میں اپنے
کیا جانئے وہ کیا ھے تمہارے دل میں

راضی تک آپ کو رضا پر رکھئے
مائل دل کو تنک قضا پر رکھئے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے "میر"
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھئے

ھم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں
وہ طرز ادا کلام اس ادا کی باتیں

دیکھیں قرآں میں فال غیروں کے لئے
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

دل، غم سے ہوا گداز سارا اللہ
غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہے نسبتِ خاص تجھ سے ہراک کے تئیں
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

سودا

محمد رفیع نام ' اُن کے آبا و اجداد کابل کے مرزاؤں میں تھے ' سپہ‌گری پیشہ تھا اُن کے والد مرزا محمد شفیع تجارت کے سلسلے سے هندوستان آئے ' اور یہیں قیام کر لیا -

مرزا رفیع ' سودا ' سنہ ۱۱۲۵ ھ میں بہ‌مقام دهلي پیدا ھوے اور وهیں پرورش اور تعلیم پائی ' طبیعت کا رجحان ابتدا سے شاعري کی طرف تھا ' کچھ دن سلیمان قلي ' وداد ' سے اصلاح لی پھر شاہ حاتم کے حلقہ بگوش ھو گئے -

' سودا ' کي طبیعت میں خداداد جوھر پہلے سے موجود تھا ' کثرت مشق اس پر مستزاد ' تھوڑے ھي دنوں میں اُن کي شاعري کي شہرت ھو گئي اور اُستاد کی زندگی ھی میں اُن کي اُستادی کا ڈنکا بجنے لگا -

رفتہ رفتہ ' سودا ' کي شہرت ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار تک پہونچی ' تقدیر کي یاوري بھی ساتھ تھی بادشاہ نے مشورۂ سخن کے لئے اُن کو منتخب کیا - ایک مدت تک دهلي میں فراغت سے بسر کرتے رھے - جب شاہ عالم کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا تو مرزا سودا ' بھی دهلی کو خیر باد کہہ کر فرخ‌آباد پہنچے - وهاں کے نواب احمد خاں غالب جنگ کے دیوان مہربان خاں ' شاعر اور مردم شناس تھے - اُنھوں نے مرزا کو هاتھوں هاتھ لیا -

سنہ ۱۱۸۵ ھ میں نواب احمد خاں کی وفات پر مرزا فیض‌آباد چلے گئے - وھاں نواب شجاع‌الدولہ نے معقول تنخواہ مقرر کر دی اور قدر منزلت کے ساتھہ رکھا -

شجاع‌الدولہ کے اِنتقال کے بعد مرزا سودا ' نواب آصف‌الدولہ کے ساتھہ لکھنؤ پہنچے اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے -

آبائی سپہگری ' خاندانی میرزائیت ' ذاتی کمال اور شاھی قدر دانی اِن سب چیزوں نے مل کر مرزا کو بد دماغ بنا دیا تھا ' اس لئے ذرا ذرا سی بات پر ناخوش ھو جاتے تھے اور جس سے ناخوش ھوتے اُس کی ھجو کہہ کر دھجیاں اُڑا دیتے تھے -

مرزا جب قصیدہ پیش کرتے ھیں تو شکوہ الفاظ کے ڈنکے بجا دیتے ھیں - غزل سناتے ھیں تو دلوں میں چٹکیاں لیتے ھیں - مرثیہ پڑھتے ھیں تو سامعین کو خون کے آنسو رلاتے ھیں - ھجو کرتے ھیں تو حریفوں پر ھستی تنگ کر دیتے ھیں - اُردو شاعری اس جامعیت کا کوئی دوسرا شاعر پیش نہیں کر سکتی - بہر حال مرزا سودا ' اُن مسلم‌الثبوت اساتذہ میں ھیں جن پر فن شاعری کو ھمیشہ ناز رھے گا -

مرزا کی ھمہ گیری نے کسی صنف سخن کو نہیں چھوڑا ' قصیدے - غزلیں - مثنویاں - رباعیاں - قطعے - مستزاد - تاریخیں - پہیلیاں - ترجیع بند - مخمس ' مرثیے ' ھجویں ' سب کچھ کہیں اور خوب کہیں -

مرزا سودا ' نے تنبیہ‌الغافلین کے نام سے فارسی میں ایک رسالہ لکھا ھے اُس میں اُن اِعتراضات کا جواب دیا ھے جو مرزا فاخر

' مکین ' نے فارسی شعرا پر کئے تھے ' یہ رسالہ اور مرزا کا فارسی کلام اُن کی ادبی تحقیق - صحت ذوق اور فارسی زبان پر غیر معمولی عبور کی نا قابل اِنکار دلیلیں ھیں -

مرزا سودا ' کے تمام معاصر اور تمام تذکرہ نویس اُن کے اِعتراف کمال میں ' یک زبان ھیں - ' میر ' اُن کو " سر آمد شعرائے ھند " کہتے ھیں - حکیم قدرت اللہ خاں اُن کو " دریاے بیکراں " قرار دیتے ھیں -

طبقات الشعر کے مصنف کا قول ھے " در فنون انواع سنجی طاق و بہ جمیع کمالات سخن وری شہرہ آفاق " -

میر حسن کہتے ھیں " تاحال مثل او درھندوستان کسے برنخاستہ " نواب مصطفی خاں " شیفتہ " کہتے ھیں " قصیدہ اش بہ از غزل و غزلش بہ از قصیدہ " شیخ علی " حزیں " کی خود داری اور خود پرستی کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی مگر ان کو بھی " سودا " کے کمال کا اقرار کرنا ھی پڑا -

" سودا " کی غزل میں " میر کا درد اور " درد " کا تصوف تو نہیں ھے مگر خیالات کی بلندی - بیان کی قدرت - کلام کا زور - جذبات کا جوش کسی سے کم نہیں - ان کے اشعار تمام جذبات کو متحرک کرتے ھیں -

سودا کو چھوڑ کر اُردو شاعری کی ابتدا سے لے کر آج تک کوئی شاعر ایسا نہیں گزرا جس کے قصیدے اساتذۂ ایران کے قصائد کی شان رکھتے اس صنف سخن میں " سودا " کا پایہ سب سے بلند ھے -

" میر " ایک غمگین ' غیور ' خود دار ' پریشان حال نازک مزاج شخص تھے اُن کا دل درد اور گداز سے پھوڑا نظر آتا ھے وہ جو کچھ کہتے ھیں

اس طرح کہتے ہیں کہ سننے والا آبدیدہ ہو جاتا ہے بہ خلاف " میر "
کے " سودا " ایک فارغ‌البال ' عیش میں زندگی بسر کئے ہوئے -
خوش طبع' ظریف ' خودبیں اور رود رنج آدمی تھے - جس طرح ''میر''
کی طبیعت غزل گوئی کے لئے مناسب تھی اسی طرح " سودا " فطرتاً
قصیدے اور ہجو کے لے موزوں تھے -

" سودا ' نے ستر سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹۵ ھ میں وفات پائی
اور لکھنؤ میں آغابا قر کے امام باڑے میں دفن ہوے شیخ مصحفی نے
تاریخ کہی : —

سودا کجا و آں سخن دل‌فریب او

اِنتخاب

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا

جوں شمع سراپا ہو اگر حرف زباں کا

پردے کو یقیں کے جو در دل سے اٹھاوے

کھلتا ہے ابھي پل میں طلسمات ' جہاں کا

اس گلشن هستي میں عجب دید ہے ' لیکن

جب چشم کھلي گل کی تو موسم ہے خزاں کا

دکھلائیے لے جا کے تجھے مصر کا بازار

لیکن نہیں خواہاں کوئی واں جنس گراں کا

ہر سنگ میں شرار ہے تیرے ظہور کا

موسیٰ نہیں کہ سیر کروں کوہ طور کا

توڑوں گا آئینہ کہ ہم آغوش عکس ہے

ہووے نہ مجھ کو پاس جو تیرے حضور کا

بے کس کوئي مرے تو جلے اس پہ دل مرا

گویا ہے یہ چراغ غریباں کی گور کا

ہم تو قفس میں آن کے خاموش ہو رہے

اے ہم‌صفیر ! فائدہ ناحق کے شور کا

کعبہ جاوے ' پوچھتا کب ہے چلن آگاہ کا
اتھہ گیا جیدھر قدم' رتبہ ہے بیت‌اللہ کا

عشق کی بھی منزلت ' کچھہ کم خدائی سی نہیں
ایک، سا احوال یاں بھی ہے گداؤ شاہ کا

دین و دل و قرار و صبر ' عشق میں تیرے کھو چکے
جیتے جو اب کے ہم بچے نام نہ لیں گے چاہ کا

نہ پہونچا میرے اشک گرم سے آسیب مژگاں کو
بہا خا شاک کے سایہ تلے سیلاب آتش کا

کمال کفر ہے اے شیخ ایسا کچھہ کہ اُس بت نے
پرستش سے مری پیدا کیا جلوہ خدائی کا
عجب قسمت ہماری ہے کہ جس کی شمع الفت سے
چراغ دل کیا روشن سو ہے داغ آشنائی کا

گلا کہوں میں اگر تیری بے وفائی کا
لہو میں غرق سفینہ ہو آشنائی کا
زبان ہے شکر میں قاصر شکستہ پائی کے
کہ جن نے دل سے متایا خلش رہائی کا

دکھاؤں گا تجھے زاهد اس آفت جاں کو
خلل دماغ میں تیرے هے پارسائي کا

تجھ سا دانا هزار حیف کہ تو یہ نہ سمجھا کہ وہ نہ سمجھے گا

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا
پہونچے کب اُس کو هاتھ همارے غبار کا
موج نسیم آج هے الودہ گرد سے
دل خاک هوگیا هے کسي بے قرار کا

عاشقو اس شیخ دین و کفر سے کیا کام هے
دل نہیں وابستہ اپنا ، سبحہ و زنار کا

ٹوٹے تیری نگہ سے اگر دل حباب کا
پاني بھي پھر پئیں تو مزا هے شراب کا
دوزخ مجھے قبول هے اے منکر و نکیر
لیکن نہیں دماغ سوال و جواب کا
تھا کس کے دل کو کشمکش عشق کا دماغ
یارب برا هو دیدۂ خانہ خراب کا
قطرہ گرا تھا جو کہ مرے اشک گرم سے
دریا میں هے هنوز پھپھولا حباب کا

آفتاب صبح محشر داغ پر دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو! مرہم کافور کا

تو ھي اے رات سن اب سوز تک اس چھاتي کا
پنبہ و داغ میں ہے ربط دیا باتی کا

مجھ صید ناتواں کے احوال کو نہ پوچھو
محروم ذبح سے ہوں، مردود ہوں قفس کا

قفس کے پاس نہ جاکرکے نام‌لو گل کا
ضرور کیا ہے کہ ناحق ہو خون بلبل کا
کبھو گذر نہ کیا خاک پر مری، ظالم!
میں ابتداھي سے کشتہ ہوں اس تغافل کا
خبر شتاب لے "سودا" کے حال کی پیارے
نہیں ہے وقت مری جان، یہ تامل کا

لطف، اے اشک کہ جوں شمع گھلا جاتا ہوں
رحم اے آہ شرر بار کہ جل جاؤں گا
چھیڑ مت باد بہاري کہ میں جوں نکہت گل
پھاڑ کر کپڑے ابھی گھر سے نکل جاؤں گا

ہو یہ دیوانہ مرید اس زلف چھٹ کس پیر کا
سلسلہ بہتر ہے "سودا" کے لئے زنجیر کا
توڑ کر بت خانہ کو مسجد بنا کے تونے شیخ
برھمن کے دل کي بھی کچھہ فکر ہے تعمیر کا

نہ دو ترجیح اے خوباں کسی کو مجھہ پہ غربت میں
زیادہ مجھہ سے کوئي بے کس و نا کام کیا ہوگا
رہا کرنے کو لیں ہم منت صیاد ہی ظالم
بس اتنا ہی نہ' مر رہئیے گا زیر دام' کیا ہوگا
ہو جس کي چشم گردش سے یہ بے ہوشی دو عالم کي
بھلا دیکھو تو پھر وہ ساقي گل فام کیا ہو گا
مجھے مت دیر سے تکلیف کر کعبہ کی اے زاھد
جو میرا کفر ایسا ہے تو پھر اسلام کیا ہو گا

نہ کھینچ اے شانہ ان زلفوں کو یاں "سودا" کا دل اٹکا
اسیر ناتواں ہے یہ' نہ دے زنجیر کا جھٹکا

اے دیدہ' خانماں تو ہمارا ڈبو سکا
لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
"سودا" قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس منہہ سے پھر تو آپ کو کہتا هے عشق باز

اے روسیاہ ! تجھ سے تو یہ بھي نہ هو سکا

دل مت تپک نظر سے کہ پایا نہ جاے گا

جوں اشک پھر زمیں سے اُتھایا نہ جاے گا

پهونچیں‌گے اس چمن میں نہ هم داد کو کبھي

جوں گل یہ چاک جیب سلایا نہ جائے گا

عمامہ کو اُتار کے پڑھیو نماز شیخ

سجدے سے ورنہ سر کو اُتھایا نہ جاے گا

داماں داغ‌تیغ ' جو دھویا تو کیا هوا

عالم کے دل سے داغ مٹایا نہ جائے گا

کریں شمار بہم دل کے یار داغوں کا

تو آ کہ سیر کریں آج اپنے باغوں کا

غنچہ کو دل کے یاں هے دم سرد سے شگفت

شرمندہ اس چمن میں نہیں میں نسیم کا

تہرا نہ گالیوں سے تري کوئی بوالهوس

اک میں هی رہ گیا هوں دعا گو قدیم کا

ساقی پہونچ کہ تجھ بن یوں جسم و جاں ہے میرا
لب ریز خوں پیمانہ اور ہاتھ مر تعش کا
کیا جانے کس طرح کا وہ سنگ دل ہے ورنہ
یہاں رشتۂ محبت ہے کوہ کی کشش کا

جوش طوفان دیدۂ غمناک سے کیا کیا ہوا
دیکھ لے دنیا میں مشت خاک سے کیا کیا ہوا
پر تجلی، شہرۂ آفاق جلوہ حسن کا
عشق بازوں کی نگاہ پاک سے کیا کیا ہوا
جوشش دریاے خوں، ہنگامۂ شور و فغاں
دیدۂ تر، سینۂ صد چاک سے کیا کیا ہوا
دور ساغر تھا ابھی یا ہے ابھی چشم پرآب
دیکھو "سودا" گردش افلاک سے کیا کیا ہوا

کہوں کیا ؟ انقلاب اس وقت میں یارو زمانے کا
نہ آنکھوں میں تھما اشک اور نہ سینے میں جگر ٹھہرا
عبث تو گھر بناتا ہے مری آنکھوں میں اے پیارے
کسی نے آج تک دیکھا نہیں پانی پہ گھر ٹھہرا
کہیں یہ بھی ستم دیکھا ہے یارو آشنائی میں
سمجھتے تھے جسے ہم نفع، سو جی کا ضرر ٹھہرا

قتل سے میرے، عبث قاتل پھرا اُس نے منھ پھیرا، ہمارا دل پھرا

ایک شب آہ کوئی دل سوز نہ رویا اس پر

شمع تک گور ہماری سے جلی دور سدا

دوستو سنتے ہو "سودا" کا خدا حافظ ہے

عشق کے ہاتھ سے رہتا ہے یہ رنجور سدا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منہہ موڑا

ابھی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

صبا سے ہر سحر مجھہ کو لہو کی باس آتی ہے

چمن میں آہ گلچیں نے یہ کس بلبل کا دل توڑا

جو گذرے مجھہ پہ مت اس سے کہو، ہوا سو ہوا

بلا کشان محبت پہ ' جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر

میرے لہو کو تو دامن سے دھو ' ہوا سو ہوا

پہونچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو

کوئی رفو کوئی مرہم کرو ' ہوا سو ہوا

یہ کون حال ہے احوال دل پہ اے آنکھو

نہ پھوٹ پھوٹ کے اتنا بہو ' ہوا سو ہوا

دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہے "سودا"

پھر آگے دیکھیے جو ہو سو ہو ' ہوا سو ہوا

اب تلک اشک کا طوفاں نہ ہوا تھا سو ہوا

مجھہ سے اے دیدۂ گریاں نہ ہوا تھا سو ہوا

خون دل' چشم سے بہتا تھا مرے دامن تک
موج زن تابہ‌گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا

ہنر ہے گرچہ فن شاعري آفاق میں "سودا"
اگر نادان کو پہونچے' تو اس میں عیب ہو پیدا

تجھ قید سے دل ہوکر آزاد بہت رویا
لذت کو اسیري کی کر یاد بہت رویا

سر شک چشم نہ تھا میں کہ اے فلک تونے
نظر سے خلق کے گرتے' نہ مجھ کو تھام لیا
معاش اہل چمن' جائے اشک ہے "سودا"
کہ زندگي کا انھوں نے مزا تمام کیا

تاثیر عشق نے' مزۂ درد کھو دیا
ان نے نداں دیکھ مرا حال' رو دیا
بوسہ کے ذائقہ کو نہیں شہدو سم میں فرق
ہم بھي گئے اُسے' ہمیں قسمت نے جو دیا
"سودا" ہے بے خلش یہ زخود رفتگي کی راہ
کانٹا نہ پا میں ان کے فلک نے چبھو دیا

کرتا هوں سیر ' جب سے باغ جہاں بنایا
کیا جانے گل خدا نے تجھ سا کہاں بنایا
جتنے هیں خوبرو یاں' سب دل ستاں هیں لیکن
الله نے تجھي کو اک جان ستاں بنایا
دیر و حرم کو دیکھا ' الله رے فضولي
یه کیا ضرور تھا ' جب دل کا مکاں بنایا

—

قومت پکار اس کو اے باغباں که هم نے
نزدیک آتش گل ' آپ آشیاں بنایا

—

اس کا تو گله کیا هے که بستان جہاں میں
مجھ تک ' قدح بادۂ گل فام نه آیا

—

کچھ کبر سے خاطر میں نه لایا هیں کوئي
رتبه کسی خاطر میں همارا نه سمایا
رونے سے کیا حال دل اس شوخ په روشن
'' سودا '' نے دیا عشق کا پاني سے جلایا

—

سمجھے تھا میں ' خطر راہ محبت ناصح
مري تقصیر نہیں دل نے مجھے بہکایا
خوں کے هر قطرے سے کہتا تھا یہي لخت جگر
تو مژہ تک بھي نه پہونچے گا که میں یه آیا

—

انکھوں سے اشک جتنا آتا تھا ، رشب نہ آیا
زخم جگر نے یارو پانی مگر چوایا

قسم نہ کھائیے ملنے کی غیر سے ہرگز
کہا یہ تم نے میاں ہم کو اعتبار آیا
بہ رنگ آئینہ ہم اور سینہ صاف ہوئے
جو اپنے دل پہ کسي شکل سے غبار آیا
ممانعت نے کیا تیرے شہرۂ آفاق
وگرنہ میں ترے کوچہ سے لاکھ بار آتا
خبر لے وادي میں ''سودا'' کي ، یوں سنا ہے آج
کہ ایک شوخ کسي بے گنہ کو مار آیا

اکسیر ہے تو کیا ہے وہ مشت خاک ''سودا''
خاطر پہ جب کسی کے اس سے ملال آیا

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رھي تھی سو عاشق کا دل بنا
سرگرم نالہ ان دنوں میں بھی ہوں عندلیب
مت آشیاں چمن میں مرے متصل بنا
اپنا ہنر دکھاویں گے ہم تجھ کو شیشہ گر
توٹا ہوا کسی کا اگر ہم سے دل بنا

جس طرح چاھتا ہے' دنیا میں زندگی کر
لیکن تو یاد رکھیو ' عاشق کہیں نہ ہونا

کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں روز ہجر کو
پھر جو خدا دکھاوے سو ناچار دیکھنا

اگر سمجھو تو خاکستر صبا کے ھاتھ بھیجوں میں
نہیں گویا زبان شعلہ ' دوں کس کو پیام اپنا

اے زخم جگر سودۂ الماس سے خو کر
کتنا وہ مزہ تھا جو نمک دان میں دیکھا

دیکھا ہے تجھ کو دریچہ ترے جن نے ایک بار
پھر جب تلک جیا پس دیوار ھي رہا

عشق تھا ' یا کیا تھا ' جس سے دل اٹکتا ھی رہا
خار سا سینے میں میرے کچھ کھٹکتا ھی رہا
تاب کس کو ہے کہ تیرے در سے آگے جا سکے
جو ترے کوچے میں آیا سر پٹکتا ھي رہا

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں
آپ ھي اٹھے جہاں سے ' تو گویا جہاں اُٹھا

بوئے وفا و رنگ محبت ' نہیں ہے یاں
یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اُٹھا

چہرے پہ یہ نقاب دیکھا
پردے میں تھا آفتاب دیکھا
کچھ ہو وے ' تو ہو ' عدم میں راحت
هستي میں تو ہم عذاب دیکھا

اعمال سے میں اپنے بہت بے خبر چلا
آیا تھا آہ کس لیے اور کیا میں کر چلا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کر اپنا جو نکالا
سو حضرت دل سلمہ‌اللہ تعالا
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
پردے میں چھپا اس کے تئیں تجھ کو نکالا

گرد ہستی نے دل کو دی ہے شکست آئینہ اِس غبار سے ٹوٹا

تلاش خضر ' بہر منزل مقصد ' نہ کر " سودا "
کوئي خود رفتگی سے راہ پر بہتر نہیں ہوتا

صحبت تجھے رقیب سے ' میں اپنے گھر میں داغ
کیدھر پتنگ ' شمع کہاں ' انجمن کجا ؟

اِس مرغ ناتواں کی' صیاد کچھ خبر ہے
جو چھوٹ کر قفس سے' گل‌زار تک نہ پھونچا

'' سودا '' پھر آج تیری آنکھیں بھر آئیاں ہیں
عالم کے ڈوبنے میں' کل کچھ بھی وہ گیا تھا

اِختلاط اهل آبادي سے دل آیا ہے تنگ
اے خوشا وقتے کہ تنہا هم تھے اور ویرانہ تھا
اس چمن میں جب تلک هم نشۂ مستی میں تھے
عمر کا اپنے پر ' از خون جگر پیمانہ تھا

کس گلي دیکھ کے میں اس کو پکارا نہ کیا
مژ کے تک دیکھنے کا ننگ گوارا نہ کیا
کسي کا دین کیا حق نے' کسی کي دنیا
سب کا سب کچھ کیا' پر تجھ کو همارا نہ کیا

غیروں کو دیکھ بیٹھے ہوئے ' بزم میں تری
جب کچھ نہ بس چلا تو میں ناچار اُٹھ گیا

نے رستم اب جہان میں نے سام : رہ گیا
مردوں کا اسماں کے تلے نام رہ گیا
ہوں تو چراغ راہ ہنر' زیر آسماں
لیکن خموش ہوکے' سر شام رہ گیا

لذت دی نہ اسیری نے ' صیاد کی بے پروائی سے
تڑپ تڑپ کر مفت دیا جی' ٹکڑے ٹکڑے دام کیا
شمع رخوں سے روشن ہو گھر ایسے اپنے کہاں نصیب
صبح ازل سے قسمت نے خاموش چراغ شام کیا
فخر نہیں اے شیخ مجھے کچھ' دین میں تیرے آنکلا
راہب نے جب منھ نہ لگایا' تب میں قبول اسلام کیا
ادب دیا ہے ہاتھ سے اپنے کبھی بھلا میخانے کو
کیسے ہی ہم مست چلے پر سجدہ ہر اک گام کیا

حشر میں بھی نہ اُٹھوں بسکہ اذیت پہونچی
زندگانی نے دوعالم سے مجھے سیر کیا

قابو میں ہوں میں تیرے' گو اب جیا تو پھر کیا
خنجر تلے کسونے تک دم لیا تو پھر کیا
کر قطع ہاتھ پہلے پھر فکر کر' رفو کا
ناصح جو یہ گریباں تونے سیا تو پھر کیا

وهم غلط کارنے دل خوش کیا　　کس پہ نہ جانے وہ نظر کر گیا

نفع کو پہونچا میں تجھے دے کے دل　　جان کا اپنی میں ضرر کر گیا
دیکھیے واماندگي اب کیا دکھائے　　قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
کیونکہ کوئی کھائے ترا ' اب فریب　　حال مرا سب کو خبر کر گیا

بہتا کچھہ اپنی چشم کا ' دستور ہوگیا
دي تھي خدانے آنکھہ ' پہ ناسور ہوگیا

آنکھوں کی رہبری نے کہوں کیا کہ دل کے ساتھہ
کوچے کي اُس کے راہ بتانے نے کیا کیا
" سودا " ہے بے طرح کا نشہ جام عشق میں
دیکھا کہ اس کو منھہ کے لگانے نے کیا کیا

کی سیر ملک ملک کی " سودا " نے بھی ' ولے
اے شیخ میکدے کي ہے آب و ہوا عجب

گرچہ ہوں زیر فلک ' نالۂ شب گیر نصیب
پر اُسے کیا کروں ؟ یارو نہیں تاثیر نصیب
کیمیا خاک در شاہ نجف ہے " سودا "
حق تعالیٰ کرے اس طرح کی اکسیر نصیب

مجھ اشک میں جوں ابر' اثر ہووے گا یارب
قطرہ کبھی میرا بھی گہر ہوئےگا یارب
گذرے ہے شب و روز اِسي فکر میں مجھ کو
کیا جانیے اس وقت کدھر ہووے گا یارب
کہتے یہی کتنی ہے مجھے' ہجر کی ہر شب
اب پھر بھی کبھی وقت سحر ہووے گا یا رب

کیوں اسیري پر مري' صیاد کو تھا اضطراب
کیا قفس آباد ہوگئے' کون سے گلشن خراب
بہہ گئے پانی ہو' سب اعضا مري آنکھوں کي راہ
پیرہن میں' ایک دم باقی ہے مانند حباب

پروانہ اور شمع کي صحبت نہ مجھ سے پوچھ
اپني نہ کہہ سکا تو کہوں کیا پرائي بات

ہندو ہیں بت‌پرست' مسلماں خدا پرست
پوجوں میں اُس کسي کو' جو ہو آشنا پرست

زمانے کو بھلا "سودا" کوئی کس طرح پہچانے
کہ اس ظالم کي' کچھ سے کچھ ہے' ہراک آن میں صورت

آتش ہے تری گرمی بازار محبت
کیا لے گا بہ جز داغ ' خریدار محبت
کرتے ہیں اسیر قفس و دام بہی فریاد
لے سکتے نہیں سانس' گرفتار محبت

یاد کس کو' رحم جي میں کب ؟ دماغ و دل کہاں
یاں نہ آنے گا مرے صاحب ' بہانا ہے عبث
بوسہ کیا مانگے ہے اس بت سے ' بایں ریش سفید
زاہدا نزدیک آتش ' پنبہ لانا ہے عبث

رہتے تھے ہم تو شاد نہایت ' عدم کے بیچ
اس زندگی نے لاکے پھنسایا ہے غم کے بیچ

ناصح تو نہیں چاشنی درد سے آگاہ
بے عشق بتاں' جینے کي لذت دیا تجھے

ہوتي ہے ایک طرح سے ہرکام کي جزا
اعمال عشق کے ہیں مکافات بے طرح
بلبل کو اس چمن میں سمجھ کر تک آشیاں
صیاد لگ رہا ہے تري گھات بے طرح

دیکھتا ہوں میں تری بزم میں ہرایک کا منھ
طلب رحم کی نظروں سے ، گنہ گار کی طرح

——

لہرائی ہے نسیم سحر ، کیا ہے ساقیا ؟
گویا ہے موج بادۂ جام بلور صبح

——

زاہد اب کی مغ نے مے ، اس بو کی کھینچی ہے کہ آج
کوئی میخانے سے گذرا محتسب ، پڑھتا درود

——

ہوئی ہے عمر کہ ہم لگ رہے ہیں دامن سے
جھٹک نہ دیجیو پیارے ، غبار کے مانند

——

مجھ ساتھ تری دوستی ، جب ہوگئی آخر
دنیا کی مرے دل سے طلب ، ہوگئی آخر

——

شوکت نے ہمیں حسن کی ، کہنے نہ دیا کچھ
بات ان کے سو بار بہ لب ، ہوگئی آخر

——

دل و دیں بیچتے ہیں ہم تو ، اک بوسے کی قیمت پر
اگر تو اس میں اپنا نفع جانے ، آ کے سودا کر

——

کر خانۂ گردوں پہ نظر ' چشم فنا سے
ہے مثل حباب' اس کی بھی تعمیر ہوا پر

نا صحا اس عشق سے ہوتا ہے لذت یاب ' دل
جس میں حرمت کم ہو' رسوائی و خواری بیشتر

دل نا آشنائے نالہ سے ' صدرہ جرس بہتر
نہ ہو مژگاں جو خوں آغشتہ' ان سے خار و خس بہتر
وفا ' نے گل میں ' نے چشم مروت باغباں میں ہے
نکل بلبل ! کہ ہے اس باغ سے کنج قفس بہتر

کعبہ و دیر سے کیا کام ہے ہم کو اے دوست
ہے ہمیں کون سی جاگہ ترے در سے بہتر
آشیاں سے نہ اڑے ' پہونچے نہ ہم دام تلک
ہم تو بے بال و پری سمجھے ہیں ' پر سے بہتر

طاقت اک آن تحمل کی نہیں ' اور دوست
صبر فرمائے ہے مقدور بشر سے باہر
جنس نا کارہ کے خواں ہیں' خریدیں مجھ کو
یہ وہ " سودا " ہے کہ ہے نفع و ضرر سے باہر

کام آیا نہ کچھ اپنا تن زار آخر کار
سمجھے اکسیر تھے ' نکلا یہ غبار آخر کار

اب خدا حافظ ہے "سودا" کا ' مجھے آتا ہے رحم
ایک تو تھا ھي دوانہ ' تس پہ آتی ہے بہار

پنبۂ داغ میں سینہ کے مرے ہے ' جو سوز
یارب اس سوز کو ' رکھیو تو جہنم سے دور

نالاں جو باغباں سے ہے بلبل ' چمن کے بیچ
دیکھی نہیں ہے ان نے ' جفاے قفس ھنوز

شبنم کرے ہے دامن گل' شست و شو ھنوز
بلبل کے خون کا نہ گیا ' رنگ و بو ھنوز
ھمرہ صبا کے خاک بھی میري ہے در بہ‌در
جاتي نہیں ہے مجھ سے تري جستجو' ھنوز
غنچوں سے رنگ و بو کي تمنا نکل چکی
تڑپے ہے خوں میں دل کے' مري آرزو ھنوز
"سودا" کا حال تونے نہ دیکھا کہ کیا ھوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ' ھنوز

زخم دل پر ھے مرے، تیغ جنوں کا ناصح
تو گریبان کا ناداں، سئے ھے چاک هنوز

یار کے حسن سے بے خبر اغیار هنوز
نہیں اس شعلہ سے آگہ، یہ خس و خار هنوز
بال و پر ھونے نہ پائے تھے نمودار هنوز
تب سے ھم کنج قفس میں ھیں گرفتار هنوز
ھونگے پامال نہ کر ھم کو رھا اے صیاد
مُشق پرواز نہیں تا سر دیوار هنوز
تیری دوری سے عجب حال ھے اب "سودا" کا
میں تو دیکھا نہیں ایسا کوئی بیمار هنوز

پائے نہ جھانکنے بھی کبھو، ھم در چمن
رکھتے ھیں دل میں یہ رخنۂ دیوار کی ھوس
قدرت نہ ھم کو آہ کی، نے طاقت فغاں
نکلے سو کیوں کہ، اپنے دل زار کی ھوس
"سودا" یہ جنس دل کے تئیں، دے چکے ھم اگ
رکھتے نہیں ھیں کوئی خریدار کی ھوس

نے چین، روز فصل، نہ شب هجر، کی قرار
کیا جانے کیا ھے اپنے دل زار کی ھوس

ساقي گئي بہار ' رهی دل میں یه هوس
تو منتوں سے جام دے ' اور میں کہوں که بس

کچھ اس چمن میں آ کے نه دیکھا میں جوں حباب
آب رواں کو سیر کیا سو بھي یک نفس

هم گرم تگاپو هیں ' تری راہ طلب میں
یاں آبلۂ پا هے ' سر خار کو آتش

یا نالے کو کر منع تو ' یا گریه کو ناصح
دو چیز نه عاشق سے هو یک بار ' فراموش

آشیاں کو مت اجاڑو کر کے فریاد و خروش
باغباں ظالم ابھی سویا هے ' اے بلبل خموش

روسیاهي سوا نہیں حاصل نام سے مت کر اے نگیں اخلاص
مثل نقش قدم یه رکھتي هے تیرے در سے مري جبیں اخلاص

سینے میں دل جو هے ' تو تیري یاد کے لئے
جز دید کیا هے دیدۂ خوں بار سے غرض

آنکھیں بہ رنگ نقش قدم هو گئیں سفید
اس سے زیادہ خاک کروں انتظار خط

فضل حق جس کے طرف ہو تو اُسے بخشے ہے
دور ساغر کی طرح گردش ایام نشاط
دل جنھوں کا ہے اسیری کے مزے سے آگاہ
ہے قفس بیچ اُسے عیش تہہ دام نشاط

کھاتے جو ہو قسم کہ تجھے چاہتا ہوں میں
مشفق غلط ' ملاذ غلط ' مہرباں غلط
ساقی نہ ہو تو سیر چمن کا ہے کیا مزا
جانا بغیر بادہ سوے بوستاں غلط

دونوں سے ہم نے اثر دل میں نہ پایا اس کے
نالہ شب ہے عبث ' آہ سحر گہ غلط
بزم آراستہ کی جس کے لئے اے "سودا"
آج آنے کی خبر اس کی ہے افواہ غلط

یوں ہی طریق عشق میں ہو راست یا غلط
اجر جفا درست ہے مزد وفا غلط
واشد ہے دل مرے کو دم سرد سے ترے
اس غنچہ کو شگفتہ کرے گر صبا غلط

عبث ہیں منتظر اس شوخ کی مری آنکھیں
سوائے آئینہ کس کو ہے انتظار سے خط

مثا کسي سے تو نام بہشت پر تجھ کو
گل بہشت کی پہونچي نہیں ہے بو واعظ

تو میرے غم سے نہ رویا اور میری خاک پر
شام سے تا صبح اپنی چشم تر رکھتي ہے شمع

گو اب نہ مجھ غریب کے بالیں تک آے شمع
دل بے کسي کا مجھ پہ جلے ہے بجاے شمع

دل سوز عاشقاں کوئی "سودا" سا اب نہیں
پروانہ جل مرے تو وہ ہو شمع وار داغ

ہے خواہش گلزار تو سینے کو مرے دیکھ
تختہ سے چمن کے ہیں فزوں اس پہ بھرے داغ
"سودا" نظر آتا ہے بہار آنے کا آثار
ہوتے چلے ہیں پھر مرے سینے کے ہرے داغ

پہونچا کے تري زلف کی بو غیر کو پیارے
کرتی ہے مجھے موج نسیم سحری داغ
ہوتا ہوں خجل مفت میں پروانہ کے آگے
جب شمع کو کرتي ہے تری جلوہ گري داغ

مائل تھا بسکہ دل مرا بیداد کی طرف
خون بہہ چلا بدن سے تو جلاد کی طرف
سامان نالہ سب ہے مہیا پر اے اثر
میں دیکھتا ہوں تیری بھی امداد کی طرف
خوں کر رہا ہے جوش' رگ جان میں تری
"سودا" نہ دیکھہ نشتر فصاد کی طرف

بچ کر رہ میخانہ سے اے شیخ نکلنا
ہر رند ہے واں جبۂ و دستار کا عاشق
کیا قدر رکھے جنس دل اس شخص کی "سودا"
جس کا ہو' فروشندہ خریدار کا عاشق

ترک مجھہ سے کیوں کہ ہو عشق بتاں' اے اہل دیں
سمجھوں ہوں تار نفس کو اپنے میں' زنار عشق
اس چمن میں طرح بلبل کے وہ نالاں کیوں نہ ہو
روز و شب کھٹکا کرے سینہ میں جس کے خار عشق

پروانہ رات شمع سے کہتا تھا راز عشق
مجھہ ناتواں نے کیا کیا اُتھایا ہے' ناز عشق

بس نہ تھا اک داغ اے دل پھر تو اس سے لگ چلا
اس دبی آتش کو ڈرتا ہوں نہ سلگائے فراق

زندگی کیوں نہ ہو وے مجھ پر شاق
یار بے التفات دل مشتاق
غم نہیں اس کی بے وفائی کا
کرے ترک وفا نہ ہم سے فراق

شمع اس عارض کی، سب کہتے ہیں پہونچی نور تک
ہم سے جو پوچھے کوئی ہے صرف شمع طور تک
کون سے عارف کو یاں دعوی خدائی کا نہیں
یہ ترانہ ختم لیکن ہوچکا منصور تک
خوبی مے خانہ و ساقی نہیں اس کے نصیب
پہونچے گو زاہد عبادت سے قصور و حور تک

رہے اس فصل ہم، اے بلبل و گل ناتواں یاں تک
کہ نالہ لب تلک پہونچا نہ چاک جیب داماں تک

تک دیکھ لیں چمن کو چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جئیں نہ جئیں ہم بہار تک
ساقی سمجھ کے دیجیو جام شراب عشق
آخر کو کام پہونچے گا اس کا خمار تک

رخصت جو در تلک بھی مجھے دے نہ باغباں
جھانکا کروں میں رخنۂ دیوار کب تلک

یک نفس گرد چمن ہم نہ ہوئے بال افشاں
آشیانے سے نہ اٹھے رات گئے دام تلک

اس چمن کی سیر میں لے جا بسر تو اس طرح
چاہئیے ہووے نہ تیرا خار دامن گیر ایک

رونے کو میرے تا بہ کجا دل سے آئے اشک
نکلے ہے خون چشم سے اب تو بجائے اشک
آنکھوں سے ایک دم نہیں ہوتا مرے جدا
"سودا" میں کیا بیان کروں اب وفائے اشک

کرتی ہے مرے دل میں تری جلوہ گری رنگ
اس شیشہ میں ہر آن دکھاتی ہے پری رنگ

ابھی جھپکی ہے تک اے شور قیامت! یہ پلک
صبح کا وقت ہے ظالم نہ خلل خواب میں ڈال

شاید کہ سیل اشک نے اس کو بہا دیا
سینے میں اب تو خاک بتایا سراغ دل

نہ دیکھا ہم نے کچھ اپنے سوا وہ جس کو دل چاہے
جو طالب ہوں کسی کے تو کوئی مطلوب دیکھیں ہم

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرا بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام
آتش کو رنگ گل کی صبا تونے پھونک دی
جلوائے آشیاں کے مرے خار و خس تمام
"سودا" ہوئی ہے شام کو زلفوں میں اس کی راہ
اس دست نارسا کو ہے کیا دسترس تمام

نہ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے کام
مدعا ساقی سے اپنے ہمیں اور جام سے کام
دل نالاں کو مرے کس کے ہے آرام سے کام
کوئی بے چین رہو، اپنے اسے کام سے کام

کیا مچائی اس نے میرے دل کے کاشانے میں دھوم
شور ہے جس کے لئے کعبے میں بت‌خانے میں دھوم
زلف کو کھولا تو، کر اس دل کی شورش کا علاج
سخت، دیوانے نے کی زنجیر کھل جانے میں دھوم

تیرا جو ستم ہے اس کو تو جان اپنی سی تو خوب کرگئے ہم
جوں شمع لبوں پہ آرہا جی تھا تن سو گداز کر گئے ہم

ہوگی نہ کسی کو یہ خبر بھی　　اس بزم سے آ کدھر گئے ہم

ہے صفاے بادہ و درد تہ پیمانہ ہم
نور چشم مجلس و سوز دل پروانہ ہم
فیض سے مستی کے دیکھا ہم نے گھر اللہ کا
جا رہے مسجد میں شب گم کردۂ کاشانہ ہم
ماندگی گر محنت دنیا کی خواب آور ہو یاں
شور محشر کو بھی "سودا" سمجھیں اک افسانہ ہم

دوستی کا غیر کے کیا ذکر اس دل میں کہ دوست
آشنائی میں ترے ہیں آپ سے بے گانہ ہم

دیکھیں تو کس کی چشم سے گرتے ہیں لخت دل
تو اس طرح سے رو سکے اے ابر تر کہ ہم
بیٹھا نہ کوئی چھاؤں نہ پایا کسی نے پھل
بے برگ و بر نہیں کوئی ایسا شجر کہ ہم
قاصد کے ساتھ چلتے ہیں یوں کہہ کے میرے اشک
دیکھیں تو پہلے پہونچے ہے واں نامہ برکہ ہم

خانہ پروردِ چمن ہیں آخر اے صیاد ہم
اتنی رخصت دے کہ ہو لیں گل سے تک آزاد ہم

خندۂ گل بے نمک ' فریاد بلبل بے اثر
اس چمن سے کہہ تو جاکر کیا کریں گے یاد هم
خاکساروں سے موافق کب ہے دنیا کی هوا
راہ میں تیری ' پھرے جوں نقش پا برباد هم
ذبح تو کرتا ہے تک فرصت گلے لگنے کی دے
عید قرباں ہے تجھے دے نیں مبارک باد هم

اے گل! صبا کی طرح پھرے اس چمن میں هم
پائی نہ بو وفا کي ترے پیرهن میں هم

بھلا گل تو تو هنستا ہے هماری بے ثباتی پر
بتا روتي ہے کس کی هستي موهوم پر شبنم
مجھے وضع جہاں اس رشک سے محفوظ رکھنا ہے
بہار آخر ہے اک پل میں' کہاں پھر گل' کدھر شبنم ?

پیتا هوں یاد دوست میں هر صبح و شام جام
بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام
" سودا " تھا وقت نزع کے کلمے کا منتظر
جنبش لبوں کی دیکھي تو کرتا تھا جام جام

مجھے عاشق نہ بوجھ اید · جفا کا کب میں حاصل هوں
لگا لوھو شہیدوں میں ترے کاھے کو داخل هوں

مجھے یارو دماغ اب کب ہے گلگشت دوعالم کا
قدم رکھنے میں باہر گوشۂ خاطر سے کاہل ہوں

برہ کی آگ سے کیوں کر گریزاں ہوں میں اے ناصح
ازل سے ہم ہیں شعلے کی طرح پابند' آتش میں

ہمارے درد کی تدبیر ایسی ہو نہیں سکتی
تاسف ہی مرا کرتے ہیں یہ غم خوار آپس میں

قیس کی آوارگی ہے دل میں سمجھوں تو کہوں
ورنہ لیلیٰ ہے ہراک محمل میں سمجھوں تو کہوں

دیکھا جو باغ دہر تو مانند صبح و گل
کم فرصتی ملاپ کی باہم بہت ہے یاں

عاشق ترے' ہم نے کیئے معلوم بہت ہیں
ظالم توہی دنیا میں ہے مظلوم بہت ہیں

ہوئے غبار نہ " سودا " جو چھوٹتے دامن یار
پر اب کی ہوکے حنا پاؤں سے لپٹ جاویں

یار آزردہ ہوا رات جو مےنوشی میں

کیا ہوا ہم سے خدا جانئے بےہوشی میں

بھولنا ہم کو نہیں شرط مروت کہ ہمیں

یاد تیری ہے دوعالم کی فراموشی میں

اشک گل‌رنگ سے ہوں غم میں تیرے باغ و بہار

نالہ بلبل ہے ' چمن نقش و نگار دامن

بلبل تصویر ہوں جوں نقش دیوار چمن

نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن

کیا گلا صیاد سے ہم کو یوں ہی گذری ہے عمر

اب اسیر دام ہیں تب تھے گرفتار چمن

نوک سے کانٹوں کے ٹپکے ہے لہو اے باغباں

کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں نا چار چمن

لخت‌دل گرتے خزاں میں' جاے برگ اے عندلیب

ہم اگر ہوتے تری جاگہ گرفتار چمن

زہد کو چاہئے ہے زور تو عصیاں کو زر

میں بھی یوں ہی بسر اوقات کروں یا نہ کروں

دل سے لب تک سخن آتے ہوئے ''سودا'' سوبار

مصلحت یار سے ہے بات کروں یا نہ کروں

غم میں تسکین دل زار کروں یا نہ کروں
نالہ جاکر پس دیوار کروں یا نہ کروں

سن لے اک بات مری تو کہ رمق ہے باقی
پھر سخن تجھ سے ستمگار کروں یا نہ کروں

ذرا صبا اُٹھ مری بالیں سے کہ ھم رکتا ہے
نالے دل کھول کے دو چار کروں یا نہ کروں

سخت مشکل ہے کہ ہر بات کنا یہ سمجھو
ہے زبان میرے بھی گفتار کروں یا نہ کروں

خواب شیریں میں وہ اور دل ھی مرا مائل شرق
جي دھڑکتا ہے کہ بیدار کروں یا نہ کروں

حال باطن کا نمایاں ہے مرے ظاہر سے
میں زباں اپنی سے اظہار کروں یا نہ کروں

کوچۂ یار کو میں رشک چمن اے "سودا"
جاکے با دیدۂ خوں بار کروں یا نہ کروں

چمن کا لطف سیر اور رونق محفل ہے شیشے میں
پہونچ ساقی کہ اپنی دوستوں کا دل ہے شیشے میں

تڑپتی ہے یہ خون دل میں ظالم ! آرزو میری
کہوں کیا تجھ سے میں گویا وہ اک بسمل ہے شیشے میں

آشنا مفت نہیں دل سے خیال رخ یار
اتری ہے لاکھ فسوں سے یہ پری شیشے میں

خانۂ دل کہ ہو خوں ہونے کا آئیں جس میں
ہے وہ اک بیت کہ سو معنے ہیں رنگیں جس میں
ہجر اور وصل سے کچھ کام نہیں ہے مجھ کو
بات وہ کیجئے کہ تک دل کو ہو تسکیں جس میں
کار فرما جو ہمیں پوچھے تو کیا دیں گے جواب
وہ کیا کام، نہ دنیا ہوئی نے دیں جس میں

گدا دست اہل کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنا ہی دم اور قدم دیکھتے ہیں
نہ دیکھا جو کچھ جام میں جم نے اپنے
سو اک قطرۂ مے میں ہم دیکھتے ہیں
غرض کفر سے کچھ نہ دیں سے ہے مطلب
تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
مٹا جائے ہے حرف حرف آنسوؤں سے
جو نامہ اُسے کر رقم دیکھتے ہیں

لخت جگر آنکھوں سے، ہر آن نکلتے ہیں
یہ دل سے محبت کے ارماں نکلتے ہیں

سنتا نہیں کسی کا کوئی درد دل کہیں
اب تجھ سوا میں جا کے خدا یا کہاں کہوں

اپنی توبہ زاهدا! جز حرف رندانہ نہیں
خم هو تو یاں احتیاج جام و پیمانہ نہیں
صبح دیکھا تھا جو کچھہ وہ کم نہیں هے خواب سے
ذکر اس کا شام هو تو بیش از افسانہ نہیں

سنگ سے بیت‌الحرم کی شیخ انتہائی هے بنا
آئینۂ دل کا مجھے اس گھر میں بٹھلانا نہیں
نا صحا بالیں سے میري' اٹھہ خدا کے واسطے
جان کھاني اس کو کہتے هیں یہ سمجھانا نہیں

کوسوں کا نہیں ' فرق وجود اور عدم میں
قصہ هے تمام آمد و شد کا دو قدم میں
هم ساقیِ قسمت سے بہر شکل هیں راضي
یاں فرق نہیں ذائقۂ شربت و سم میں

غیر کے پاس یہ اپنا هی گماں هے کہ نہیں
جلوہ گر ' یار مرا ورنہ کہاں کہ نہیں
پاس ناموس مجھے عشق کا هے اے بلبل
ورنہ یاں کون سا انداز فغاں هے کہ نہیں
دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا هوں
کچھہ علاج ان کا بھی' اے شیشۂ گراں هے کہ نہیں

سر گوشي پر مري ہے تو آشفتہ کیوں ہوا
میں درد دل کہا ہے یہ، کچھ اور تو نہیں

دلا! میں پیتے ہی پیتے پیوں گا عشق کی مے
یہ جام زہر ہے پیارے کچھ انگبیں تو نہیں

تنہا کہیں بٹھا کے تجھے آج ایک بات
دل چاہتا ہے کہیئے مري جان، پر نہیں

نہ تلطف نہ محبت نہ مروت نہ وفا
سادگي دیکھ کہ اس پر بھی لگا جاتا ہوں

نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں، شاخ بریدہ ہوں
گریاں بہ شکل شیشہ و خنداں بہ‌طرز جام
اس میکدہ کے بیچ عبث آفریدہ ہوں

پیارے نہ برا مانو تو اک بات کہوں میں
ہو لطف کي اُمید تو یہ جور سہوں میں
یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹي بھي تسلي ہو تو جیتا تو رہوں میں

لخت دل، کس دن نہیں گرتے مرے دامن کے بیچ
تر نہیں ہوتی لہو میں کون سی شب، آستیں

جن نے سجدہ کیا نہ آدم کو
شیخ کا پوجتا ہے بایاں پاؤں

بے اختیار منھ سے نکلے ہے نام تیرا
کرتا ہوں جس کسی کو پیارے خطاب، تجھ بن
مل جا جو چاھتا ہے "سودا" کی زندگانی
کچھ بے طرح سے اس کو ہے اِضطراب، تجھ بن

گتھی نکلی ھیں لخت دل سے تار اشک کی لڑیاں
یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلی کے ھار ھو پڑیاں

فرھاد و قیس ووں گئے "سودا" کا ھے یہ حال
کیا کیا کیا ھے عشق نے خانہ خرابیاں

نہ اشک آنکھوں سے بہتے ھیں نہ دل سے اتھتی ھیں آھیں
سبب کیا؟ کاروان درد کی مسدود ھیں راھیں

تونے "سودا" کے تئیں قتل کیا، کہتے ھیں
یہ اگر سچ ھے تو ظالم! اسے کیا کہتے ھیں؟

نہ اپنا سوز ہم تجھہ سے بیاں جوں شمع کرتے ہیں
جو دل خالی کیا چاہیں تو آہ سرد بھرتے ہیں
جگر ان کا ہے جو تجھہ کو صنم کہہ یاد کرتے ہیں
میاں! ہم تو مسلماں ہیں، خدا بھی کہتے ڈرتے ہیں
گلی میں اس کی مت جا بوالہوس آ ماں کہتا ہوں
قدم پڑتا نہیں اس کو میں واں سر سے گذرتے ہیں
نہ چارہ کرسکے کچھہ موج دریا کی روانی کا
کہیں وار ستگاں زنجیر جکڑے سے ٹھہرتے ہیں

بس خشت کو اٹھا کر دیکھیں وہ چشم دل سے
صورت کو اپنے اس میں موجود جانتے ہیں
کیا شکر؟ کیا شکایت؟ اپنی ہے شکل یکساں
دونوں سے آپ ہی کو مقصود جانتے ہیں
ہم سر نوائیں کس کے آگے کہ بید آسا
اپنے قدم کو اپنا مسجود جانتے ہیں

قدرت اوروں کو ہے سر گرم سخن ہونے کی
نہیں پھرنے کا دم سرد کے مقدور ہمیں
کام ہے چشم کا نظارہ نہ بھنا شب و روز
آنکھہ خالق نے رقیبوں کو دی، ناصور ہمیں
کوئی سمجھے ہے ترے گھر میں کہ ہم آئیں ہیں کیوں
ہوکے مانع تو نہ کر خلق میں مشہور ہمیں

ان خوش قدوں کی چال کا انداز ، کیا لکھوں
. ٹھوکر لگے ہے دل کے تئیں جس خرام میں

جب میں گیا اس کے تو اسے گھر میں نہ پایا
آیا وہ اگر میرے تو در خود نہ رہا میں
کیفیت چشم اس کي ، تجھے یاد ہے " سودا "
ساغر کو میرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

" سودا " خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپني تو نیند اڑگئی تیرے فسانے میں

سجدہ کیا صنم کو میں دل کے کنشت میں
کہہ اس خدا سے شیخ! جو ہے سنگ و خشت میں
گذرا ہے آب چشم میرے سرسے با رہا
لیکن نہ وہ مٹا جو کہ تھا سر نوشت میں
" سودا " کو شمع بزم ، جو کہتے تو تھا بجا
ہے اشک و آہ سوختن اس کی سرشت میں

خلش کروں نہ کسي سے اگرچہ خار ہوں میں
جلے نہ مجھ سے دل خس جو شعلہ بار ہوں میں

جسم کا معلوم رهنا ' گر یهي هے سیل اشک
بیٹھ هي جاوے گي یه دیوار دن دو چار میں

امید هوگئي کچھ گوشهٔ گیر سي' دل میں
رها کرے هے تمنا' اسیر سی' دل میں
خدا کے واسطے خاموش ناصح بے درد
لگے هے بات تري مجھکو تیر سی' دل میں

دل کو یه آرزو هے ' صبا کوئے یار میں
همراه تیرے پهونچئے مل کر غبار میں
میں وہ درخت خشک هوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نه دیکھا بہار میں

دلا اب سر کو اپنے' پھوڑ مت سنگ ملامت سے
یهی هوتا هے ناداں عشق کا انجام دنیا میں
نه کر "سودا" تو شکوه هم سے' دل کی بےقراري کا
محبت کس کو دیتي هے میاں آرام دنیا میں

کفر سے اب تو مرا دل هے نهایت بیزار
درمیاں کیا کروں اے شیخ که هے پائے بتاں

جي تک تو دے کے لوں جو هو کاردگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بکتا اثر کہیں
هوتی نہیں هے صبح نہ آتی هے مجھ کو نیند
جس کو پکارتا هوں سو کہتا هے مر کہیں
ساقی هے اک تبسم گل ' فرصت بہار
ظالم بھرے هے جام تو جلدي سے بھر کہیں

قاصد کي کیا مجال جو اس کو میں جا سکے
جز مرغ روح کوئي مرا نامہ بر نہیں
میري طرف سے دیجیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پھر بال و پر نہیں

طلب میں سلطنت جم کی نہ صبح و شام کرتا هوں
در مے خانہ پر جاکر سوال جام کرتا هوں
جو آزادي میں یاد آجاے هے لذت اسیري کی
تو کر پرواز گلشن سے تلاش دام کرتا هوں

ٹکڑے تو ابھی لعل کے دل بیچ دھرے میں
هم نے تو ابھی موتي هی آنکھوں میں بھرے هیں
صد شکر کہ مرنے کا خلش اُٹھ گیا دل سے
جب سے هوے پیدا هم اُسی دن سے مرے هیں

میں کس کس شعلہ خو کو سینۂ صد چاک دکھلاؤں
جو دل تھا ایک سو تو جل بجھا کیا خاک دکھلاؤں
پرستش چھوڑ دے کعبہ کي' "سودا"! شیخ' گر اس کو
جو میرے دل میں بستا ھے بت بے باک' دکھلاؤں

ھے اعتقاد ھمیں' ھندو و مسلماں پر
ھیں دونوں ترے پرستار یہ نہ ھو وہ ھو
نہیں ھے وصل میں درخواست ھجر کي مجھ کو
ولے خدا سے ھوں ناچار' یہ نہ ھو وہ ھو

لہو اس چشم کا پونچھے سے' ناصح! بند کیوں کر ھو
جو دل توتے کسی کے ھاتھ سے پیوند کیوں کر ھو

کرے تک منفعل کوئي مرے بے درد قاتل کو
دکھادے خاک پروانہ پہ گریاں شمع محفل کو
الھي ھے سکت نعم‌البدال کے تجھ کو دینے کی
مجھے اس کے عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر لے دل کو

کس کی ملت میں گنوں آپ کو' بتلا اے شیخ
تو مجھے گبر کہے' گبر مسلماں' مجھ کو

اسرار خرابات سے واقف ہو جو زاہد
کعبے سے نہ کم سمجھے در پیر مغاں کو

"سودا" اُمید وصل کی کس کو ہے یاں کہ رہ نہیں
اپنے دل اور چشم میں ایسے خیال و خواب کو

یاں شاہت دو جہاں کي بھی جو ہووے مجھ کو
تیرے کوچے کی گدائی سے نہ کھووے مجھ کو
خشک رکھتی ہے کبھو چشم جو دامن تجھ بن
آستیں چاہتی ہے خوں سے بھگووے مجھ کو

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو
اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمیں کو
آتا ہے تو آ شوخ کہ میں روک رہا ہوں
مانند حباب اپنے دم باز پسیں کو
دیتي ہی نہیں چین، بدی اپنے گماں کي
ساتھ اس کے میں ہوتا ہوں، کوئی جائے کہیں گو

نہ پوچھو قتل کرنے میں کسو سے بیر ہے اس کو
چلے تلوار تو اب زواں کی سیر ہے اس کو

تو نہ ہووے تو شب ہجر دے جینے ہم کو
خالق، اے صبح ! سلامت رکھے تیرے دم کو
ہم کسو کی نہ چڑھے نظروں میں عنقا کی طرح
دیکھ ڈالا ہے بہ یک آن، ہم اس عالم کو
ہے کہ اب لا کے دکھاویں اُسے تجھ کو ناصح
مت فضیحت ہو عبث کر کے نصیحت ہم کو

کیجے جو اسیری میں اگر ضبط نفس کو
دے آگ ابھی شعلۂ آواز قفس کو

ہمیں گر نالۂ کنج قفس کہیے تو آتا ہے
چمن کے زمزمے کرنا گرفتاروں سے مت پوچھو
فراموش اِن دنوں ہم شہریوں کے دل سے ''سودا'' ہے
خبر اُس کی جہان آباد کے یاروں سے مت پوچھو

نا صح کو جیب سینے سے فرصت کبھو نہ ہو
دل یار سے پھٹے تو کسی سے رفو نہ ہو

تجھ بن تو دو جہاں سے کچھ اپنے تئیں نہ ہو
ہو ویں نہ ہم کہیں کے اگر تو کہیں نہ ہو

غمزہ ، ادا ، نگاہ ، تبسم ، ہے دل کا مول
تم بھی اگر ہو اس کے خریدار کچھ کہو

هر آن آ مجھی کو ستاتے ہو نا صحو
سمجھا کے تم اُسے بھي تو یک بار کچھ، کہو

روا ھے کہہ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریاے زھد چھپے ' راز عشق رسوا ھو

اس درد دل سے موت ھو یا دل کو تاب ھو
قسمت میں جو لکھا ھو الهیٰ شتاب ھو
اس کشمکش کے دام سے کیا کام تھا ھمیں
اے الفت چمن ! تـرا خانہ خـراب ھو

اے نالہ ! مت سبک ھو نکل کر جگر سے تو
مدت سے گر چکا ھے جگر کي نظر سے تو
دامن' مکان اشک سے ھے دو قدم کی راہ
آنکھیں چرا نہ لذت دل اتنے سفر سے تو

چھوڑوں گا نہ دامـان اسیري کبھو صیاد
ھر صبح رھائی ھو مجھے' شام قفس ھو

کـروں گـرم با دیدۂ تـر نگاہ کہ ڈالے پھپھولا نہ رخ پر نگاہ
نہیں زخم سے اس کے' واقف کوئي ھے باطن یہ برچھي' بہ ظاھر نگاہ

لینے لگا ہے اب تو مرا نام گاہ گاہ
بھیجیں گے ہم بھی نامۂ پیغام گاہ گاہ

عزت و آبرو و حرمت و دین و ایماں
روؤں کس کس کو میں یارو کہ گیا کیا کیا کچھ

مت مجھ کو ڈرا واعظ محشر کی صعوبت سے
ہے مبدأ صد محشر، میرا دل شوریدہ

رکھے ہے دل کو مرے اشتیاق سینے میں
کہ جیسے مرغ، قفس میں ہو اضطراب زدہ

میں تجھ سے نہ کہتا تھا مت گھر سے تو نکلا کر
اب شور قیامت نے گھیرا ہے درِ میخانہ
کعبے کی زیارت کو اے شیخ میں پہونچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

کرتے ہو مداوا کب بیمار غم اپنے کا
جب کام ہوا آخر تدبیر نظر آئی
ہے گردش چشم اس کی، حلقہ در محشر کا
موج خط پیشانی، زنجیر نظر آئی

یار کا جلوہ مرے، کیا شہرۂ آفاق ہے
جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے
ذات پر اس شوخ کی، بس ختم ہے معشوقیت
جو بشر دنیا میں ہے، منجملۂ عشاق ہے
فائدہ اس ہرزہ گوئی سے بھلا ناصح تجھے
زندگی "سودا" کو اب بے عشق کرنی شاق ہے

کوئی تو سمجھے ہے اس چہرے کو مہ اور کوئی مہر
ہم تو سمجھے ہیں، فقط اللہ کا یہ نور ہے
اے خیال یار اس سینے میں اب مت رکھ قدم
شیشۂ دل سنگ سے ہجراں کے، چکنا چور ہے

کروں میں حال کس کس طرح ظاہر، سخت مشکل ہے
کہ دل سے بھی زیادہ خاطر دل دار نازک ہے

تیرے ہی سامنے کچھ لہکے ہے میرا نالہ
ورنہ نشانے ہم نے مارے ہیں بال باندھے

رفو ہوا جو گریباں مرا تو کیا ناصح
جو دل سے دل کہیں پیوند ہو رفو یہ ہے

کہوں کیا تجھ سے اے "سودا" خرام نازنیں اس کا

دلوں کو ڈھونڈھتی اک آفت ناگاہ پھرتی ھے

جرم کے عفو کی تدبیر بہت اچھی ھے

بے گنہ رھنے سے تقصیر بہت اچھی ھے

مجھ کو سونپا ھے زمانے کے تئیں قسمت نے

دست نا مرد میں شمشیر بہت اچھی ھے

نیک و بد سے نہ کروں اپنے لکھے کا شکوہ

جو کہ قسمت کی ھے تحریر بہت اچھی ھے

جتنے ھیں کام ترے، سونپا خدا کو "سودا"

تیری تدبیر سے، تقدیر بہت اچھی ھے

کب کر سکے وہ تیغ ادا سے ھو جو کچھ کام

گو زخم نہ معلوم ھو قاتل تو وھی ھے

مری بھی سن لے کہ مانند شمع بزم اخیر

پگھل چکا ھے سراپا، زبان باقی ھے

نہ درد دل ھی کے کہنے کی تجھ سے ھے طاقت

نہ چپ ھی رھنے کی تاب و توان باقی ھے

دل جنس فرد شدۂ بازار ھنر ھے

دیکھو تو کہیں کوئی خریدار ھنر ھے

تک ہم رہاں قافلہ سے، کہ دے اے صبا
ایسے ہی گر قدم ہیں تمہارے تو ہم رہے

اے تڑپ چین تو بسمل کو کہیں تل بھر دے
یہ نہ ہو خوں سے کہیں دامن قاتل بھر دے
بادہ پینے سے تو خو گر میں نہیں ہوں اے تیغ
ہو کسی شیشہ میں لوہو تو مرا دل بھر دے

دنیا تمام گردش افلاک سے بنی
ماتی ہزار رنگ کی، اس چاک سے بنی

غافل ہماری آہ سے رہنا نہ بے خطر
کر خوف ایسے تیر سے جو بے کماں چلے

کہیو صبا سلام ہمارا بہار سے
ہم تو چمن کو چھوڑ کے سوئے قفس چلے
تیرے سخن کو میں بہ سرو چشم ناصحا
مانوں ہزار بار، اگر دل سے بس چلے

یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے
اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہئے

مخلصی "سودا" کی کچھ، حق کے کرم سے ہو تو ہو
ورنہ یاں ہر کام کی تقصیر دامن گیر ہے

کاتی مصیبت شب ہجراں، میں با رہا
واعظ نہیں ہے روز قیامت سے ڈر مجھے
جوں شمع، پانوں ٹوٹ کے جاتا ہوں میں کہاں
در پیش آ گیا ہے کدھر کا سفر مجھے

ساغر دل، خوں سے مالا مال رہتا ہے مرا
اہل دل گر مست رہتے ہیں تو ایسے جام کے

تو کہہ کے ہمیں سخت، نہ بدنام ہو ناصح
یہ شیشہ دل ہاتھ سے ہے چور کسو کے

ہوا کس پر، یہ دیوانہ الٰہی
کہ موج اشک ہے زنجیر دل کی
جفا سے تیرے اٹھ جاؤں میں لیکن
وفا ہوتی ہے دامن گیر دل کی

مجھ چشم سے اب اشک نہیں آنے کا ناصح
آوے بھی غم دل سے تو لخت جگر آوے

نہ عندلیبِ گرفتار کو قفس چھوڑے
نہ تیرے دام کے مشتاق کو ہوس چھوڑے

یارب کہیں سے گرمیِ بازار بھیج دے
دل بیچتا ہوں، کوئی خریدار بھیج دے

تری دریا دلي کا شور ہے اے مہرباں جب سے
ہمارے دل سے دریاے تمنا، موج مارے ہے

تنزل سے بھی ہم ہرگز ترقي میں نہ کم ہوتے
جو ہوتے کوہ سے پتھر تو پتھر سے صنم ہوتے

طوبےٰ تلے میں بیٹھ کے روؤں گا زار زار
جنت میں، تیرے سایۂ دیوار کے لئے

گرمی اس شعلہ سے ہیہات نہ ہونے پائی
ہوں وہ پرواز، جسے رات نہ ہونے پائي
جی کی جی هي میں رہی، یار مری بالیں تک
پہونچا اس وقت کہ کچھ بات نہ ہونے پائی

شیخ کعبہ میں خدا کو تو عبث ڈھونڈھے ہے
طالب اس کا ہے تو ہر ایک کی کر دلجوئی

ناصحا! هر چند یہ بندہ سبک اطوار ہے
پر سبک ہے کب جو خاطر پر کسي کی بار ہے

——

جو طبیب اپنا تھا اس کا دل کسی پر زار ہے
مژدہ بادا ے مرگ! عیسیٰ آپ ہی بیمار ہے

——

طاقت کہاں ہے اب کہ گنوں وعدے کے میں دن
اس وقت بھي ملو تو دموں کا شمار ہے

——

کیا چیز ہے وہ، دل جسے کہتے ہیں الٰہي!
اک قطرۂ خوں سینے میں آفات طلب ہے
دشنام تو دینے کي قسم کھائي ہے، لیکن
جب دیکھے ہے وہ مجھ کو تو اک جنبش لب ہے

——

مت دیکھ خاک ساریٔ "سودا" بہ چشم کم
گر آسماں ہے تو، تو مقابل زمین ہے

——

آتے نہیں نظر میں کسو کے جو ہم تو کیا
عالم تو سب طرح کا ہماري نظر میں ہے

اُن سے جو ہیں نا بینا، وعدہ ہے قیامت کا
بینا کے بہ ہر یک، پل، دیدار نظر میں ہے

کرے ہے توبہ جو واعظ کی ہرزہ گوئی سے
مگر بہار کو "سودا" نے دور دیکھا ہے

نشہ کو ہرگز حقیقت کے نہ پہونچے گا کوئی
جب تلک اے یار خالی عمر کا پیمانہ ہے

اک رنگ کے جلوے نے کھینچا ہے مرے دل کو
صورت تو نہ میں سمجھا گوری ہے کہ کالی ہے

جان تک چاہے اگر وہ تو ہے بندہ حاضر
دل اسے دیوے جو کوئی تو جگر اس کا ہے

چشم پرآب سے "سودا" کے نہ ٹپکا کبھو اشک
صورت آئینہ کچھہ دیدۂ تر اس کا ہے

پاک میرے نہ کسی دوست نے کی چہرے سے گرد
دیدہ ہے دشمن جاں، پر مرا منہہ دھوتا ہے

گوھر کو جوھری اور صراف زر کو پرکھے
ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو پرکھے

سنے ھے مرغ چمن کا تو نالہ اے ساقی
بہار آنے کی بلبل خبر لگا کہنے

ھم ھیں وارستۂ محبت کی مدد گاری سے
سب سے آزاد ھوئے دل کی گرفتاری سے
سبب غفلت دنیا ھے فقط عیش شباب
خواب آور ھے سحر' رات کی بیداری سے

مآل مردم ماضی و حال و استقبال
سنا تو ایک کی' کچھ داستان ھے سب کی

عدو بھی ھو سبب زندگی جو حق چاھے
نسیم صبح ھے روغن' چراغ میں گل کے
چمن کھلیں ھیں پھونچ بادہ لے کے اے ساقی
گرفتہ دل مجھے مت کر فراغ میں گل کے

پاس اب ھمارے' نکہت گل کو نہ لا نسیم
دل سے ھوس چمن کی اسیروں کے دور کی

محرم ! فقط تسلی کے دینے سے کیا حصول
کر فکر ہوسکے تو دل نا صبور کی

مرے ملنے کی اس کو تب ہوس ہووے اثر ہووے
کہ مجھ میں اک رمق باقی نفس ہووے اگر ہووے

ہمارے کفر کے پہلو سے دیں کی راہ یاد آوے
صنم رکھتے ہیں جس کو دیکھ کر اللہ یاد آوے

آئے جو بزم میں تو اٹھا چہرے سے نقاب
پروانے ہی کو شمع سے بیزار کر چلے
آزاد کرتے تم ہمیں قید حیات سے
اس کے عوض جو دل کو گرفتار کر چلے
تو خوش رہو گھر اپنے میں، جس شکل سے ہو تم
دو چار نالے ہم پس دیوار کر چلے

اثر، نے آہ میں ہر چند، نے تاثیر نالے میں
پر اتنا ہے کہ ان دونوں سے میرا دل بہلتا ہے

خو گر کو اسیری کے، ہے ظلم رہا کرنا
خوشتر زچمن، اس کو ہے دام گرفتاری

جو کچھ جہاں میں ھے وہ فرق ھے تعین کا
سخن مرا نہ سمجھنا قصور کس کا ھے
یہ سمجھیں ھیں کہ تو خالق ھے اور ھم مخلوق
ترے گناہ سمجھنا شعور کس کا ھے
جہاں کی بزم سے یا رو کسی کا اُتھہ جانا
یہ کون جانے کہ نزدیک و دور کس کا ھے

تمیز خوب و زشت اے مہرباں کب عشق نے پائی
محبت میں سبھی یکساں ھیں جس کی جس سے بن ائی
جھکایا تھا مجھے زاھد نے کوچہ رنج دنیا کا
مغاں نے راحت دنیا کی مجھہ کو بات بتلائی

دھن غنچے کا جب دیکھوں ھوں گوش، گل پہ گلشن میں
تو اپنا درد دل کہنا کسو سے یاد آتا ھے

زیست قاتل ھے مری' تجھہ بن' اجل بدنام ھے
سینے میں موج نفس اک تیغ خوں آشام ھے
عشق کے انجام سے دل کو ھے غفلت اس طرح
جیسے وہ ماھی کہ دریا میں میان دام ھے

یاں جو ھوں خاموش سو تیری ندامت کے لئے
ورنہ شکوں کے ذخیرے ھیں قیامت کے لئے
آنکھہ اُتھا کر دیکھہ تو اے یار میری بھی طرف
کب سے ھوں میں منتظر صاحب سلامت کے لئے

زخم سینہ کا تو بھر آیا ہے، لیکن داغ دل
رہ گیا ہے دوستی کی یہ علامت کے لئے

میں حال کہوں کس سے، ترے عہد میں اپنا
روتے ہیں کہیں دل کو، کہیں جی کی پڑی ہے
محکوم تصور کسی مرے ہے، تری صورت
آگے مری آنکھوں کی شب و روز کھڑی ہے

جان بھی دیجے جو اس جینے کا اب جھگڑا چکے
دین و دل کھو کر میاں اپنی سزا ہم پا چکے
یہ نوید آمد کے پیارے! مجھ سے مجھ کو لے گئے
آپ میں آیا میں تب اتنا کے جب وہ جا چکے
گوش زد اس کے کیا اعدا نے میرا حرف عشق
کیا رہا جلنے میں اب جب آگ وہ سلگا چکے

جھلک جس شوخ میں ذرہ نہ ہو نور محبت کی
اگر خورشید ہے کیا ہے و گر مہتاب ہے کیا ہے

سینے کو دور کر مرے سینے کے داغ سے
سوز شب فراق کو دیکھ اس چراغ سے

شمع و چراغ گو کہ مری شب سے دور ہے
تو گھر میں ہو مرے تو اندھیرا بھی نور ہے

جب نظر اس کی آن پڑتی ہے
زندگی تب دھیان پڑتی ہے
دل سے پوچھا میں یہ کہ عشق کی راہ
کس طرف مہربان پڑتی ہے
کہا ان نے کہ یہ نہ ہندستاں
نے سوئے اصفہان پڑتی ہے
یہ دور رہا جو کفر و دیں کا ہے
دونوں کے درمیان پڑتی ہے
نہیں عیسیٰ تو پھر سخن سے ترے
تن بےجاں میں' جان پڑتی ہے

گذر ادھر بھی وہ شاہ خوباں کرے جو اک دم تو کیا عجب ہے
ہوئی ہے آگے بھی بادشاہوں سے اس طرح کی گدا نوازی

گل ہے عاشق ترا قسم مت کھا
یوں گریباں کسی کا پھٹتا ہے
عشق سے تو نہیں ہوں میں واقف
دل کو شعلہ سا کچھ لپٹتا ہے

جان تو حاضر ھے ' اگر چاھئے
دل تجھے دینے کو ' جگر چاھئے

عشق ھو' شرط ھے کیا ؟ ھو مرض الموت مجھے
یارب ! انسان کے مرنے کے ھیں آزار کئی
ترے بازار میں اب کیونکہ نہ بگڑے " سودا "
ایک یوسف نظر آتا ھے ' خریدار کئی

جھڑ کی تو مدتوں سے مساوات ھوگئی
گالي کبھو نہ دي تھي سو اب بات ھوگئي
بس اب ستم سے در گذر اے یار ! تا کجا
اعمال دے کے میری مکافات ھوگئی
ملنا ترا' ھر ایک سے میں کیا بیاں کروں
عالم سے مجھ کو ترک ملاقات ھوگئی

کیجیو اثر قبول کہ تجھ تک ھماري آہ
سینے سے ار مغاں لئے لخت جگر' گئی

اب کی بھی دن بہار کے یوں ھی چلے گئے
پھر پھر گل آ چکے پہ صنم تم بھلے گئے
اے شمع ! دل ' گداز کسي کا نہ ھو کہ شب
پروانہ داغ تجھ سے ھوا ' ھم چلے گئے

ھے مدتوں سے خانۂ زنجیر ' بے صدا
معلوم ھي نہیں کہ دوانے کدھر گئے
"سودا" جہاں میں آکے کوئی ' کچھہ نہ لے گیا
جاتا ھوں ایک میں' دل پر آرزو لئے

وعدۂ لطف و کرم ' گر نہ وفا کیجئے
مہر نہیں تو ستم' کچھہ تو بھلا کیجئے
فرصت عمر اپنی یہ' لطف خداوند وہ
کہہ تو حق بندگی کیونکہ ادا کیجئے

کہوں میں کسي سے کہ مطلب قرار وا کیجئے
بھلا ھے ترک تعلق کا مدعا کیجے
کہے تھا شمع سے پروانہ' رات جلتے وقت
کہ حق بندگي اس طرح سے ادا کیجئے
کہا طبیب نے احوال دیکھہ کر میرا
کہ سخت جان ھے "سودا" کا اہ کیا کیجئے

بھاگ دیوانے سے مت اے غافل
وھیں جاناں ھے جہاں مجنوں ھے

گر تجھہ میں ھے وفا تو جفا کار کون ھے
دل دار تو ھوا تو دل آزار کون ھے
ھر آن دیکھتا ھوں میں اپنے صنم کو شیخ
تیرے خدا کا طالب دیدار کون

"سودا" کو جرم عشق سے کرتے ھیں آج قتل
پہچانتا ھے تو؟ یہ گنہ گار کون

الفت میں کچھ اپنی بھی اثر چاھئے "سودا"
ھر چند وفا شیوۂ محبوب نہیں ھے

جگر اور دل پہ اب میرے بہار ایسی ھے داغوں سے
کہ زخم سینہ گویا رخنۂ دیوار گلشن ھے

دل لے کے ھمارا جو کوئی طالب جاں ھے
ھم بھی یہ سمجھتے ھیں کہ جی ھے تو جہاں ھے
ھر ایک کے دکھ درد کا اب ذکر و بیاں ھے
مجھ کو بھی ھو رخصت تو مرے منھ میں زباں ھے
جو یندۂ ھر چیز ھے یابندہ جہاں میں
جز عمر گذشتہ کہ وہ ڈھونڈھو سو کہاں ھے
پیری جو تو جاوے تو جوانی سے یہ کہنا
"خوش رھیو مری جان تو جیدھر ھے جہاں ھے"

جو وہ پوچھے تجھ سے اے قاصد کہ "سودا" خوش تو رھتا ھے
تو یہ کہیو! کبھو رو رو دل اپنا شاد کرتا ھے
بسان نے ترے ھاتھوں سے نالاں اس کو دیکھا میں
کوئی تک منھ لگاتا ھے تو وہ فریاد کرتا ھے

خواہ کعبے میں تجھے، خواہ میں بت‌خانے میں
اتنا سمجھوں ہوں مرے یار! کہیں دیکھا ہے
پھرے ہے کوچہ و بازار میں تو کیوں "سودا"
جنس دل کا بھی خریدار کہیں دیکھا ہے

یاں چشم سرمہ سا کا، مارا کوئی جیا ہے
ہر سرو، اس چمن کا اک آہ بے صدا ہے
لب تشنگان جام تسلیم، ہم ہیں ساقی!
یا بادہ، یا ہلاہل، جو ہو سو واہ وا ہے

قاصد کو اپنے ظالم جو کچھ کہ دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

نسیم ہے ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
ترا غرور، مرا عجز، تا کجا ظالم
ہر ایک بات کی آخر کچھ انتہا بھی ہے
سمجھ کے رکھیو قدم خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں "سودا" برہنہ پا بھی ہے

کب تاب قفس لا سکے، وحشت مری صیاد
اک الفت گل بس ہے کہ سو دام یہی ہے

" سودا " کے ہاتھ کیونکہ لگے وہ متاع حسن
لے نکلیں جس کو گھر سے تو بازار ساتھ ہے

اس چشم خوں چکاں کا' احوال کیا کہوں میں
اب زخم ہے تو یہ ہے' ناسور ہے تو یہ ہے
کچھ بس نہیں ہے تجھ سے' جز رو کے چپ ہو رہنا
قدرت جو ہے تو یہ ہے' مقدور ہے تو یہ ہے
گردش سے آسماں کے نزدیک ہے سبھی کچھ
ہم سے تجھے ملانا اک دور ہے تو یہ ہے

گذرا ہے کس کی خاک سے ظالم تو بے خبر
دامن کے ساتھ ساتھ ترے گرد ہے سو ہے
" سودا " گلی میں یار سے گو بولتا ہے گرم
پھر ہر سخن کے ساتھ دم سرد ہے سو ہے

درد میرے استخواں کا کیا ترے دمساز ہے
اس قدر اے نے تری دلگیر کیوں آواز ہے

پردا عبث ہے ہم سے یہ خاطر نشاں رہے
جس دم اٹھا یہ بیچ سے' پھر ہم کہاں رہے

کیا پوچھتے ہو حال اسیران چمن کا
یک مشت پر اب کنج قفس میں ہمگی ہے
"سودا" کے جو بالیں پہ ہوا شور قیامت
خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

نہیں ممکن اسیروں کی کوئی فریاد کو پہونچے
صبا یہ مشت پر اس دام سے، صیاد کو پہونچے
عبث نالاں ہے اس گلشن میں تو اے بلبل ناداں
نہیں ہے رسم یاں کوئی کسی کی داد کو پہونچے

رہا کرنا ہمیں، صیاد! اب پامال کرنا ہے
پھڑکنا بھی جسے بھولا ہو سو پرواز کیا سمجھے
نہ پہونچے داد کو ہرگز، ترے کوچے کا فریادی
کسی کی، شور محشر میں کوئی آواز کیا سمجھے
نہ پوچھو مجھ سے میرا حال تک دنیا میں جینے دو
خدا جانے میں کیا بولوں کوئی غماز کیا سمجھے

پہونچی نہ تجھ کو آہ! مرے حال کی خبر
قاصد گیا تو ان نے بھی کچھ اپنی ہی کہی

شعلہ میں برق کا ہوں، پر افسردہ یاں تلک
ہر خار اس چمن کا سمجھتا ہے خس مجھے

اک گل سے بو وفا کی گر آتی ہو اے نسیم
ہو صبح اس چمن کي ہو شام قفس مجھے

منھ لگاوے کون مجھ کو' گر نہ پوچھے تو مجھے
عکس بھی دیتا نہیں اب آئینے میں رو' مجھے
منحصر جوں شمع جلنے پر مري ہے زندگي
تاپ و تپ سے عشق کے یاں تک ہوئي ہے خو' مجھے

ہے قسم تجھ کو فلک دے تو جہاں تک چاہے
جلوہ حسن اُسے' حسرت دیدار مجھے
ہوں تصدق ترے' او عالم فانوس خیال
گو تحیر نے کیا صورت دیوار مجھے
نہ پھرا ملک عدم سے تو کوئي اے "سودا"
جانا ہے ان کي خبر کے لئے' ناچار مجھے

جل موا' شمع کو دیکھا جو مري بالیں پر
بدگمانی سے میں اب داغ ہوں پروانے کی
شکر صد شکر نہیں میں کسی خاطر کا غبار
خاک کعبے کي ہوں' یا گرد صنم خانے کی

کسو نے حال سے میرے' کہی نہ تجھ سے بات
اگر کہی بھي کسو نے تو اپنے مطلب کي

نہیں ہے رشتۂ تسبیح صورت زنار
قسم ہے شیخ تجھے اپنے دین و مذہب کی

جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے
اس دل کی اسیری سے نہیں کچھ تمہیں حاصل
اک نالۂ جاں کاہ سن' آزاد کروگے

عشرت سے دو جہاں کے یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے' یہ نہ ہو سکے

ٹالا ہی تھا پہاڑ کو فرہاد نے ولے
آئے کو کیا کرے جو وہ سر سے نہ ٹل سکے

آہ و زاری سے مری' شب نہیں سویا کوئی
تجھ سے نالاں ہوں میں' اک خلق ہے نالاں مجھ سے

دل بے عشق کی دشمن ہے' تحریک نفس ناصح
کرے ہے کام پتھر کا ہوا' میدانئے خالی سے

رکھیو اثر تو خاطر' نالے کی تک ہمارے
پہونچا ہے دل سے لب تک' یہ سخت زحمتوں سے

نہ بھول اے آرسی! گر یار کو تجھ سے محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس کا' یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

کون! محشر میں ہمارے خون کی دیوے گا داد
جب تو بولے گا کہ ہم قاتل ہیں' یہ مقتول ہے

منہ پسارے کیا پھرے ہے اے فلک! سمجھے ہیں ہم
ایک دن تیرا دھن اور اپنی مشت خاک ہے

کہتا ہے عشق' عقل سے مجھ کو تو بیر ہے
ناصح تو کیوں بکے ہے دوانہ سا؟ خیر ہے

کیا نیاز عشق سے غافل ہے ناز حسن آہ
شیریں کیا جانے کہ خوں آلود جوئے شیر ہے

رحم کچھ آپی تجھے آوے تو آوے ورنہ یاں
آہ ہے سو بے اثر' نالہ سو بے تاثیر ہے
اس قدر آغوش میں نظارہ کھینچے ہے تجھے
پشت آئینہ کی تیرا عکس رو تصویر ہے
جو کوئی پوچھے کیا کس جرم پر ''سودا'' کو قتل
کہہ ''کسی کو گر کوئی چاہے یہ کم تقصیر ہے''

گل پھینکے ھیں غیروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانۂ بر انداز چمن! کچھ تو ادھر بھی
کیا ضد ھے مرے ساتھ خدا جانے' وگرنہ
کافی ھے تسلی کو مری' ایک نظر بھی
اے ابر قسم ھے تجھے رونے کی ھمارے
تجھ چشم سے ٹپکا ھے کبھو لخت جگر بھی
"سودا" تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات
آئی ھے سحر ھونے کو ٹک تو کہیں مر بھی

کریں ھیں در پہ ترے' شیخ و برھمن سجدہ
بتوں کے حسن و ادا! تیری' یاں خدائی ھے
تن گداز میں دل کیونکہ تیں رکھا "سودا"
یہ آگ' پانی میں کس سحر سے چھپائی ھے

بہار بے سپر جام و یار گذرے ھے
نسیم تیر سی چھاتی کے پار گذرے ھے
گذر مرا ترے کوچے میں گر نہیں تو نہ ھو
مرے خیال میں تو لاکھ بار گذرے ھے
ھزار حرف شکایت کا' دیکھتے ھی تجھے
زباں پہ شکر ھو بے اختیار گذرے ھے

سینوں کو دلوں سے تو نہ خالی کر اب اتنا
ڈرتا ھوں نہ چھاتی کسی بے دل کی بھر آوے

ظالم! کر اب انصاف کہ سینے میں کہاں سے
ہردم کے لہو پینے کو تازہ جگر آوے

بے خوابی سے مرتا ہے شب ہجر میں "سودا"
اب کہنے کو افسانہ، کوئی نوحہ گر آوے

نامے کا جواب آنا تو معلوم ہے اب کاش
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آوے

درخت خشک ہوں اس باغ میں، خدا نہ کرے
کہ باغباں میرے احوال سے خبر پاوے

ہر دانہ میرے خوشۂ خرمن میں ہے شرر
کہہ! برق کو سمجھ کے تک ایدھر گذر کرے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
اپنا ہی تو فریفتہ ہوئے خدا کرے

فکر معاش، عشق بتاں، یاد رفتگاں
اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے

گر ہو شراب و خلوت و محبوب خوب رو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

ڈھایا میں ترے کعبے کو، تیں دل مرا اے شیخ
تعمیر میں کروں اُسے، تو اس کو بنا دے
بیمار کو تیرے ہو شفا، اس سے، نہ مانوں
عیسیٰ کو یہ قدرت ہے کہ مردے کو جلا دے

بال و پر توڑ کے سونپے ہے قفس کو صیاد
تجھ سے رخصت ہے مری اے ہوس آزادی

کب شمع مجالس کی فانوس میں چھپتی ہے
جو حسن ہو بازاری، مت اس کو بٹھا پردے

"سودا" چمن دہر سے یہ چشم نہ رکھیو
وہ گل نظر آوے کہ جسے خار نہ ہووے
جز لخت دل اپنے، تو نہ دیکھے گل بے خار
سو بھی کہ جو مژگاں پہ نمودار نہ ہووے

بھر نظر تجھ کو نہ دیکھا کبھو ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں مرتے مرتے

دیوانگی ہماری کیا کیا مچاتی دھومیں
زنجیر پاؤں ہوکے، گر اپنے گھر نہ لاتی

اک خلق کي نظروں میں سبک ہو گیا لیکن
کرتا ہوں میں اب تک تري خاطر پہ گرانی
تک دیدۂ تحقیق سے تو دیکھ زلیخا
ہر چاہ میں آتا ہے نظر یوسف ثانی

انصاف کچھ بھی یارو! ہے عشق کي نگر میں
دل غم سے آب ہووے اور چشم موتي رو لے

آوے گا وہ چمن میں تڑکے ہي مے‌کشی کو
شبنم سے کہہ دے بلبل! پیالے گلوں کے دھولے
کم بولنا ادا ہے ہر چند، پر نہ اتنا
مند جاے چشم عاشق تو بھی وہ لب نہ بھولے
چشم پرآب ہوں میں جوں آئینہ خیالی
رک رک کے پڑ گئے ہیں چھاتی میں سب پھپھولے
کون ایسا اب کہے یہ "سودا" گلي میں اس کی
آ تجھ کو لے چلیں ہم دل کھول کرکے رولے

کدورت سے زمانے کی بہ رنگ شیشۂ ساعت
ملے ہم‌درد اگر کوئي تو کیجئے دل بہم خالي

پھونچے سو کیونکہ ؟ منزل مقصد کو یہ قدم
پیدا ہوئے ہیں گردش ایام کے لئے

"سودا" ہزار حیف کہ آکر جہاں میں ہم

کیا کر چلے اور آئے تھے کس کام کے لئے

مطلعات

غنچوں کو گو شگفتہ چمن میں صبا کیا

لیکن ہمارے غنچۂ دل کو نہ وا کیا

ہے سخت بے مروت، وہ بت وفا کرے کیا

پر اب تو لگ گیا دل دیکھیں خدا کرے کیا

سننے پائے نہ دھن اس کے سے، دشنام تمام

جنبش لب ہی میر اپنا تو ہوا کام تمام

"سودا" کے لئے برسر بازار ہوئے ہم

ہاتھ اس کے بکے، جس کے خریدار ہوئے ہم

آگے یا قسمت جلاوے یار یا مارے ہمیں

اب تو آنکھوں سے لگا ہے دیکھنے بارے ہمیں

فردیات

دل کو تو ہر طرح سے دلاسا دیا کروں
آنکھیں تو مانتی نہیں میں اس کو کیا کروں

مےکشاں ! روح ہماری بھی کبھو شاد کرو
ٹوٹے گر بزم میں شیشہ تو ہمیں یاد کرو

وہ سمندر ہے کہ جس کا نہ کہیں پات لگے
کشتی عمر مری دیکھئے کس گھاٹ لگے

رباعیات

کتنوں کا جہان میں زر و مال ہے شکر
کتنوں کا ہے با دولت و اقبال ہے شکر
یوں شکر تو سب کرتے ہیں لیکن "سودا"
شاکر ہے وہی جس کو بہر حال ہے شکر

" سودا " پے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بہ آں کو ، کب تک
حاصل یہی اس سے ہے کہ دنیا ہوئے
بالفرض ہوا یوں بھی تو، پھر تو کب تک

جہاں کے بحر میں اے دل لباس اتنا چاہ
کہ جوں حباب وهی پیرهن وهي هو کفن
تو کس تلاش میں سر مارتا پھرے هے کہ عمر
بہ رنگ رشتۂ سوزن هے هر قدم کوتاہ

چاهي تھی بتوں کي آشنائی هم نے
پر عقل کي ماني رہ نمائی هم نے
اس دل کے کنارے سے همارے یارو
کچھ آگ لگي تھي سو بجھائی هم نے

کوتاہ نہ عمر مے پرستی کیجے
زلفوں سے تري دراز دستي کیجے
ساقی جو نہ هو شراب هے آج وہ ابر
پانی پی پي کے فاقہ مستی کیجے

سر مایۂ عیش کامراني تو هے
آرام دل و مونس جاني تو هے
گر تو نہیں آوے جینا کس کام
میري تو مراد زندگاني تو هے

افسوس هماري عمر روتے گذری
نت دل سے غبار غم هی دهوتے گذری

دیکھا نہ کبھی خواب میں اپنا یوسف
هرچند تمام عمر سوتے گذری

رباعیات مستزاد

دنیا کی طلب میں دین کھوکر بیٹھے — ھوکر گم راہ
کرنا ھی نہ تھا جو کام سو، کر بیٹھے — اے عقل بتا،

کعبے میں شیخ بت‌کدے میں ھندو — بےرنگ و بہ رنگ
کس بو قلموں صنم کے کافر ھم ھیں — اللہ اللہ

قصائد

مدح امام حسین علیہ السلام

سوائے خاک نہ کھینچوں کا منت دستار
کہ سر نوشت لکھی ھے مری بہ‌خط غبار

چمن زمانے کا شبنم سے بھی رھے محروم
اگر نہ رو وے مرے روزگار پر شب تار

کروں ھوں تیز میں دندان اشتہا ھر صبح
زمانہ سنگ ملامت سے توڑتا ھے نہار

شراب، خون جگر ھے، گزک مجھے دل خوش
صدائے نالۂ دل ھے مجھے، ترانۂ یار

زمانہ دل کو مرے اور عہد یار کو اب
شکست سے نہیں دیتا ہے ایک آن قرار
ز بس کہ دل ہے مکدر مرا زمانے سے
بہ‌جائے اشک، میں آنکھوں سے پوچھتا ہوں غبار
کہاں تلک وہ کرے روزگار کا شکوہ
کہ جس کے بخت کی سو گند کھاوے ہے ادبار
دلا تو اپنے غم دل کو اب غنیمت جان
بدل خوشی سے تو اس دور میں نہ کر زنہار
کسو ہی سے غم دل یوں نہ لے گیا دوراں
کہ شادی مرگ کیا ہو نہ اس کو آخر کار
جو گوش ہوش تو رکھتا ہے تو برابر ہے
صدائے نغمۂ داؤد نالۂ دل زار
شکستگی سے مجھے دل کی یوں ہوا معلوم
فلک نے گوشۂ خاطر کو بھی کیا مسمار
پڑا پھرے ہے اسی فکر میں سدا ظالم
کسو طرح سے کسو دل کو دیجئے آزار
رکھے ہے مجھ سے خصوصاً عداوت قلبی
خیال خام کو یوں دے کے اپنے دل میں قرار
کہ خاک کر کے اسے ہند میں بناؤں گا
چراغ بت‌کدہ‌وخشت خانۂ خمار
کدھر خیال کو اب لے گیا ہے یہ بے مغز
ز بس بھرا ہے سر اس کا ہوائے کج رفتار
دکھاؤں گا اسے، اب مرد، یوں کریں ہیں عزم
مشیت از لی بھی ہوئی جو ہم سے برار

تو روسیاہ کر اس ہند کا ، کوئی دن اور
اسی دیار کی گلیوں کا ہو جئے گا غبار
جہاں کے مرگ کو کہتا ہے خضر عمر ابد
خدا نصیب کرے مجھ کو زندگی اک بار
جو کچھ کہ مجھ سے سنے صدق سے تو باور کر
محمدي سے فرنگی ہو جو کرے انکار
خدا نہ خواستہ گر آسماں کی گردش سے
قضا طبیب ہوئی گر مسیح ہو بیمار
فلک سے اس کو ملائک کے آگے واں ہو ویں
جب اس دیار کے جاروب کش سے منت دار
اگر وہ خاک دے اس کو، شفا کي نیت سے
قضا قضا هي کرے تک اگر کرے تکرار
ہے اس قدر وہ زمیں نور سے ہے مالا مال
کہ جس کی رات کے آگے نہیں ہے دن کو قرار
ہوا کے وصف میں اُس جا کی گر لکھوں میں غزل
مرا سخن رہے سر سبز تا بہ روز شمار

ز بس ہوا نے طراوت کو واں کیا ہے نثار
شرار سنگ میں ہیں رشک دانہ ہائے انار
گر اس طرف سے ہو جاوے صبا چمن کي طرف
نہ ہو سوائے زمرد عقیق واں زنہار
جو نخل خشک کي تصویر کھینچے واں نقاش
ہر ایک شاخ وهیں، سبز ہوکے، لاوے بار

عجب نہیں ہے کہ ہوں اس ہوا سے دانۂ سبز
اگر زمیں پہ گرے ٹوٹ سمیٹہ زوار
غرض میں کیا کہوں یارو چمن میں قدرت کے
عجب ہے لطف کی اس قطعۂ زمیں پہ بہار
انھوں کي نظروں میں ہوگی بہشت کي کیا قدر
جنھیں ہے مسکن و ماوا کے واسطے وہ دیار
غرض کہ دیکھ کے اس جا کے مرتبے کے تئیں
لگا زمین سے کرنے فلک یہ استفار
خبر دے اس کی مجھے اے زمیں کہ تجھ میں سے
ہوا ہے کس لئے اس خاک کو یہ عز و وقار
دیا جواب زمین نے کہ اے فلک ہیات
نہ دیجو مجھ سے تناسب اُسے تو دیگر بار
نہیں ہے خاک وہ ہے آبروئے آب حیات
نہیں وہ خاک ہے کحل الجواہرالابصار
اگر نہ چشم کو اکب کو پہنچے اُس میں سے
نہ کر سکے شب تاریک بیچ تو رفتار
مجھے ہے نسبت اب اس خاک سے کہاں جس میں
ابو تراب کے فرزند نے کیا ہو قرار
امام مشرق و مغرب شہہ زمین و زمن
رموز دان خداوند' لجۂ اسرار
اگر نہ ہو قلم صنع ہاتھ میں اس کے
تو لوح دفتر قدرت میں فرد ہو بے کار
خدا نہ خواستہ دیوے چہار عنصر میں
گر اس کی راے بدلنا طبیعتوں کا قرار

ابھی فنا کرے منفذ ھوا کا ذرہ خاک

نہ چھوڑے پانی کا قطرہ جہاں میں ایک شرار

گر اس کا حکم اتھاوے جہاں سے رشتۂ کفر

مجال کیا جو سلیمانی میں رھے زنار

شکوہ خیمہ کا اُس کے بیاں کروں لیکن

کہاں خیال کو ھے پہونچنے کا واں تک بار

کہ جس کی دیکھہ کے رفعت، فلک ھے چکر میں

اسی کے بوجھہ سے ھے صفحۂ زمیں کا قرار

نہیں ستارے یہ ھیں بلکہ لوٹتا ھے گا

اسی حسد سے انگاروں پہ چرخ لیل و نہار

کرے ھے عرش اُسے اپنے جبھہ پر صندل

گر اس کے فرش سے جاروب کا اتھے ھے غبار

کمیت خانے نے اب اس کے وصف گل گوں میں

کیا ھے صفحۂ کاغذ کو تختۂ گلزار

چمن میں صنع کے جس کی سبک روی آگے

کبھو نہ ایک قدم چل سکے نسیم بہار

غرض وہ گرم عناں ھو کے جب چمکتا ھے

نہیں پہونچتی ھے برق اس کی گرد کو زنہار

بیاں جلدی کا اُس کی کہاں تلک میں کروں

ملک کو جس کی سواری کا عزم ھو دشوار

چڑھا براق کے راکب نے دوش پر اپنے

سکھائی جس کو سواری وھی ھو اس پہ سوار

کہے ہے آ شہد ان لا الہ الاللہ

عدم میں کفر سدا یاد کر تری تلوار

جہاں نہ پہونچے ہے تیرے خیال کا پیکاں

کرے ہے واں سے گزر تیرے تیر کا سوفار

نمط حباب کے ' قالب تہي کریں دریا

گریں جو اُن پہ تری آتش غضب کے شرار

کریں ہیں نہ ورق آسمان کوتاهي

شہا اگر تیری بخشش کا کیجئے طومار

بھرا ز بس شکم حرص جو دئے تیرے

نہیں اب اس کے تئیں درد امتلا سے قرار

گھر نہ هوں جو ترے ابر فیض کے آگے

کرے نہ گر عرق انفعال ابر بہار

نگاہ فیض تري کیمیا اثر اتني

اگر وہ هو کرۂ خاک کی طرف اک بار

نہ نکلے کان سے فولاد تا ابد هرگز

عجب نہیں ہے بغیر از طلاے دست افشار

رهیں فلک پہ مہ و مہر جب تلک قائم

همیشہ دیکھے اسي طرح چشم لیل و نہار

موالیاں کے قدم سے لگا رهے اقبال

جدا نہ هو سر اعدا سے چنگل ادبار

منقبت حضرت علی علیہ‌السلام

اتھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل

تیغ اُردي نے کیا ملک خزاں مستاصل

سجدۂ شکر میں ھے شاخ ثمردار ھر ایک
دیکھ کر باغ جہاں میں کرم عز و جل

واسطے خلعت نو روز کے ھر باغ کے بیچ
آب جو قطع لگی کرنے روش پر مخمل

بخشتي ھے گل نو رستہ کی رنگ آمیزی
پوشش چھینٹ قلم کار بہ ھر دشت و جبل

عکس گلبن یہ زمیں پر ھے کہ جس کے آگے
کار نقاشي مانـي ھے دوم وہ اول

تار بارش میں پروتے ھیں گہر ھائے تگرگ
ھار پہنانے کو اشجار کے ھر سو بادل

بار سے آب رواں عکس ھجوم گل کے
لوٹتے ھے سبزے پہ از بسکہ ھوا ھے بے کل

شاخ میں گل کي نزاکت یہ بہم پہونچي ھے
شمع ساں گرمی نظارہ سے جاتي ھے پگھل

جوش روئید گیٔ خاک سے کچھہ دور نہیں
شاخ میں گاو زمیں کے بھی جو پھوٹے کو پل

یا سمن رنگ جو رکھتي ھے خزاں سے مانا
چاھتي ھے بہ‌سماجت کرے سبزے سے بدل

چشم نرگس کی بصارت کے ز بس ھے در پے
غنچۂ لالہ نے سر مے سے بھري ھے مکحل

اس قدر محو تماشا ھے کہ نرگس کی طرح
چشم‌سیار گلستاں میں جھپکتی نہیں پل

آبجو گرد چمن لمعۂ خورشید سے ھے
خط گلزار کے صفحے یہ طلائی جدول

سایۂ برگ ھے اس لطف سے ھر اک گل پر
ساغر لعل میں جوں کیجے زمرد کو حل
برگ برگ چمن ایسي ھی صفا رکھتا ھے
گل کو دیکھو تو نگہ جاوے ھے سنبل پہ پھسل
لڑکھڑاتی ھوئي پھرتی ھے خیاباں میں نسیم
پاؤں رکھتی ھے صبا صحن میں گلشن کے' سنبھل
اتنی ھے کثرت لعزش بہ‌زمین ھر باغ
جو ثمر شاخ سے اترا سو گرا سرکے بھل
فیض تاثیر ھوا یہ ھے کہ اب حنظل سے
شہد ٹپکے جو لگے نشتر زنبور عسل
دانہ جس شور زمیں میں نہ پھلا دھقاں سے
سبز واں دانۂ شبنم سے ھوا ھے جنگل
کشت کرنے میں ھر اک تخم سے از فیض ھوا
گرتے گرتے بہ زمیں برگ و بر آتا ھے نکل
جوھری کو چمنستان جہاں میں اس فصل
آگیا لعل و زمرد کے پرکھنے میں خلل
نسبت اس فصل کو' پر کیا ھے سخن سے میرے
ھے فضا اس کی تو دو چار ھي دن میں فیصل
اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام
رھےگا سبز بہ‌ھر مجمع و ھر یک دنگل
تا ابد طرز سخن کي ھے مري رنگینی
جلوۂ رنگ چمن جاوے گا اک آن میں ڈھل
نام تلخی نہیں مجھہ نطق میں جز شرینی
یک طرف تار گلستاں میں ھے یکسو حنظل

ہیں برومند سخن‌ور، مرے ہر مصرع سے
مصرعۂ سرو سے پایا ہے کسی نے بھی پھل

ہو جہاں کے شعرا کا مرے آگے سر سبز
نہ قصیدہ، نہ مخمس، نہ رباعی، نہ غزل

ہے مجھے فیض سخن اس کی ہے مداحی کا
ذات پر جس کی مبرهن کنم عزو جل

مہر سے جس کی منور رہے دل جوں خورشید
رو سیہ کینے سے جس کے رہے مانند زحل

بغض جس کا کرے جوں مور سلیماں کو ضعیف
مور کو حب سے ملے جس کے، یلوں کا سا بل

شیر یزداں، شہ مرداں علی، عالی قدر
وصی ختم رسل اور امام اول

خاک نعلین کی جس کی مدد طالع سے
پہنچے اس شخص کو جو شخص ہو اعمائے یزل

وہ نظر آئے اُسے دھر کی بینائی سے
رہ گیا اور رہے گا جو ابد تک اوجھل

مطلع دوم

دید تیرا بہ‌دوئی حق سے نگہ کا ہے خلل
ایک شے دو نظر آتی ہے بہ‌چشم احول

تیری قدرت بہ‌جہاں قدرت حق کی خاطر
خلق کے وھم غلط کار میں ٹھہری ہے مثل

رائے تیری کے موافق جو نہ لکھے نسخہ
کرے تاثیر نہ عیسے کا مداوا بہ کسل

سر کے پیکان نہ قبضے سے کماں کے سر مو
هو اشارہ جو ترا تیر قضا کو کہ "نہ چل"
معنئي علامت غائي جو نہ ہو، تو اُن کا
خانۂ ہر دو جہاں پھر ہوں دو بیت مہمل
جو گدا ہے بہ جہاں تیرے گدائے در کا
اُس کے درکا وہ گدا کہئے جسے اہل دول
وصف تجھہ تیغ دوسر کا میں کروں کیا شہ دیں
دل مجنوں کے جو میدان کرے ہے صیقل
کھینچ اُسے گر تو عدو پر کرے میداں میں نہیب
اِستقامت کا زمانے کي قدم جائے نکل
عرض میں سے دو طرف ہوکے لگے بھنے طول
پڑے دریا میں جو وہ تفرقہ انداز اکل
جمع کب وہ سکیں اعدا کے حواس خمسہ
دیکھ کر اس کو علم ہاتھہ میں تیرے یک پل
توام اجزا جو موالید کے ہیں یک دیگر
منجمد رہنے میں اُن کے وہیں آجائے خلل
اس کو آسیب نہیں صورت شمشیر قضا
نہ جھڑے وہ، نہ مڑے وہ، نہ پڑے اس میں بل
زیر راں ہے جو تیرے رخش فلک سیر شہا
ہے وہ محبوب جسے کہیے نہایت اچپل
شکل کیا اس کي بتاؤں کہ جسے شوخي سے
دائرے بیچ تصور کے نہیں پڑتی کل
حسبت و خیز اس کي بیاں کیجئے گر پیش کلیم
اعتقادات حکیمانہ میں آجاوے خلل

میخ سے نعل کی اس کے میں اگر دوں تشبیہ
کرے دورے کو تمام اپنے بیک آن زحل
اس کی جلدی کا تو کیا ذکر ہے سبحان للہ
نسبت اس کی فرس ایسا کہ جسے کہئے اچل
تو سن وہم کو دوڑائیے ساتھ اُس کے تو ہو
باز گشت اِس کا تمام اُس کے بہ کام اول
ہیبت عدل یہ تیری ہے کہ ہر دشت ' میں شیر
واسطے درد سر آہو کے گھسے ہے صندل
سامنے بز کے یہ کیا دخل کہ نکلے آواز
گرگ کے پوست کو منڈھوا کے بجائیں جو دھل
ذکر واں کار ترے حفظ کا گر آ جاوے
کسی محفل میں بہ تقریب' زباں پر یک پل
شعلۂ شمع کی گرمی سے یقیں ہے' دل کو
شب سے تا صبح قیامت' نہ سکے موم پگھل
امر سے نہی کے تیرے بہ جہاں یا شہ دیں
کام پہنچا ہے مناہی کا بھی یاں تک بہ ذلل
کیونکہ آواز مغنی ہو گلے سے باہر
شرم سے ساز کے پردوں میں سدا ہے اوجھل
امر حق سے جو ملایک نے یہ چاہا سونہیں
علم کا بار ترے کوہ فلک کو بہ ازل
عرض دونوں نے کیا یوں بہ جناب اقدس
بوجھ اس میں ہے بہت ہم ہیں گرفتار کسل

آخرش تجھ کو هي پایا متحمل اس کا
جب یہ دیکھا کہ کسي سے نہیں سکتا ھے سنبھل

مدح اپنی نہ سمجھ یہ جو کہا میں اس سے
رتبہ تجھ مدح کا اعلے ھے سخن ھے اسفل

عرض احوال ھے اپنا هي مجھے اس سے غرض
تا بہ آخر جو یہ موزوں میں کیا از اول

سو تو وہ کیا ھے رھا هووے جو تجھ سے مخفي
سادہ لوحی پہ مري کیجئے یہ نظم حمل

سب کا احوال ترے پیش ضمیر روشن
ایک سے دونوں هیں کیا ماضي و کیا مستقبل

پر کروں کیا میں کہ ھے آٹھ پہر دل میرا
گردش چرخ سے جوں شیشۂ ساعت بے کل

نہ تو روزانہ مجھے اس سے خورش کا آرام
نہ مري چشم میں خواب اس سے شبانہ یک پل

راست کیشوں سے کجي اتنی ھے اس ملعوں کو
کہ دیا سرد کو ان نے نہ کبھو پھول نہ پھل

کرکے دریافت اس احوال کو اب یا مولا
تجھ سے یوں عرض کرے ھے یہ ترا عبد عقل

جب پہنچا بہ زمین نجف اس عاصي کو
کہ اسے عمر ابد وہ جو واں آے اجل

میری قسمت کے موافق تو معین کردے
اپني سرکار سے واں ما تحلل کا بدل

ھاتھ پھیلائیے جا زیر فلک کس کے حضور
دست ھمت نظر آتا ھے جہاں کا بہ بغل

لیکن اس امر میں ھے حق بہ طرف خلقت کے
کر کے جب دیدۂ قسمت سے سبھوں کے اوجھل

جوھر جود و کرم تھا جو بہ روز تقسیم
لکھ گیا ھو وے ترے نام سے ملاشی ازل

طاقت طول سخن آگے بھی تک "سودا" کو
بخش اے قووت بازوئے نبیٔ مرسل

چاھتا ھے کرے آخر وہ دعائیہ پر
نظم تجھ مدح کی بہتر ز کلام اول

تا ملے خلعت نو روز بہ بستان جہاں
پاوے تا نیر اعظم شرف برج حمل

تا کرے سبزہ بہ رخسار گل اندام نمود
تا پڑے سنبل پیچیدۂ محبوب میں بل

تا رھے داغ دل سوختۂ عاشق کو
پھولتا لالۂ خود رو رھے جب تک بہ جبل

بحر میں قطرۂ نیسا سے ھو جب تک گوھر
کر کے تا وقت ترشح کے، ھوا میں بادل

بوئے گل مست کرے باغ میں تا بلبل کو
تا کرے باد سحر عقدے کو غنچے کے حل

موج ھو آب کی تا سرو کے پائیں زنجیر
جب تلک طوق رھے گردن قمری کا محل

تالب جو یہ کرے خیمۂ اِستادہ حباب
تا بچھاوے بہ روش سبزۂ فرش مخمل
قدر ہو عود کي تا مجمر و آتش سے فزوں
لطف بوتا رہے عالم میں بہ چوب صندل
نخل امید سے اپنے ہوں برو مند محب
ہو محبت نہ تري جن کو نہ پاویں وہ پھل

نعت

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغاے مسلمانی
نہ ٹوٹي شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
ہنر پیدا کر اول ترک کیجو تب لباس اپنا
نہ ہو جوں تیغ بے جوہر و گر نہ ننگ عریاني
فراہم زر کا کرنا باعث اندوہ دل ہو وے
نہیں کچھ جمع سے غنچے کو حاصل جز پریشانی
خوشامد کب کریں عالی طبیعت اہل دولت کَي
نہ جھاڑے آستین کہکشاں شاہوں کي پیشاني
عروج دست ہمت کو نہیں ہے قدر بیش و کم
سدا خورشید کی جگ پر مساوی ہے زر افشانی
کرے ہے کلفت ایام ضائع قدر مردوں کی
ہوئی جب تیغ زنگ آلودہ کم جاني ہے پہچاني
اکیلا ہوکے رہ دنیا میں چاہے گر بہت جیتا
ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی

اذیت وصل میں دونی جدائي سے ہو عاشق کو
بہت رہتا ہے نالاں فصل گل میں مرغ بستانی

مؤثر جان! ارباب ہنر کو بے لباسی میں
کہ ہو جو تیغ با جوہر، اُسے عزت ہے عریانی

بہ رنگ کوہ رہ خاموش حرف نا سزا سن کر
کہ تا بد گو صدا ے غیب سے کھینچے پشیمانی

یہ روشن ہے بہ رنگ شمع ربط با دو آتش سے
موافق گر نہ ہووے دوست، ہے وہ دشمن جانی

نہیں غیر از ہوا کوئي توقي بخشش آتش کا
نفس جب تک ہے داغ دل سے فرصت کیونکہ ہے پانی

کرے ہے دہر زینت ظالموں پر تیرہ روزي کو
کہ زیب ترک چشم یار سرمہ ہے صفاہانی

مطلع دوئم

عجب نادان ہیں جن کو ہے عجب تاج سلطانی
فلک بال ہما کو پل میں سونپے ہے مگس رانی

نہیں معلوم اُن نے خاک میں کیا کیا مزا دیکھا
کہ چشم نقش پا سے تا عدم نکلی نہ حیرانی

زمانے میں نہیں کھلتا ہے کار بستہ حیراں ہوں
گرہ غنچہ کي کھولے ہے صبا کیوں کر بہ آسانی

جلوں کے ہاتھ سے سر تا قدم کاهیدہ اتنا ہوں
کہ اعضا دیدۂ زنجیر کي کرتے ہیں مژگانی

نہ رکھا جگ میں رسم دوستی اندوہ روزی نے
مگر زانو سے اب باقی رہا ہے ربط پیشانی

سوہ بختی میں اے "سودا" نہیں طول سخن لازم
نمط خامے کے سر کٹوائے گي ایسي زباں داني

سمجھ اے نا قباحت فہم کب تک یہ بیاں ہو
ادائے چین پیشاني و لطف زلف طولانی

خدا کے واسطے باز آ تو اب ملنے سے خوباں کے
نہیں ہے اُن سے ہرگز فائدہ غیر از پشیماني

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو صنم کرتا ہے تکلیف مسلمانی

ز ہے دین محمد پیروی میں اس کي جو ہووے
رہے خاک قدم سے اُس کي چشم عرش نوراني

ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکي کو گر اس کی
امانت دار نور احمدي ہوتی نہ پیشانی

زباں پر اس کی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت کا
کرے واں ناز آمرزش پہ ہر اک فاسق و زانی

موافق گر نہ کرتا عدل اُس کا آب و آتش کو
تو کوئي سنگ سے بندھتي تھی شکل لعل رمانی

پلے ہے آشیاں میں باز کے بچہ کبوتر کا
شباں نے گرگ کو گلے کي سونپی ہے نگہباني

ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اس وقت دنیا میں
و گر نہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی

حدیث من رآني دال ہے اس گفتگو اوپر
کہ دیکھا جس نے اس کو اس نے دیکھی شکل یزدانی

غرض مشکل همیں هوتی که پیدا کرکے ایسے کو
خدا گر یه نه فرماتا "نهیں کوئی مرا ثانی"
بس آگے مت چل اے "سودا" میں دیکھا فہم کو تیرے
کر استغفار اس منهه سے اب ایسے کی ثنا خوانی

نعت و منقبت

چهرهٔ مهروش هے ایک، سنبل مشک فام دو
حسن بتاں کے دور میں، هے سحر ایک، شام دو
فکر معاد اب کریں، یا که معاش کی تلاش
زندگی اپنی ایک دم، کیجئے کیونکه کام دو
پهینکے هے منجنیق چرخ تاک کے سنگ تفرقه
بیٹهه کے ایک دم کهیں، هوویں جو هم کلام دو
خرد و بزرگ دهر میں، نسبت جام و شیشه جان
بادہ تو اُن میں ایک ہے، گوکه هوے بنام دو
مثل زباں خامه هیں، گر نبی و امام دو
معنی تو ان میں ایک هیں گو که هوے بنام دو
هونے نه دے غروب ایک، پهر نماز مهر کو
ایک کرے اشارے سے، قرص مه تمام دو
ان کے طواف روضه کو پهنچے کبهی نه جبرئیل
رکهه کے زمیں په ایک گام، تا نه کرے سلام دو
موسیٰ و خضر اور مسیح، در په اُنهوں کے وقت طوف
ایک بنے جو چوبدار کرتے هیں اهتمام دو

سجدہ کریں ہیں مہر و مہ، درپہ انہوں کے روز و شب
برہمن اس سے یوں ہوا داغی ہیں یہ غلام دو

ہوتے حکیم کس سبب ؟ معتقد قیام دہر
دیتے نہ گر زمانے کو مل کے یہ انتظام دو

وصف براق و دلدل اب، کہئے تو میں بیاں کروں
شرق سے تا بہ غرب تک جن کے تئیں ہیں گام دو

مرضیِ حق نہیں ہے یہ دو ہوں ہوا اور ایک بام
ورنہ پھریں وہ عرش پر، ایسے ہیں خوش خرام دو

برش انہوں کی تیغ کی، مجھ سے بیاں نہ ہو سکے
خامے کی اب زباں ہوئی لکھنے سے جس کا نام دو

اس کے خیال میں کوئی دیکھے جو اپنے باپ کو
احولوں کی طرح اسے، آوے نظر تمام دو

"سودا" اب آگے کیا کہوں مجھ سے کہے ہے ان کا ذکر
قطع کلام کرکے تم مدح کو اختتام دو

چاہے تھی طبع یہ مری طول دے اس کلام کو
کہویں علی نبی سے یوں، اس کا صلہ تمام دو

یہ بھی صلہ نہیں ہے کم عرصہ حشر میں اگر
یاد کریں جو مجھ سے کو ایسے بہ احترام دو

مدح امام حسن عسکري عليه‌السلام

عيب پوشي هو لباس چرک سے کيا ننگ ھے
مان اے آئينه بهتر اس صفا سے زنگ ھے

وضع سے کم مايه اپني' کيا ترقي کر سکے
چاهيے دريا هو ' يه کب گهر ميں ڈهنگ ھے

غش بهم پهنچا نه محروم تجلي دل کو رکھ
صيقل اس آئينه کي' گرد شکست رنگ ھے

اپنے بهي مرهوں همت هوں نه عالی همتاں
کوه کي شمشير کو کب احتياج سنگ ھے

تک پرے رکهنا قدم اس آستاں سے گرد باد
خاکساري کو همارى ' سرکشی سے ننگ ھے

محو حيرت کے تمئيں ھے' دوست اور دشمن سے کيا
آئينه تصوير کا دور از غبار و زنگ ھے

صبحدم "سودا" چمن ميں مجھ کو آيا تها نظر
ان دنوں شايد وه کچھ شور جنوں سے تنگ ھے

پائے گلبن' بے دماغانه سا کچھ بيٹها هوا
اک غزل پڑهتا تها يه مطلع کا جس کے ڈهنگ ھے

شمع کا ميرے صدائے خندۂ گل ننگ ھے
تک پرے جا بول بلبل گو تو مير آهنگ ھے

هوسکيں نازک دلاں کب روکش صرف درشت
عکس بال طوطی اپنے آئينه پر سنگ ھے

ياں سموم عشق سے کس کو ھے جوشش کا دماغ
شعلۂ آتش مرے کانٹے په گل کا رنگ ھے

گرد هوں میں تو نہیں خاطر نشینی کا دماغ
آئینہ هوں تو صفائي میري' مجھ پر زنگ هے

تک پرے گلشن سے میرے شور کر ابر بہار
یاں صدائے رعد آواز شکست سنگ هے

ناز پروردہ جو استغنا کے هیں ان کے تئیں
یک قدم راہ طلب طے کرنی سو فرسنگ هے

دیکھنا راہ اجل ان کو تماشا رقص کا
درد دل سننا کسي کا ان کو عود و چنگ هے

غم کسي دل سوختہ پر ان کو کھانا هے کباب
نت انھیں خون جگر پینا مے گل‌رنگ هے

خاک در ایک ایسے کے هیں' وہ زري مسند هے کیا
عرش کے دامن پہ گر بیٹھیں تو ان کا ننگ هے

قبلۂ دنیا و دیں یعنے امام عسکري
جس کی میزاں عدالت اتنی بے پا سنگ هے

ایک پلے میں هو کاہ اور دوسرے پلے میں کوہ
کاہ کو باور تو کرنا کوہ سے هم‌سنگ هے

پشت خار آهوے صحرا هے پنجہ شیر کا
باز کا ' چڑیا کي خاطر' آشیانہ چنگ هے

نہي سے تجھ امر کے اب یا امام‌المتقیں
بس کہ منہیات پر عرصہ جہاں کا تنگ هے

چشم خوباں میں شراب آتي هے لینے کو پناہ
گل رخاں کے خط نہیں آتش کے اوپر بنگ هے

میں گداؤں کي ترے در کے کہوں همت سو کیا
اس‌کي یہ هے گفتگو جو ان میں لنج و لنگ هے

کہہ سلیماں سے، نگیں اپنے پہ تو نازاں نہ ہو
پیش ارباب ہمم یہ دست زیر سنگ ہے

اس زمیں کو جس پہ اس کا دست ہو سایہ فگن
کچھ سوا گل اشرفی کے سبز کرنا ننگ ہے

منھ پہ تیغ برق دم، الماس پی کر کے ترے
یک قدم آنا عدو کو راہ سو فرسنگ ہے

گر سر دشمن پہ ہو میداں میں وہ سایہ فگن
خود و قاش زیں دو حصہ تا بہ حد تنگ

پر نہیں یہ وصف اس کے جو بیاں میں نے کیے
بلکہ یہ تعریف تو اس کی برش کا ننگ ہے

آسماں سے تا زمیں اور گاؤ سے ماہی تلک
امتحاں گر کیجئے اس کو تو اک چورنگ ہے

لیتے ہیں تعلیم واں ہر روز آکر گرد باد
جس جگہ سر گرم کاوے پر ترا شبرنگ ہے

گرد جولاں گاہ کا اس کے کہوں میں کیا دماغ
عارض خوباں کے خط ہونے سے جس کو ننگ ہے

بگڑا ہی جاتا ہے ہاتھوں میں جلو لینے کے وقت
نکلا ہی پڑتا ہے رانوں سے یہ اس کا رنگ ہے

کر قصیدے کے تئیں ''سودا'' دعائیہ پہ ختم
قافیے کی وسعت اب آگے نہایت تنگ ہے

سر گل امید سے محروم تیرے دوست کا
ہو نہ جب تک گلشن دنیا میں آب و رنگ ہے

لالہ ساں ہو غرق آتش میں عدو سر تا قدم
پر شرر جس وقت تک دامان کوہ وسنگ ہے

شہر آشوب

کہا یہ آج میں "سودا" سے کیوں تو ڈانواں ڈول
پھرے ہے، جا کہیں نوکر ہو لے کے گھوڑا مول
لگا وہ کہنے یہ اس کے جواب میں دو بول
جو میں کہوں گا تو سمجھے گا تو کہ ہے یہ ٹھٹھول
بتا کے نوکری بکتی ہے ڈھیر یوں یا تول

سپاہی رکھتے تھے نوکر امیر دولت مند
سو آمد ان کی تو جاگیر سے ہوئی ہے بند
کیا ہے ملک کو مدت سے سرکشوں نے پسند
جو ایک شخص ہے بائیس صوبے کا خاوند
رہی نہ اس کے تصرف میں فوجداری کول

بس ان کا ملک میں کار نسق جو یوں ہو تباہ
کہ کوہ زر ہو زراعت میں تو نہ دیں پرکاہ
جگہ وہ کون سی نوکر رکھیں یہ جس پہ سپاہ
کہاں سے آویں پیادے کریں جو پیش نگاہ
کدھر سوار جو پیچھے چلیں وہ باندہ کے غول

رہی فقط عربی باجے پر انہوں کی شان
جو چاہیں اس کو نہ بجواویں یہ تو کیا امکان
پر ان کا فکر ہے تخفیف خرچ پر ہر آن
رہے گا حال یہی ملک کا اگر تو ندان
گلے میں طاشا کہاروں کے پالکی میں ڈھول

پڑے جو کام انہیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو موئی پھرے لڑائی سے

پیادے هیں سو تریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے
کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الوال

نہ صرف خاص میں آمد نہ خالصہ جاری
سپاهی تا متصدی سبھوں کو بے کاری
اب آگے دفتر تن کی میں کیا کہوں خواری
سوال دستخطی کو پھاڑ کرکے پنساری
کسی کو آنولہ دے باندھ کر کسی کو کتّول

یہ جتلے نقدی و جاگیر کے تھے منصب دار
تلاش کرکے ڈیلتے انھوں نے هو ناچار
ندان قرض میں بنیوں کے دے سپر تلوار
گھروں سے اب جو نکلتے هیں لے کے وہ هتھیار
بغل کے بیچ تو سونٹا هے هاتھ میں کچکول

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں هوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ هو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جاے بهر نماز
تو واں چراغ نہیں هے بجز چراغ غول

کسی کے یہاں نہ رہا آسیا سے تابہ اُجاغ
هزار گھر میں کہیں ایک گھر جلے هے چراغ
سو کیا چراغ وہ گھر هے گھروں کے غم سے داغ
اور ان مکانوں میں هر سمت رینگتے هیں اُلاغ
جہاں بہار میں سنتے تھے بیٹھ کر هنڈول

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتي رہے تھي بھوک اور پیاس
اور اب جو دیکھو تو دل ہو وے زندگی سے اُداس
بہ جاے گل، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

یہ باغ کھاگئي کس کی نظر نہیں معلوم
نہ جانے کن نے رکھا یاں قدم وہ کون تھا شوم
جہاں تھے سرو و صنوبر وہاں اُگے ہے زقوم
مچے ہے زاغ و زغن سے اب اس چمن میں دھوم
گلوں کے ساتھ جہاں بلبلیں کریں تھی کلول

جہاں آباد تو کب اس ستم کے قابل تھا
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں اتھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھي خلق موتي رول

دیا بھي واں نہیں روشن، تھے جس جگھہ فانوس
پڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانے کے مانوس
کرور دل پر از امید ہوگیے مایوس
گھروں سے یوں نجبا کے نکل گیے ناموس
ملي نہ ڈولي انہیں جو تھے صاحب چوڈول

نجیب زادیوں کا ان دنوں ہے یہ معمول
وہ برقع سرپہ ہے جس کا قدم تلک ہے طول

ہے ایک گود میں لڑکا گلاب کا سا پھول
اور اُن کے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اُصول
کہ خاک پاک کی تسبیح ہے جو لیجے مول
غرض میں کیا کہوں یارو کہ دیکھ کر یہ قہر
کرور مرتبہ خاطر میں گزرے ہے یہ لہر
جو تک بھی امن دل اپنے کو دے دے گردش دہر
تو بیٹھ کر کہیں یہ روئیے کہ مردم شہر
گھروں سے پانی کو باہر کریں جھکول جھکول
بس اب خموش ہو ” سودا “ کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اِس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

هجویات

ایک مریل گھوڑا

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار
رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے
ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے
موچی سے کفش پا کو گٹھا تے ہیں وہ ادھار

هیں گے چنانچہ ایک ہمارے بھی مہرباں
پاوے سزا جو ان کا کوئي نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے' دنائت کي راہ سے
گھوڑا رکھیں ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کاہ' نہ تیمار' نہ سئیس
رکھتا ہو جیسے اسپ گلي طفل شیر خوار
نا طاقتي کا اس کي کہاں تک کروں بیاں
فاقوں کا اس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
ہر رات اختروں کے تئیں دانہ بوجھ کر
دیکھے ہے آسماں کی طرف ہوکے بے قرار
خط شعاع کو وہ سمجھ دستۂ گیاہ
ہردم زمیں پہ آپ کو پٹکے ہے بار بار
فاقوں سے ہنہنانے کي طاقت نہیں رہی
گھوڑي کو دیکھتا ہے تو......ہے بار بار
نہ استخواں' نہ گوشت' نہ کچھ اس کے پیٹ میں
دھونکے ہے دم کو اپنے کہ جوں کھال کو لہار
سمجھا نہ جائے یہ کہ وہ ابلق ہے یا سرنگ،
خارشت سے ز بس کہ ہے مجروح بے شمار
القصہ ایک دن مجھے کچھ کام تھا ضرور
آیا یہ دل میں جائیے گھوڑے پہ ہو سوار
رہتے تھے گھر کے پاس قضا را وہ آشنا
مشہور تھا جنھوں کنے وہ اسپ نا بکار
خدمت میں اُن کی میں نے کیا جا یہ التماس
گھوڑا مجھے سواری کو اپنا دو مستعار

فرمایا تب انھوں نے کہ اے مہر بان من
ایسے هزار گھوڑے کروں تم پہ میں نثار
لیکن کسی کے چڑھنے کے لائق نہیں یہ اسپ
یہ واقعی هے اس کو نہ جانو گے انکسار
مانند میخچوں کے لکد زن هے تھان پر
لا جنب وہ زمیں سے هے جوں میخ استوار
هے پیر اس قدر کہ جو بتلائے اس کا سن
پہلے وہ لے کے ریگ بیاباں کرے شمار
لیکن مجھے زروے تواریخ یاد هے
شیطاں اسی پہ نکلا تھا جنت سے هو سوار
کم رو هے اس قدر کہ اگر اس کے نعل کا
لوھا منگا کے تیغ بنادے کبھو لوهار
هے دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ
رستم کے هاتھ سے نہ چلے وقت کارزار
مانند اسپ خانۂ شطرنج اپنے پانوں
جز دست غیر کے نہیں چلتا هے زینہار
دهلی تک آن پہنچا تھا جس دن کہ مرهٹا
مجھ سے کہا نقیب نے آ کر، هے وقت کار
ناچار هوکے تب تو بندهایا میں اس پہ زیں
هتھیار باندھ کر میں هوا جاکے پھر سوار
جس شکل سے سوار تھا اُس دن میں کیا کہوں
دشمن کو بھی خدا نہ کرے یوں ذلیل و خوار
چابک تھے دونوں هاتھ میں پکڑے تھا منھ سے باگ
تک تک سے پاشنہ کے مرے پانوں تھے فگار

آگے سے تو بـڑا اُسے دکھلائے تھا سئیس

پیچھے نقیب ھانکے تھا لاتھی سے مار مار

اس مضحکہ کو دیکھہ ہوے جمع خاص و عام

اکثر مدبروں میں سے کہتے تھے یوں پکار

پہیے اسے لگاؤ کہ تا ھو وے یہ رواں

یا بادبان باندھ پون کے دو اختیار

نا چار الغرض میں ھوا مستعد بہ جنگ

اتنے میں مرھتا بھي ھوا مجھہ سے آ دو چار

گھوڑا تھا بس کہ لاغر و پست و ضعیف و خشک

کرتا تھا یوں خفیف مجھے وقت کار زار

جاتا تھا جب ڈپٹ کے میں اس کو حریف پر

دوڑوں تھا اپنے پاؤں سے جوں طفل نے سوار

جب دیکھا میں کہ جنگ کی یاں اب بند ھي ھے شکل

لے جوتیوں کو ھاتھہ میں گھوڑا بغل میں مار

دھر دھمکا واں سے لڑتا ھوا شہر کی طرف

القصہ گھر میں آن کے میں نے کیا قرار

گھوڑے مرے کي شکل یہ ھے تم نے جو سنی

اِس پر بھی دل میں آے تو اب ھو جیے سوار

راجہ نرپت سنگھ کا ہاتھی

بدن پر اب نظر آتی ہے یوں کھال
طناب سست سے خیمے کا جوں حال
نمودار اِس طرح ہر استخواں ہے
گویا ہر پسلی اُس کی نردباں ہے
نہ بیڑی ہے نہ کٹ بندھن نہ لنگڑا
رکھے ہے ناتوانی اُس کو جکڑا
ضعیفی نے کیے اس کے قریبی گم
گیا ہاتھی نکل اور رہ گئی دم
ہوئی ہے ناتوانی اُس کے درپے
کہ وہ ڈیل اب دھوئیں کی سی گرہ ہے
سمجھنا فیل اُسے دیوانہ پن ہے
کسی مدت کا یہ بسام کہن ہے
ستون اس کے تلے یہ پاؤں ہیں چار
رہے دو دانت آگے سو ہیں اوزار
جو بیٹھے یہ تو اٹھنا اِس سے ہے دور
لگیں جب تک نہ اِس کو راج و مزدور
اٹم ہے خاک کا یا راکھ کا ڈھیر
کہیں ہیں اِس کو ہاتھی، ہے یہ اندھیر
ہلاتا یوں ہے یہ کانوں کو ہر بار
کہ دھونکیں پنکھوں سے کوئلوں کا انبار
ہے اتنا چلنے میں بجریہ بد ذات
نہیں ہاتھی صعوبت کی ہے یہ رات
یہ عالم چلنے میں خرطوم کا ہے
کہ وصف کور میں گویا عصا ہے
جو کہیے فیل اُسے بہتان ہے یہ
عجائب تودۂ طوفان ہے یہ

ایک کنجوس امیر کا باورچی خانہ

پھر اِن کا گر آوے وقت طعام
جائے لقمے کے کہائے وہ دشنام
یونہیں اُٹھ جائیں اُس کو دے بُتّا
ماریں نہیں چھوتے ہاتھ سے کُتّا
کام بھوکے کا اِن کے مطبخ سے
نہیں ممکن کہ اِس سوا نکلے
کھانا یاں کھاوے ہاتھ واں دھو وے
گرمیوں بیچ پیٹ بھر سو وے
بس کہ مطبخ میں سردی رہتی ہے
ناک باورچیوں کی بہتی ہے
اِن کے مطبخ سے دود اُٹھے ہے اگر
سقے لے دوڑتے ہیں مشکیں بھر
لگے ہے دینے کوئی اُٹھ کے اذاں
کوئی دکھاوے ہے کھول کر قرآں
ڈالے ہے کوئی چھپر اپنے کاٹ
کوئی پھرے سر دھرے کھٹولا کھاٹ
اِن کے باورچی خانے کا احوال
چھولہے ہر گھر کے جب کریں ہیں خیال
ڈالیں ہیں سرپہ خاک ماتم سے
لکڑی جلتی ہے آتش غم سے
سینے دیگوں کے مارتے ہیں جوش
روتے ہیں ڈھانپ منھ سر پوش

روز باورچی یوں کریں فریاد
کبھی تو کچھ کرو ہمیں ارشاد
کیا ترے بعد کر کے کھاویں گے
کسب جب اپنا بھول جاویں گے
کی زمانے نے لاکھ ہی تدبیر
نہ ملا دیگچے سے یاں کفگیر
کرے سو عید گنبد گرداں
نہ تلے اِن کے گھر سے پر رمضاں
الغرض مطبخ اِس گھرانے کا
رشک ہے آبدار خانے کا
جس سے طوفان نے کیا تھا ظہور
اِن کی نانی کے گھر کا تھا وہ تنور

ایک ندیدہ پیٹو

ہے عجیب و غریب زیر سما
اک یہاں صورت آشنا میرا
کھیئے اس کے تئیں قسم کھا کر
امت دانیال پیغمبر
شاہ قانع اگر ولی ہو فقیر
اس کو مانے کبھی نہ یہ بے پیر
دھر نے یہ بڑی حماقت کی
اپنے گھر اس کی لا ضیافت کی

لاکر ایسا هي ایک دستر خواں
طول و عرض اس کا کیا کروں میں بیاں
شرق سے تا بہ غرب بچھوایا
اس پہ تنہا اسی کو بٹھلایا
اس پہ نعمات حق جہاں تک تھے
یاں سے آگے وہ اس کے واں تک تھے
اِس میں کچھ اُس سے هوگئي آن بن
اس کو اُٹھوا دیا پکڑ گردن
هاتھ بھي یہ نہ ڈالنے پایا
چاٹتا هونٹ اپنے گھر آیا
کنکری چننے پر هے اب گزران
معدہ اس کا هے مرغ کا سنگدان
سنگ ریزے تلک نہ اس سے بچے
معدے میں اس کے تو پہاڑ پچے
آدہ سیر آٹے کا خدا هے کفیل
پیٹ اس کا عمر کی هے زنبیل
گھر میں اب جس کے دیکھیھ کھڑ کے
دریہ اُس کے یہ بیٹھے یوں اڑ کے
گور سے پھر جو رستم اتھ کر آے
میت اس کی اتھاے یا نہ اتھاے
خوردنی کي هو جس زمیں پر باس
جمع واں کر کے اپنے هوش و حواس
بیٹھے مکھي کي طرح پے دَر پے
دونوں هاتھوں سے سر کو پیٹتے هے

آگ لگ کر کسی کے گھر سے دود
ایک ذرہ بھي گر کرے ھے نمود
لوگ تو دوڑیں ھیں بجھانے کو
دوڑے یہ لے رکابي کھانے کو
ھر کسی بنیے کی دکان پہ جا
اپنی باتوں میں اس کو لے ھے لگا
کام ھر وجھ اپنا کر لیوے
کلے بندر کي طرح بھر لیوے
توڑ کھاتا ھے جاکے پا خانے
یہ بوالہوس اپنی کے دانے
اس لیے ھجو خلق کرتا ھے
گالیاں کھانے تک بھی مرتا ھے
نان بائي محلہ یوں فریاد
کرے ھے یارو دیکھو یہ بیداد
چاٹے ھے چوري سے رفیدے کو
مار ڈالوں گا اس ندیدے کو
جو اسے میہماں بلاوے ھے
آفت اپنے وہ گھر پہ لاوے ھے
بیٹھتے ھی نکالے ھے یہ ذکر
پیٹ کی میرے کچھ تمھیں ھے مکر
بھوک کچھ کم ھے اِن دنوں میری
روٹیاں سو پچاس اور سیري
نان با کو کھو یہ بلوا کر
جلد اِن کو تنور لگواکر

جب تلک کھانے پک چکیں سارے
ان ہی کو لاکے میرے سر مارے
جب تلک کھانا آوے ہی آوے
اسی بک بک میں جان کھا جاوے
کھانا آوے تو اس طرح توٹے
جیسے کوئی کسی کا گھر لوٹے
جاوے بازار کو اگر وہ لیئم
خلق سمجھے کہ پہنچی فوج غنیم
نان با ، بنیے ، کنجڑے ، حلوائی
کہیں ، آفت کدھر سے یہ آئی
جو ہے دوکان میں سو اِس کو بچے
جان یارب ہماری اِس سے بچے
بھوک میں جب ادھر یہ آتا ہے
لوگوں کو کاٹ کھاتا ہے
چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا
توشے کی روٹی کو بھی کھاوے گا

خواجہ میر درد

خواجہ میر نام، صحیح النسب حسینی سید ہیں ، آبائی سلسلہ حضرت امام عسکری سے ملتا ہے اور مادری سلسلہ غوث اعظم تک پہونچتا ہے ، والد کا نام خواجہ ناصر اور تخلص " عندلیب " تھا پرانی دھلی میں سکونت تھی -

خواجہ ناصر کے والد فارغ التحصیل ہوکر بخارا سے ہندوستان آے ، عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا خواجہ میر " درد " سنہ ۱۱۴۳ھ میں پیدا ہوے ، اپنے والد سے درسیات پڑھیں ، ان کی تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور پر تحصیل علم نہیں کیا تھا بلکہ کمال اور تبحر حاصل تھا - ان کا خاندان ایک مشہور صوفی خاندان تھا - سوز و گداز تصوف کے ساتھہ شاعری بھی ان کو ارث میں ملی تھی -

میر " درد " ابتدائے جوانی میں ۲۸ برس کی عمر تک اسباب دنیا کی فراھمی کی طرف متوجہ رھے اور اس راہ کے کانٹوں سے ان کا پاے طلب فگار بھی ہوا ، لیکن ۲۹ سال کی عمر میں وہ ان سے اپنا دامن چھڑا کر گوشۂ توکل میں بیٹھہ گئے - خواجہ ناصر کی وفات کے بعد ۳۹ سال کی عمر میں اُن کے سجادہ نشین ہوئے اور آستانۂ توکل و بے نیازی مرکر چھوڑا ، دھلی میں انقلاب سلطنت کا طوفان شرافت کے بڑے بڑے ستونوں کو بہا لے گیا ، وطن پرست ، غریب الدیار ہو گئے ، لیکن خواجہ صاحب کے پائے استقلال کو جنبش نہ ہوئی ، یہاں تک

کہ حملۂ نادری کا بادل امنڈ امنڈ کر برسا اور برس کر کھل گیا لیکن ان کے استقلال کا دامن تر نہ ہوا -

" میر درد " کو موسیقی میں وہ کمال حاصل تھا کہ مشہور اور معروف استاد گویے آپ سے استفادہ کرتے تھے' ان کی غزلیات میں جو ترنم ہے وہ ان کے اِسی کمال کا نتیجہ ہے - ان کے یہاں ہر مہینے کی بارھویں اور چوبیسویں تاریخوں میں مجلس سماع منعقد ہوتی تھی جس میں گانے والے بے بلائے آتے اور اپنی خوشی چلے جاتے تھے' میر ''درد'' کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا - میر تقی " میر " کا سا نازک دماغ شاعر اپنے تذکرے میں ان کی شاعری کی بڑی تعریف کرتا ہے میر " حسن " نے اپنے تذکرے میں میر " درد " کی شاعری کی انتہائی تعریف کی ہے اور ان کی پیروی کا صاف طور پر اعتراف کیا ہے - " سودا " کا سا باکمال شاعر " درد " کی غزل کے جواب میں غزل کہنا بے ادبی سمجھتا ہے اور کہتا ہے :—

" سودا " بدل کے قافیہ تو اس غزل کو لکھ

اے بے ادب تو درد سے بس دو بدو نہ ہو

اس کمال شاعری کے باوجود کہتے ہیں کہ ''شاعری ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی اپنا پیشہ بنائے اور اس پر ناز کرے'' نالۂ درد میں اپنی شاعری کے متعلق لکھتے ہیں :—

فقیر کے اشعار با وجود رتبۂ شعری کے پیشۂ شاعری اور نتیجۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں - فقیر نے شعر کبھی آورد سے موزوں نہیں کیا اور نہ اس میں مستغرق ہوا - کبھی کسی کی مدح نہیں کی' نہ ہجو لکھی' اور فرمایش سے شعر نہیں کہا -

خواجہ صاحب میں استغنا اور دنیا سے بے پروائی جو لازمۂ تصوف ھے بدرجہ اتم موجود تھی، اس کے ساتھ حد درجہ مہذب اور متین تھے -

خواجہ صاحب کے شاگردوں میں قیام‌الدین "قائم" ھدایت‌اللہ خاں " ھدایت " ثناءاللہ خاں " فراق " غلام قادر " سامی " کا نام لیا جاتا ھے - ان میں قائم کا درجہ بہت بلند ھے -

آزاد نے آب حیات میں لکھا ھے :—

"خواجہ میر " درد " کی غزل سات شعر نو شعر کی ھوتی ھے مگر انتخاب ھوتی ھے، خصوصاً چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں کہتے ھیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ھیں" اردو تغزل کے جام میں تصوف کے ساتھ ترنم کی مستی بھرنے والے سب سے پہلے خواجہ صاحب ھیں، وہ پہلے شاعر ھیں جن کے فیض توجہ نے اردو تغزل کو محبوب حقیقی کے حسن و کرشمہ کا جلوہ گاہ بنا دیا ھے، خواجہ صاحب کی قدرت، دیکھئے انھوں نے جو لفظ جہاں استعمال کیا ھے اس طرح کہ اس کو اپنی جگہ سے نکال دیجئے تو پورے شعر میں کمی محسوس ھونے لگے -

خواجہ صاحب کے مختصر دیوان کی منتخب غزلوں میں اخلاق، تصوف، کیفیات قلبی - واردات حسن و عشق سبھی کچھ موجود ھے -

خواجہ صاحب نے تغزل کی بنیاد " عشق حلال " پر رکھی ھے امرد پرستی، بوالھوسی سے اس کے دامن کو داغدار نہیں کیا ھے - اُن کی غزل کا عام موضوع عشق حقیقی ھے لیکن جب کبھی عشق مجازی بیان کرتے ھیں تو بھی عشق کا نہایت بلند معیار پیش نظر رکھتے ھیں - خود فرماتے ھیں " بوالھوسی عشق مجازی نہیں اور اس مجاز

کو حقیقت کي راہ نہیں کہہ سکتے ' پیر کي محبت وہ عشق مجازي ھے جو مطلوب حقیقي تک پہونچا دیتي ھے "

ان کی تصانیف اسرارالصلوٰۃ - واردات درد (اس میں ایک سو گیارہ رسالے ھیں) نالہ درد ' آہ سرد ' درد دل - سوز دل - شمع محفل - علم‌الکتاب - دیوان فارسي - دیوان اردو - کے دیکھنے سے ان کے فضل و کمال بلکہ علمي تبحر کا پتا چلتا ھے -

غزلوں کے علاوہ میر " درد " کی رباعیاں بھي اردو شاعري میں خاص مرتبہ رکھتی ھیں - انھوں نے اپنی رباعیوں میں بھی صوفیانہ ' عاشقانہ اور اخلاقي مضامین نہایت پر اثر انداز میں بیان کیے ھیں -

شیریں اور فصاحت میر " درد " کی زبان کے خاص جوھر ھیں ' اُن کا کلام نامانوس تراکیب - ثقیل الفاظ ' لفظي و معنوي تعقیدات بعیدالفہم استعارات اور دور از قیاس تشبیہات سے تقریباً بالکل پاک ھے - خواجہ صاحب نے ۹۱ سال کی عمر میں ۲۴ صفر سنہ ۱۱۹۹ھ کو جمعہ کے دن وفات پائی - ایک مرید نے تاریخ کہي

حیف دنیا سے سدھارا وہ خدا کا محبوب

مزار ترکمان دروازہ دھلی میں ھے -

انتخاب

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
مانند حباب آنکھ تو اے "درد" کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

باہر نہ ہو سکی تو، قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت، دیکھا شعور تیرا
جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہے از بس غرور تیرا
اے "درد" منبسط ہے ہر سو کمال اس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہے قصور تیرا

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا، افسانہ تھا
ہوگیا مہماں سرائے کثرت موہوم، آہ
وہ دل خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

میں اپنا درد دل چاہا‘ کہوں‘ جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

گرچہ وہ خورشید رو نت هے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں‘ بھر کے نظر دیکھنا

هم جانتے نہیں هیں اے ”درد“ کیا هے کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو‘ اودھر نماز کرنا

ساقی مرے بھي دل کی طرف‘ ٹک نگاہ کر
لب تشنۂ تیری بزم میں‘ یہ جام رہ گیا
هم کب کے چل بسے تھے‘ پر اے مژدۂ وصال
کچھہ آج هوتے هوتے سر انجام رہ گیا

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو‌هي آیا نظر‘ جدھر دیکھا
ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
هم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

شیخ کعبے هوکے پہونچا‘ هم کنشت دل میں هو
”درد“ منزل ایک تھی‘ کچھہ راہ هي کا پھیر تھا

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
گلی سے تری، دل کو لے تو چلا ہوں
میں پہونچوں گا جب تک یہ آتا رہے گا
جفا سے غرض، امتحان وفا ہے
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

شدت مہر بتاں، دل سے آہ
"درد" کس طرح سے کم کیجے گا

آپ سے ہم گذر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

قتل عاشق، کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے
واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
محتسب آج تو میخانوں میں تیرے ہاتھوں
دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا
"درد" کے ملنے سے اے یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئي نہ تک ہنسا ہوگا

کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

ان نے قصداً بھی میرے نالے کو

نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا

دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں

کہیں غنچہ کوئي کھلا ہوگا

دل بھی اے "درد" قطرۂ خوں تھا

آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کي الفت نہ کھو سکا

میں چاہوں اور کو، تو یہ مجھ سے نہ ہوسکا

دشت عدم میں جاکے نکالوں گا جي کا غم

کنج جہاں میں کھول کے دل، میں نہ روسکا

جوں شمع روتے روتے هي گذری تمام عمر

تو بھي تو "درد" داغ جگر کو نہ دھوسکا

کچھ ہے خبر تجھے بھي کہ اٹھ اٹھ کے رات کو

عاشق تری گلی میں کئي بار ہوگیا

بیٹھا تھا خضر آکے مرے پاس ایک دم

گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہوگیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گذر کیا

ہم نے هي اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تونے کیا خراب
اے شیخ ان بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

ھرچند کئے ھزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا
میخانۂ عشق میں تو اے " درد "
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک ' دل متوطن ھے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ھے کدھر کا

سینۂ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ھجوم یاس ! جي گھبرا گیا
کھل نہیں سکتی ھیں اب آنکھیں مري
جي میں یہ کس کا تصور آ گیا

پھرتي ھے میري خاک صبا در بدر لئے
اے چشم اشکبار ! یہ کیا تجھ کو ھوگیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ھے ' دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو ، آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغوں نے سرو چراغاں
کبھو تونے آکر تماشا نہ دیکھا
حجاب رخ یار تھے آپ ہم ہی
کھلی آنکھ جب، کوئی پردا نہ دیکھا

اب دل کو سنبھالنا ہے مشکل
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی "درد" ہل گیا تھا

"درد" ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھائیے گا

تمنا مرخص ، ہوئی نا امیدی
یہ کیا ہوگیا اور مرے دل میں کیا تھا
تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کردیا تھا

تو ہو وے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان، تو میں خار ہوں تیرا

یوں وعدے ترے دل کی تسلی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہوگی تو جس آن ملے گا

مرے دل کو جو تو ہردم، بھلا اتنا تٹولے ہے
تصور کے سوا ترے بتا تو اس میں کیا نکلا

تیرے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا
دل آوارہ اُلجھے یاں، کسوکی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں سے، اسے میں دیکھوں ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

حال یہ کچھ تو ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں، لوں نام شکیبائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و مے خانا
مثال زندگی بھر لے! اب اپنا آپ پیمانا
کسو سے کیا بیاں کیجئے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے، جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجود خلائق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے، کوئی سمجھے ہے بت خانا

کچھ کشش نے تری، اثر نہ کیا   تجھ کو اے انتظار! دیکھ لیا

مرنا ھي لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ناصح میں دین و دل کے تئیں، اب تو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ہم نے چاھا بھي تو اس کوچے سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل تو اٹھایا نہ گیا

موت ہے آسائش افتادگاں
چشم نقش پاکو مت جانا ہے خواب

جائیے کس واسطے اے "درد" میخانے کے بیچ
اور ھي مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

تجھ کو نہیں ہے دیدۂ بینا، وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہے اُن کے، ہر پیرھن کے بیچ

"درد" جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

میں کس طرح بتوں کے سر سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہے آسماں پر
کب اختیار اپنا جوں گل ہے اس چمن میں
گل‌چیں سے کیا چلے ہے کیا زور باغباں پر

جان کو آنے دے لب تک نزع میں کب تک رہوں
دشمنی مجھ سے نہ کر اے ناتوانی اس قدر
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
ٹک تو ہی اے جبیں! عرق انفعال کر
حیرت ہے یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ میں
آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر
اے "درد" کر تک آئینہ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارہ حسن و جمال کر

اور تو چھوٹ گئے مرکے بھی اے کنج قفس
ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رها نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتي هے مرے ''درد'' وہ رفتار هنوز

کعبے میں ''درد'' آپ کو لایا هوں کھینچ کر
دل سے گیا نہیں هے خیال بتاں هنوز

جو که هونا تھا دل په هو گذرا
نه کر اے ''درد'' بار بار افسوس

جوش جنوں کے هاتھ سے فصل بہار میں
گل سے بھی هو سکی نه گریباں کی احتیاط
داغوں کی اپنے کیوں نه کرے ''درد'' پرورش
هر باغباں کرے هے گلستاں کی احتیاط

پیغام پاس بھیج نه مجھ بے قرار تک
هوں نیم جان' سو بھی ترے انتظار تک
صید د اب رهائي سے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگي کي توقع بہار تک

سب خون دل' ٹپک هی گیا بوند بوند کر
اے ''درد'' بس! که عشق سے میں تھا شکسته دل

پانی پر نقش کب ہے ایسا جیسے نا پائدار ہیں ہم
ساقی! کیدھر ہے کشتی مے؟ اب کے کہیوے میں پار ہیں ہم
اپنے ملنے سے منع مت کر اس میں بے اختیار ہیں ہم

جوں نور نظر ترا تصور تھا پیش نظر، جدھر گئے ہم
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے معلوم نہیں کدھر گئے ہم
جس طرح ہوا، اسی طرح سے پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

کچھ لائے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
تھے آپ ہی ایک ، سو ، گئے ہم
ہستی نے تو تک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

ہے کس، جوں شعلہ، ظالم! آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو، یاں گزر جاتے ہیں ہم

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں
ہمارے پاس ہے کیا؟ جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں
بتوں کے جبر اٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں ، نہ شرر ہم، نہ شعلہ ، نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

کھینچے ہے دور آپ کو ، میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قد کشیدہ ہوں

احوال دوعالم ہے مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تاحال کہ اپنے تئیں کیا ہوں
آواز نہیں قید میں زنجیر کی ، ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں
ہوں قافلہ سالار طریق قدما "درد"
جوں نقش قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ، آگاہ ہوتے ہیں
انہیں طرحوں میں ہم ہردم، فنافی اللہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں
یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جاگہ نہ دیجیو یار جی میں

کچھ مرتبہ ہے اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں
اے "درد" مثل آئینہ ڈھونڈھ اس کو آپ میں
بیرون در تو اپنے قدم گہ ہی نہیں

نا خانۂ خدا ہے' نہ ہے یہ بتوں کا گھر
رہتا ہے کون اس دل خانہ خراب میں
میں اور "درد" مجھ سے خریداری بتاں
ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جا' ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع' گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
ہرچند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں نا قبول
منھ پھیر لے وہ' جس کے مجھے رو برو کریں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نیں　کیا کیا اے میری وفا تو نیں

تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہے

تس پر بھی تشنہ کام دیدار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افراد عالم ایک ہیں

گل کے سب اوراق برہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہل شہود

"درد" آنکھیں، دیکھ باہم ایک ہیں

ہمارے اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد

جو کچھ ہے دل میں ترے، ہم وہ فاش کرتے ہیں

آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز

لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں

تا قیامت نہیں ٹلنے کا دل عالم سے

"درد" ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

دونوں عالم سے کچھ پرے ہے نظر

آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں

میں ہوں گل‌چینِ گلستانِ خلیل
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

دامن دشت ہے پر، لالہ و گل سے یارب
خون عاشق بھی کہیں ہو وے بہار دامن
عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہے
تو بھی دامن نہ کیا "درد" نے تر پانی میں

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر رہے ہے یہاں نہیں
مرے دل کے شیشے کو بے وفا تونے ٹکڑے ٹکڑے جو کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا، یہ دکان شیشہ گراں نہیں

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں

نزع میں تو ہوں ولے ترا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا، پر جی وفا کرتا نہیں
عشوہ و نازو کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
"درد" مرتا ہے، کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ هم تجھ بن، ادھر اودھر بھٹکتے هیں
جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے هیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
اپنی غفلت کے سوا کچھ درو دیوار نہیں
''درد'' یاں دو هی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم هے یہ خانۂ خمار نہیں

زندگي جس سے عبارت هے، سو وہ زیست کہاں
یوں تو کہنے کے لئے کہہ دے کہ هاں جیتے هیں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتي نظر
جس توقع پہ کہ اب تئیں یاں جیتے هیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھي نہیں
کہئے سودائی، تو سودا بھي نہیں

صورتیں کیا کیا ملي هیں خاک میں
هے دفینہ حسن کا زیر زمیں

وو نگاهیں جو چار هوتی هیں
برچھیاں دل کے پار هوتی هیں

یہ رات شمع سے کہتا تھا " درد " پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

سیر کر دنیا کی غافل! زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے، سمائے سخن
نہیں تیرے دہن میں جائے سخن
شعر میں میرے دیکھنا مجھ کو
ہے مرا آئینہ صفائے سخن

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لئے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہردم بتوں کی صورت رکھا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

نہیں ہم کو تمنا یہ فلک ہو، تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کئے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لئے جاتا ہوں

افسوس اهل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کي گو کہ آنکھیں هیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک بے گناهی هوں مورد رحمت الہی هوں

مانع نہیں هم، وہ بت خود کام کہیں هو
پر اس دل بے تاب کو آرام کہیں هو
خورشید کے مانند پھروں کب تئیں یارب
نت صبح کہیں هووے مجھے شام کہیں هو

کیا فرق داغ و گل میں، اگر گل میں بو نہ هو
کس کام کا وہ دل هے کہ جس دل میں تو نہ هو

عجب عالم هے ایدھر سے همیں هستی ستاتي هے
ادھر سے نیستی آتي هے دوڑي عذر خواهی کو

مجلس میں بار هووے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر هم اپنے دل داغ کو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے هوئي
خاک هونے نے کیا هر ذرہ گرم جستجو

ملاؤں کس کی آنکھوں سے، کہو اس چشم حیراں کو
عیاں جب هر جگهه دیکھوں، کسي کے راز پنہاں کو

نگینے کے سوا کوئي بھی ایسا کام کرتا هے
که هو نام اور کا روشن اور اپنی رو سیاهي هو
نہیں شکوہ مجھے کچھہ بے وفائي کا تري هرگز
گلہ تب هو، اگر تونے کسي سے بھي نباهی هو

اپنے بندہ په جو کچھہ چاهو سو بیداد کرو
یه نه آجائے کہیں جی میں که آزاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتار یار کو
آنکھوں میں کب تلک میں رکھوں اِنتظار کو
ویسا هي اب تلک هے وہ دامن تو اے صبا
کیدھر لئے پھرے هے تو میرے غبار کو

سر رشته نگاہ تغافل نه توڑیو
اے ناز اس طرف سے منهه اس کا نه موڑیو
جاوے در قفس سے یه بے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجیو! پر اس کو نه چھوڑیو

دل نالاں کو یاد کر کے صبا　　اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو
نیم بسمل کوئي کسو کو چھوڑ　　اس طرح بیٹھتا ھے غافل ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ ' خاطر ہوں تو رنجیدہ

جب چاھئے کہ عقدۂ دل تجھہ پہ کھو لئے
ھوتا ھے از بان پہ ' میرا سخن گرہ

کاش تا شمع نہ ھوتا گزر پروانہ
تم نے کیا قہر کیا ! بال و پر پروانہ
کیوں اُسے آتش سوزاں میں لئے جاتي ھے
سوجھتا بھی ھے تجھے کچھہ نظرِ پروانہ
شمع تو جل بجھي اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے "درد" میں کس سے خبر پروانہ

خوش خرامي ادھر بھي کیجے گا
میں بھي جوں نقش پا ھوں چشم بہ راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھي خدا کو دیکھ

خلوت دل نے کر دیا، اپنے حواس میں خلل
حسن بلائے چشم ہے، نغمہ و بال گوش ہے
ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی و بال دوش ہے
نالۂ و آہ کیجئے خون جگر ہے پیجئے
عہد شباب، کہتے ہیں موسم ناؤ نوش ہے
محنت و رنج غم سے یاں "درد" نہ جی چھپائیے
بار سبھی اُٹھائیے جب تئیں سر ہے، دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے　　سو گیا تھا جگا دیا کس نے

اہل فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوح مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے
عالم سے اختیار کی، ہر چند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

ہوں کشتہ تغافل ہستی بے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلادئے
چاہو وفا کرو، نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اٹھا دئے
سیلاب اشک گرم نے اعضا میرے تمام
اے "درد" کچھ بہا دئے اور کچھ جلا دئے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر هي کو لے جائے
یاں بے خبری آئڈی جب تک خبر آوے
لسوتے ہے تری گنج شہیداں کو غریبي
جي دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھي هو وے تو تل سکے
مشکل ہے جي میں بیٹھے سو جي سے نکل سکے
نشو و نما کي کس کو امید اے بہار یاں
میں خشک شاخ هوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا هی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیري حرف دوئي کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منھ دکھا سکے
میں وہ فتادہ هوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کي طرح نہ کوئی اٹھا سکے
غافل خدا کی یاد یہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے
اخفائے راز عشق نہ هو آب اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے
گو بحث کر کے بات بٹھائي پہ کیا حصول
دل سے اٹھا خلاف اگر تو اٹھا سکے

طریق اپنے پہ اک دور جام چلتا ہے
وگر نہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی
جفا و جور اتھانے پڑے زمانے کے
ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اتھانے کی

کوئي بھي دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے
جز وصل ' سو ملنے کي همیں آس نہیں ہے
زنہار ادھر کھو لیو مت چشم حقارت
یہ فقر کی دولت ہے کچھہ افلاس نہیں ہے
بے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے " درد "
ہردم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

آگر جو بلا آئي تھي سو دل پہ تلي تھی
اب کی تو مری جان هي پر آن بنی ہے

آتش عشق جي جلاتي ہے یہ بلا جان هی پہ آتي ہے
تو ہے اور سیر باغ ہے هروقت داغ هین اور میری چھاتی ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھہ ہے
تجھہ سوا بھي جہان میں کچھہ ہے
دل بھی تیرے هی ڈھنگ سیکھا ہے
آن میں کچھہ ہے آن میں کچھہ ہے

" درد " تو جو کرے ھے جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ھے

خواب عدم سے چونکے تھے ھم تیرے واسطے
آخر کو جگ جاگ کے ناچار سو گئے
تیری گلی ھے یا کوئی آرام گاہ ھے
رکھتے قدم کے پاؤں تو ھر بار سو گئے
وے مر چکے جو رونق بزم جہان تھے
اب اتھیے " درد " یاں سے کہ سب یار سو گئے

جوں سخن اب یاد اک عالم رھے
زندگانی تو چلی جا ! ھم رھے
رک نہیں سکتی ھے یاں کی واردات
کب یہ ھو سکتا ھے دریا تھم رھے
رکھ " نفخت فیہ من روحی " کو یاد
جب تلک اے " درد " دم میں دم رھے

ھرآن ھے واردات دل پر   آتا ھے یہ قافلہ کہاں سے

نہ ھاتھ اتھائے فلک گو ھمارے کینے سے
کسے دماغ کہ ھو دو بدو کمینے سے

مجھے یہ ڈر ھے دل زندہ تو نہ مرجاوے
کہ زندگانی عبارت ھے تیرے جینے سے
بسا ھے کون ترے دل میں گل بدن اے "درد"
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جي کي جی ھي میں رھي' بات نہ ھونے پائي
ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ھونے پائی
اٹھ چلے شیخ جی تم مجلس رنداں سے شتاب
ھم سے کچھ خوب مدارات نہ ھونے پائی

مت عبادت پہ پھولیو زاھد
سب طفیل گناہ آدم ھے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تري خاطر ھمیں مقدم ھے

مجھ سے ھر چند تو مکدر ھے
تجھ سے پر اور ھي صفا ھے مجھے
" درد " تیرے بھلے کو کہتا ھوں
یہ نصیحت سے مدعا ھے مجھے

ورنہ ان بے مروتوں کے لئے اور بھي ھو خراب کیا ھے مجھے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی، اب سے نہ ملئے
وہ بھی تو نہیں بنتي ھے، کیا کیجئے اُس سے

واقف نہ یاں کسو سے ھم ھیں نہ کوئی ھم سے
یعني کہ آ گئے ھیں بھکے ھوے عدم سے
گر چاھئے تو ملئے اور چاھئے نہ ملئے
سب تم سے ھو سکے ھے ممکن نہیں تو ھم سے

خدا جانے کیا ھوگا انجام اس کا
میں بے صبر اتنا ھوں وہ تند خو ھے
تمنا ھے تیري اگر ھے تمنا
تري آرزو ھے اگر آرزو ھے
غنیمت ھے یہ دید وا دید یاراں
جہاں مند گئي آنکھ میں ھوں نہ تو ھے
نظر میرے دل کی پڑی "درد" کس پر
جدھر دیکھتا ھوں وھي رو برو ھے

رو ندے ھے نقش پا کي طرح خلق یاں مجھے
اے عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں مجھے
رھتی ھے کوئی بن کہے میرے تئیں تمام
جوں شمع چھوڑ نے کی نہیں یہ زباں مجھے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ھی چاھے خانۂ زنجیر سے
دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال تک
جا بجا سب پشت بر دیوار ھیں تصویر سے
"درد" اب ھنستے ھیں رونے پر مرے، سب خاص و عام
کیا ھوے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ھم چشمی ھے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ھی نظر پھر وھیں غائب ھو نظر سے
جاؤں میں کدھر جوں گل بازی مجھے گردوں
جانے نہیں دیتا ھے اِدھر سے نہ اُدھر سے
اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ھے
اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ھووے

کبھو ھي جي میں نہ گذرا خیال سر تابي
بہ‌رنگ سایہ بنایا ھے خاکسار مجھے
اس امر میں بھی یہ بے اختیار ھے بندہ
ملا ھے "درد" اگر یاں پہ اختیار مجھے

دیکھئے جس کو یاں اُسے اور ھي کچھ دماغ ھے
کرمک شب چراغ بھي گوھر شب چراغ ھے
غیر سے کیا معاملہ؟ آپ ھیں اپنے دام میں
قید خودي نہ ھو اگر پھر تو عجب فراغ ھے
حال کبھو تو پوچھئے میں جو کہوں سو کیا کہوں
دل ھے سو ریش ریش ھے سینہ سو داغ داغ
پائیے کس روش بتا! اے بت بے وفا تجھے
عمر گذشتہ کی طرح گم ھی سدا سراغ ھے
"درد" وہ گل بدن مگر تجھ کو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لئے باغ باغ ھے

پہلو میں دل تپاں نہیں ھے
ھرچند کہ یاں ھے یاں نہیں ھے
عالم ھو قدیم خواہ حادث
جس دم نہیں ھم جہاں نہیں ھے
ڈھونڈھے ھے تجھے تمام عالم
ھر چند کہ تو نہیں نہیں ھے
عنقا کي طرح میں کیا بتاؤں
جز نام مرا نشاں نہیں ھے

فریاد کہ "درد" جب تلک میں تیار ہوں ' کارواں نہیں ہے

ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو مرے بھاتا ہے

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
کہ دل کے تئیں دل سے یاں راہ ہے
اگر بے حجابانہ وہ بت ملے
غرض پڑا تو اللہ ہی اللہ ہے
گئے نالۂ و آہ سب ہم نفس
دم سرد ہی اک ہوا خواہ ہے

مجھ کو تجھ سے جو کچھ محبت ہے
یہ محبت نہیں ہے آفت ہے
آ پھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
"درد" یہ بھی خدا کی قدرت ہے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب، ہم تو اپنے گھر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

شعر اور "درد" ہے یعنی بات میں اور جان پڑتی

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار
صدقے ترے اک بار تو منھ اپنا دکھاے

ہوا جو کچھ کہ ہونا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہاں سے ہاتھ دھو بیٹھے

کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے

ترچھي نظروں سے دیکھنا ہردم یہ بھي اک بانکپن کا بانا ہے

بت‌پرستي تو یہاں دل کی گرفتاری ہے "درد"

چاھنے جس کو لگے، اُس کو صنم کہنے لگے

منظور زندگي سے، تیرا هي دیکھنا ہے

ملتا نہیں جو تو ہے، پھر کیا ہے زندگانی

ایک دم میں تو جي هی جانا ہے

زیست اب کوئي آن ہے پیارے

ترې گلی میں، میں نہ چلوں اور صبا چلے

یوں هي خدا جو چاھے تو بندے کی کیا چلے

کہہ بیٹھیو نہ "درد" کہ اهل وفا هوں میں

اس بے وفا کے آگے جو ذکر وفا چلے

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے

زندگی آپ هی آپ کٹتی ہے

آج هي آہ کي هوا کچھ اور

دیکھئے کس طرف پلٹتي ہے

اس خانماں خراب کو لے جاؤں میں کہاں
دل پر تو یہ فضاے بیاباں بی تنگ ہے

لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہے
خالی ہو جاے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے
"درد" جوں نقش قدم تا سر رہ پر اس کے
مٹ گیا اوروں ہي کے پاؤں کے دھرتے دھرتے

آیا ہے ابر اور چمن میں بہار ہے
ساقي شتاب آ کہ ترا انتظار ہے

یاں کون آشنا ہے ترا کس کو تجھ سے ربط
کہنے کو یہ بھي لوگوں کے اک بات رہ گئي

چشم رحمت سے ادھر کو بھي نظر کیجیے گا
اسي اُمید پہ آیا یہ گنہ گار بھي ہے
دل' بھلا ایسے کو اے "درد" نہ دیجیے کیوں کر
ایک تو یار ہے اور تس پہ طرحدار بھی ہے

اگلے معانقے کو اگر کیجئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لئے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہے
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں، موتی ہے
دم لینے کی فرصت یاں تک دی نہ زمانے نے
ہم تجھ کو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
خورشید قیامت کا سر پر تو اب آ پہونچا
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی
کہاں میں، کہاں تو، کہاں نوجوانی

"درد" اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

آہوں کی کش مکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
تار نفس سے اے دل وابستہ میری باں ہے

غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

ہرچند کہ سنگ دل ہے شیریں
لیکن فرہاد کسوہ کن ہے

مت جا تر و تازگی پہ اُس کی
عالم تو خیال کا چمن ہے

سیماب کشتہ کس کا ؟ ماءالحیات کیدھر
گر جی کو مار سکئے، اے "درد" کیمیا ہے

کعبے کو بھی نہ جائیے ' دیر کو بھی نہ کیجیے منھ
دل میں کسو کے " درد " یاں، ہو وے تو واہ کھجئے

نے وہ بہار واں ہے ' نہ یاں ہم جواں رہے
ملئے پھر اس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہے "درد"
پر ہے یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھرئیے ' اثر شرط ہے
وگر ضبط کرئیے ' جگر شرط ہے
قدم عشق میں "درد" رکھتا ہے تو
وہ جانے کہاں ہیں ' خبر شرط ہے

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کچھ پا رہاے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے

علاج درد سر ، صندل ہے لیکن
ہمیں گھسنا ہی اس کا ، درد سر ہے

خبر اپنی لے اے گلستان خوبی
کرے ہے تبسم ترا گل فروشی

جگر پہ داغ نے میرے، یہ گل‌فشانی کی
کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار
عجب ہے خضر نے کیوں کر کہ زندگانی کی

نہیں چھوڑتی قید ہستی مجھے
اگر کھینچ لے جائے مستی مجھے
زمانے نے اے "درد" جوں گرد باد
دکھائی بلندی و پستی مجھے

بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ
جاے چراغ کوئی دل مہرباں جلے

یہی پیغام "درد" کا کہنا
گر کوئی کوئے یار میں گذرے
کون سی رات آن ملئے گا
دن بہت انتظار میں گذرے

ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی
گریباں میں ہے مثل صبح' اک تار نفس باقی
یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا
نہ چھوڑا سر زمیں دل میں کوئی خار و خس باقی

وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے

غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے
تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت ' جہاں تو ہے
اگرچہ میں یہ نہیں جانتا ' کہاں تو ہے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے
سنگ دل کیا تجھ کو کہیے ؟ اپنی ہی تقدیر ہے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے
سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

بت پرستي هے اب نه بت شکني
که همیں تو خدا سے آن بني

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی که بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینه کب تلک پریشاں نظری
اب مونده آنکھ بس جہاں کو دیکھا

پیدا کرے هر چند تقدس بندا
مشکل هے که هو حرص سے دل بر کندا
جنت میں بھي اکل و شرب سے کب هے نجات
دوزخ کا بہشت میں بھی هوگا دهندا

اے " درد " بہت کیا پریکھا هم نے
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا هم نے
بینائي نه تھي تو دیکھتے تھے سب کو
جب آنکھ کھلي تو کچھ نه دیکھا هم نے

پیري چلي اور گئي جواني اپني
اے " درد " کہاں هے زندگاني اپني

کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

مخمس

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے　　ظاہر پہ انہیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے　　اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترک گفتگو کو　　باطن کی صفا کی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کو　　آئینۂ دل کو رو بہ رو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار　　لیکن ہے یہاں نگاہ در کار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار　　آہستہ گزر میاں کہسار
سنگ دکان شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہد گل　　اور زلف کشا عروس سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل　　تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محبوب　　ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی بھی نہیں جہاں میں معیوب　　آتے ہیں مری نظر میں سب خوب
گر عیب ہے، پردۂ ہنر ہے

ترکیب بند

شاھنشہ ملک کفر و دیں تو
ہے تخت نشین دل نشیں تو
ھوں لفظ بہ معنی آشنا میں
ہے معنئی لفظ آفریں تو
اے زیور دشت غیب ! ھرجا
انگشت نما ہے جوں نگیں تو
کافر ھوں نہ ھوں جو کافر عشق
ہے ناز بتان نازنیں تو
دشمن ہے کہاں کدھر کو ہے دوست
ہے گرمئی بزم مہر و کیں تو
ویرانئی وادئی گماں تو
آبادئی خانۂ یقیں تو
ھیہات جہاں یہ کور چشماں
ڈھونڈھیں ھیں تجھے تو ہے وھیں تو
کرتا ہے یہ کون دیدۂ بازی
گر روشنی نظر نہیں تو
توھی تو ہے کوئی بے حجابی
ہے پردۂ چشم شرمگیں تو
معشوق ہے تو ھی تو ہے عاشق
عذرا ہے کدھر کہاں ہے وامق
میں منتظر دم صبا ھوں
جوں غنچہ، گرفتہ دل بنا ھوں

اک عمر گزر گئی سمجھتے
معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں
تنکا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے
شرمندۂ جذب کہربا ہوں
بیگانہ جو مجھ سے واں پھرے ہے
تقصیر یہ ہے کہ آشنا ہوں
موجود نہ بوجھے کچھ وہ کافر
گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی
ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں
بیدل تو نہ کر مجھے سمجھ تک
میں ہی تو بساط میں رہا ہوں
مشکل ہے مجھے کہیں رسائی
کوتاہئی طبع نارسا ہوں
پائی نہ گل وفا کی بو بھی
اس باغ میں جا بجا پھرا ہوں
آیندہ نہ کیجئے محبت
دنیا ہے نپٹ یہ جائے عبرت

میر حسن

میر غلام حسن نام ' میر غلام حسین ضاحک کے بیٹے دھلی میں پیدا ھوئے ' بارہ برس کي عمر میں فیض‌آباد گئے کچھہ دنوں کے بعد لکھنؤ چلے گئے اور وھیں بود و باش اختیار کرلي -

مذاق شعر و سخن ان کے ضمیر میں تھا - ابتدا میں میر "ضیا" سے اصلاح لي مگر بعد کو ان کا طرز چھوڑ کر " میر " " سودا " اور " درد " کی پیروي کرنے لگے - اُن کی غزلوں میں ان استادوں کي تقلید کا اثر نمایاں ھے - میر حسن غزل گوئی میں بھی بلند پایہ رکھتے ھیں مگر جس چیز نے ان کو غیر فانی شہرت عطا کی ھے وہ ان کی مثنوی کي نظیر پیش نہیں کر سکتي - مناظر کی تصویر کشی جذبات کي ترجمانی - زبان کي شیرینی - بیان کا تسلسل یہ تمام اوصاف اس مثنوی میں بدرجۂ اتم موجود ھیں - ان کے علاوہ یہ مثنوي اس زمانے کا تمدن کا صحیح نقشہ پیش کرتي ھے - ان خصوصیات نے اس مثنوی کو آسمان شاعری کا آفتاب بنا دیا ھے - میر حسن نے اور بھي چھوٹی بڑی کئی مثنویاں لکھي ھیں مگر " سحرالبیان " سے اُن کو کوئي نسبت نہیں - غزل اور مثنوی کے علاوہ دوسرے اصناف سخن میں بھي میر حسن نے طبع آزمائی کی مگر کوئی امتیاز حاصل نہ ھوا -

میر حسن نے محرم سنہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی " مصحفی " نے " شاعر شیریں زبان " - مادہ تاریخ نکالا -

اِنتخاب

توهي تو مری جان و دل و جسم هے ورنه
کیسا یه دل اور کیسا یه جي اور میں کہاں کا
بیگانه هے یاں کون اور اپنا هے یہاں کون
هے سب یه بکھیڑا مرے هي وهم و گماں کا
مرضی هو جہاں اُس کی وهی جا ' همیں بہتر
مشتاق دل اپنا نہیں کچھ باغ جناں کا

یارب میں کہاں رکھتا ترا داغ محبت
پہلو میں اگر دل زار نه تھا
دنیا میں تو دیکھا نه سوا ے غم و اندوه
میں کاش کے اس بزم میں هشیار نه هوتا

چھوٹتا نه واں تغافل اس اپنے مہرباں کا
اور کام کر چکا یاں یه اضطراب جاں کا
سامان لے چلا هے اندوه کا یہیں سے
کیا جانئے اراده دل نے کیا کہاں کا

آنا ہے گر تو آجا جلدی ، وگرنہ یہ دل
یونہیں تڑپ تڑپ کر کوئی دم میں مر رہے گا

عشق کب تک آگ سینہ میں میرے بھڑکائے گا
راکھ تو میں ہو چکا ، کیا خاک اب سلگائے گا
نو گرفتاری کے باعث مضطرب صیاد ہوں
لگتے لگتے جی قفس میں بھی مرا لگ جائے گا

اثر ہوئے نہ ہوئے پر بلا سے جی تو بہلے گا
نکالا شغل تنہائی میں ، میں ناچار رونے کا

وہ ملک دل کہ اپنا آباد تھا کبھو کا
سو ہو گیا ہے تجھ بن اب وہ مقام ہو کا

غنچہ ہوں میں نہ گل کا ، نہ گل ہوں میں چمن کا
حسرت کا زخم ہوں میں اور داغ آرزو کا
لایا غرور پر یہ عجز و نیاز تجھ کو
ترا گنہ نہیں کچھ اول سے میں ہی چوکا

یہ سب اپنے خیال خام تھے تم تھے پرے سب سے
جو کچھ سمجھے تھے ہم تم کو ، یہ سب اپنا تو ہم تھا

اس کو امید نہیں ھے کبھي پھر بسنے کی
اور ویرانوں سے اس دل کا ھے ویرانہ جدا
گوشۂ چشم میں بھی مردم بدبیں ھیں "حسن"
واسطے اس کے بنا دل میں نہاں خانہ جدا

معشوق کی الفت سے مت جان "حسن" خالی
لبریز محبت ھے یہ جام مرے دل کا

جو کہ هستي کو نیستی سمجھا   اس کو سب طرف سے فراغ رھا
سیر گلشن کریں هم اس بن کیا   اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رھا

دل خدا جانے کس کے پاس رھا
ان دنوں جي بہت اداس رھا

نہ هوں غیر گر ساتھ تو آئیے
سر آنکھوں پہ میرے قدم آپ کا
دل و جاں جو ھیں یہ سو اپنے نہیں
سمجھتے ھیں ان کو تو، هم آپ کا

نہ میں شمع ساں سر بسر جل گیا
سراپا محبت کا گھر جل گیا

گل شمع کا نخل تھا میں "حسن"
لگا شام یاں اور سحر جل گیا

وہ تاب و تواں کہاں ہے یارب
جو اس دل ناتواں میں تب تھا
تھے مجھ کو خیال رات اس سے
باتوں کا ہمیں دماغ کب تھا

کوئی دم کے ہیں مہمان اس چمن میں ایک دم آخر
مثال نکہت گل شام جانا یا سحر جانا

اپنی طرف سے ہم نے تم سے بہت نباہا
پر آہ کیجئے کیا تم نے ہمیں نہ چاہا

مت بخت خفتہ پر مرے ہنس اے رقیب تو
ہوگا ترے نصیب بھی یہ خواب دیکھنا

زندگی نے وفا نہ کی ورنہ میں تماشا وفا کا دکھلاتا

خار سے پھوٹتے پھپھولے پاؤں کے درد ہی آخر مرا درماں ہوا

فرقت کی شب میں آج کی، پھر کیا جلاویں گے
دل کا دیا تھا ایک، سو کل ھي جلا دیا

یہ نہ گل میں نہ باغ میں دیکھا
جو مزا اپنے داغ میں دیکھا
آتش دل کا تیرے ھم نے پتنگ
رات شعلہ چراغ میں دیکھا

خالي نہ جائے گا یہ ھر شب لہو کا رونا
اک روز دل کے تکڑے دامن میں بھر رھوں گا
کوچے سے اپنے مجھ کو مت ھر گھڑي تو اُٹھوا
میں خود بہ‌خود یہاں سے اک دن گذر رھوں گا

کوچۂ یار ھے اور دیر ھے اور کعبہ ھے
دیکھئے عشق ھمیں آہ کدھر لاوے گا

میں ھي نہ غم کو ھستی کا سامان دے چکا
دل ھی غریب اپني اُسے جان دے چکا
وحشت میں سر پٹکنے کو کیا مانگیں اس سے اور
ھم کو تو عشق کوہ و بیابان دے چکا

دل ھي کہیں نکلتا ' ھو ٹکڑے ٹکڑے یارب
آنکھوں سے خون میری کب تک بہا کرے گا

یہ سینہ بھی جائے قدم تھا کسی کا
کبھی اس طرف بھي کرم تھا کسي کا
دم مرگ تک روتے ھي روتے گذري
ھمیں بھی قیامت الم تھا کسی کا
نہ تھمتی تھیں آھیں' نہ رکتے تھے آنسو
"حسن" تجھہ کو کیا رات غم تھا کسی کا

دکھاویں گے چالاکي ھاتھوں کی ناصح
جو ثابت جنوں سے گریباں رھے گا
وہ آشفتہ بلبل میں جاتا ھوں یاں سے
کہ جس بن چمن سب پریشاں رھے گا

ایک یھي چراغ دل ' جلتا تھا میرے حال پر
آہ! سحر نے میري آہ اس کو بھي اب بجھا دیا

ھر ایک ھدایت کي نہایت ھے و لیکن
اس عشق کے آغاز کا انجام نہ پایا
کیا شکوہ کریں کنج قفس کا دل مضطر
ھم نے تو چمن میں بھی تک آرام نہ پایا

یہی آتا ہے اپنے دل میں پھر پھر کہ کیا ہوتا جو اپنا دل نہ ہوتا

آسان تم نہ سمجھو نخوت سے پاک ہونا
اک عمر کھو کے ہم نے سیکھا ہے خاک ہونا

مت پوچھ کہ رحم اس کو مرے حال پہ کب تھا
اب کہنے سے کیا فائدہ جب تھا کبھی تب تھا

اتنا بھي تو بے چین نہ رکھ دل کو مرے تو
آخر یہ وهي دل ہے جو آرام طلب تھا
کعبے کو گیا چھوڑ کے کیوں دل کو تو اے شیخ
تک جی میں سمجھتا تو سہي یاں بھی تو رب تھا

رتبہ یہ شہادت کا کہاں اور کہاں میں
واں تک مجھے اس شوخ کي تلوار نے بھیجا
میرا تو نہ تھا جي کہ میں اس رتبہ کو پہونچوں
پر کوچۂ رسوائی میں دلدار نے بھیجا

اس شوخ کے جانے سے عجب حال ہے میرا
جیسے کوئي بھولے ہوئے پھرتا ہے کچھ اپنا

ضبط نالے سے جو کچھ مجھ پہ ہوا میں نے سہا
دردِ سر اور کو دینا تو گوارا نہ کیا

مہر و وفا کا میرے جور و جفا کا اپنے
میری طرف سے اپنے دل میں حساب رکھنا

دیکھے سے دور ہی کے دھڑکتا ہے دل مرا
کیا حال ہوگا جب کہ وہ نزدیک آئے گا

گھر سے باہر جو نکلتا ہے تو جلدی سے نکل
ورنہ دھونی میں لگاتا ہوں یہیں، مجھ کو کیا

تا مجھ سے وہ پوچھے مری خاموشی کا باعث
مجھ کو یہ تمنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کیا پوچھے ہے مجھ سے مری خاموشی کا باعث
کچھ تو سبب ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ایک مجلس کے ہیں حسن و عشق اس میں عیب کیا
شمع گر تجھ کو کیا تو ہم کو پروانہ کیا
دیکھتے ہی مے کو ساغر کا نہ کھینچا انتظار
مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیمانہ کیا

طرفہ تر ھے یہ کہ اپنا بھی نہ جانا اور یونہیں
اپنا اپنا کہہ کے مجھہ کو سب سے بیگانہ کیا

جاتا تھا اس کی کھوج میں' میں بے خبر چلا
بارے اُسی نے ٹوک کے پوچھا کدھر چلا
کس میں رکھوں گا اب مئے حسرت کو میں بھلا
شیشہ تو دل کا خون جگر ھي سے بھر چلا
لکھنے کی یاں نہ تاب نہ پڑھنے کا واں دماغ
کہہدیں گے کچھہ زبانی اگر نامہ بر چلا

گر ھیں برے تو تیرے اور ھیں بھلے تو تیرے
نیکی بدي میں اپني شامل ھے نام تیرا

تری آنکھوں کا عاشق ھوں ترے رخ کا ھوں دیوانہ
نہ سودائي ھوں میں گل کا نہ ھوں بیمار نرگس کا

بندا بتوں کا کس کے کہے سے ھوا یہ دل
حق کي طرف سے کیا اُسے الہام کچھہ ھوا

پڑی ھے دل کی بھی کرني خوشامد ان روزوں
زمانہ اب تو رھا ھے زمانہ سازي کا

قاصد یہی کہتا ہے شب وہ نہیں آنے کا
کاہے کو رہوں گا میں جب وہ نہیں آنے کا

یہ جو کچھ قیل و قال ہے اپنا   وہم ہے اور خیال ہے اپنا

آشنا بے وفا نہیں ہوتا
بے وفا، آشنا نہیں ہوتا
گو بھلے سب ہیں اور میں ہوں برا
کیا بھلوں میں برا نہیں ہوتا
دل جدا گر ہوا "حسن" تو کیا
وہ تو دل سے جدا نہیں ہوتا

تیرہ بختی کو اپنی کھو نہ سکا
اس سیاہی کا داغ دھو نہ سکا

انکھوں میں بھر کے انسو دیکھوں ہوں میں فلک کو
کرتا ہے ذکر کوئی جب اپنی صحبتوں کا

صبا کے ہاتھ سے خط گل‌عذار کا پہنچا
خزاں رسیدوں کو مژدہ بہار کا پہنچا
صبا گلی سے تری گرد راہ کو لائی
ہماری انکھوں کو سرمہ غبار کا پہنچا

اُتھا بالوں کو چہرے سے ' دکھادے چاند سا مکھڑا
سر شام آج آتا ہے نظر تنہا مجھے تارا
کوئی دیتا نہیں اس بت کو دل کچھ اپنی خواهش سے
جو یوں مرضي خدا کی هو تو پھر بندے کا کیا چارا

هوتے هي اس کے سامنے' جاتا رهے هے یه
کچھ اختیار اپنا نہیں اختیار پر

اس گنجفه کا یاں سے هے کھیل اور هي کچھ
دیتے هیں جان ناحق انسان مورتوں پر

هے دهیان جو اپنا کہیں اے ماه جبیں اور
جاتا هے کہیں اور تو جاتا هوں کہیں اور
جب تو هي کرے دشمني هم سے تو غضب هے
تیرے تو سوا اپنا کوئي دوست نہیں اور

پا برهنه ساتھ ناقے کے چلا آتا هے قیس
اک طرف کردے صبا خار مغیلاں دیکھ کر
دامن صحرا سے اتھنے کو "حسن" کا جی نہیں
پانوں دیوانے نے پهیلائے بیاباں دیکھ کر

ظاهر میں تو اڑتا ہوں ولے اڑ نہیں سکتا
بے بس ہوں میں چوں طائر تصویر ہوا پر

اب جو چھوٹے بھي ہم قفس سے تو کیا
ہو چکي واں بہار ہی آخر
آتش دل پر آب لے دوڑا
دیدۂ اشکبار ہي آخر

حد سے در گزرا ہمارا اِس طرف عجز و نیاز
پر ادھر سے بے نیازي بھي رهي سر گرم ناز
درد کي اب بات تھوڑي سی بھی لگتی ہے بہت
ہو رہا ہے بسکہ اک مدت سے دل اپنا گداز

غم دل کے مرے حال سے کچھ تجھ کو خبر ہے
کس گھر کو لگانا ہے تو اے بے ادب آتش

جیسے لگی ہو ناوک مژگاں سے اس کي آنکھ
هر پل میں ہے جگر میں نئي طرح کی خراش
یا دل کو میں ہی بھولوں یا اس کو بھولے دل
ان دونوں باتوں میں سے کہیں ایک ہوئے کاش

یہ ثابت پھر نہیں رھتا نظر آتا مجھے ناصح
عبث چاک گریباں کو سیا تونے خدا حافظ

دل میں ٹھہری ہے اب یہی کہ " حسن "
ہم نہ ہوں گے جو ہوگا یار وداغ

شعلہ اٹھے ہے دل سے شب و روز ہم نشیں
جلتی ہے اپنی بزم میں شام و پگاہ شمع

مشتعل یوں ہوا ہے دل کا داغ   جس طرح سے بھڑک اٹھے ہے چراغ

ہم بھی تب تک ہیں کہ یاں جلوہ ہے جب تک تیرا
ہستی سایہ بھی سچ پوچھو تو ہے نور تلک

ٹک دیکھ لیں چمن کو ' چلو لالہ زار تک
کیا جانے پھر جیئں نہ جیئں ہم بہاو تک

حیراں میں اپنے حال پہ جوں آئنہ نہیں
عالم کے منہ کو دیکھ کے میں رہ گیا ہوں دنگ

کچھ جو ٹھہرے تو تجھ کو بتلا دوں
اس دل زار و بے قرار کا رنگ
ہجر کی رات دیکھی ہو جس نے
وہ "حسن" دیکھے زلف یار کا رنگ

رشک صد شمع سوز ہر مو ہے لگ گیا ہے یہ کس چراغ سے دل

کیا کہیں اپنا ہم نشیب و فراز
آسماں گاہ گہہ زمیں ہیں ہم
ہم نہ تیر شہاب ہیں نہ سموم
نالہ و آہ آتشیں ہیں ہم

شمع ساں شب کے میہماں ہیں ہم
صبح ہوتے تو پھر کہاں ہیں ہم
باغباں تک تو بیٹھنے دے کہیں
آہ گم کردہ آشیاں ہیں ہم
دل سے نالہ نکل نہیں سکتا
یاں تلک غم سے ناتواں ہیں ہم
داغ ہیں کاروان رفتہ کے
نقش پائے گذشتگاں ہیں ہم

اور کچھ تحفہ نہ تھا جو لاتے ہم تیرے نیاز
ایک دو آنسو تھے آنکھوں میں سو بھر لائیں ہم

دم بہ دم اس شوخ کے آزردہ ہو جانے سے آہ
جب نہیں کچھ اپنا بس چلتا تو گھبراتے ہیں ہم

دل خدا جانے کدھر گم ہو گیا اے دوستاں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں کیا اور نہیں پاتے ہیں ہم

دونوں دیوانے ہیں کیا سمجھیں گے آپس میں عبث
ہم کو سمجھاتا ہے دل اور دل کو سمجھاتے ہیں ہم

بس دل کا غبار دھو چکے ہم — رونا تھا جو کچھ سو رو چکے ہم
ہونے کی رکھیں توقع اب خاک — ہونا تھا جو کچھ سو ہو چکے ہم

دل غم سے ترے' لگا گئے ہم — کس آگ سے گھر جلا گئے ہم
مانند حباب اس جہاں میں — کیا آئے تھے اور کیا گئے ہم
کھویا گیا اس میں گو دل اپنا — پر یار تجھے تو پا گئے ہم

آرزو دل کی بر آئی نہ "حسن" وصل میں اور
لذت ہجر کو بھی مفت میں کھو بیٹھے ہم

نا صحا جا اِس گھڑي مت بول تو
جان سے اپني خفا بیٹھے ہیں ہم

دم رکتا ہوا آتا ہے لب تک مرے غم سے
عقدے ترے ہیں بسکہ میرے تار نفس میں

دم بہ‌دم قطع ہوتی جاتی ہے | عمر لیل و نہار کے ہاتھوں
ایک دم بھی ملا نہ ہم کو قرار | اس دل بے قرار کے ہاتھوں
اپنی سر گشتگی کبھی نہ گئی | گردش روزگار کے ہاتھوں
اک شگوفہ اٹھے ہے روز نیا | اس دل داغ دار کے ہاتھوں

عشق کا اب مرتبہ پہونچا مقابل حسن کے
بن گئے بت ہم بھی آخر اس صنم کی یاد میں

حسن میں جب تئیں گرمی نہ ہو جی دیوے کون
شمع تصویر کے کب گرد پتنگ آتے ہیں

دل اور جگر لہو ہو آنکھوں تلک تو پہونچے
کیا حکم ہے اب آگے نکلیں کہو نہ نکلیں

ہم نہ ہنستے ہیں اور نہ روتے ہیں
عمر حیرت میں اپنی کھوتے ہیں
کوس رحلت ہے جنبش ہردم
آہ تس پر بھی یار سوتے ہیں

بن کہے بنتی نہیں، کہئے تو سنتا نہیں وہ
حال دل اس سے ہم اظہار کریں یا کریں

داغ فراق دل میں اور درد عشق جی میں
کیا کیا نہ ہم نے دیکھا دو دن کی زندگی میں

کیوں جھٹکتا ہے ہم سے دامن ہائے   خاک بھی تو نہیں رہے ہم میں

" حسن " رکھیو قدم ہرگز نہ صحراے محبت میں
کہ ہے سر سے گذرنا رسم یاں کی راہ منزل میں

وصل ہونے سے بھی کچھ دل کے تئیں سود نہیں
اب جو موجود وہ یاں ہے تو یہ موجود نہیں

صیاد ہم کو لے تو گیا لالہ زار میں
پردہ قفس کا پر نہ اتھایا بہار میں
یہ گرد باد خاک پہ میری نہیں "حسن"
میں ڈھونڈھتا ہوں آپ کو اپنے غبار میں

آپ تو اپنا عرض کر لے حال
دل ! ہمیں تاب التماس نہیں
یوں خدا چاہے تو ملادے اُسے
وصل کی پر ہمیں تو آس نہیں

چل دل اس کی گلی میں رو آویں
کچھ تو دل کا غبار دھو آویں
دل کو کھویا ہے کل جہاں جا کر
جی میں ہے آج جی بھی کھو آویں
کب تلک اُس گلی میں روز "حسن"
صبح کو جاویں شام کو آویں

موئے سپید نے نمک اس میں ملادیا
کیفیت اب رہی نہیں جام شراب میں

ذرہ ذرہ میں دیکھ ہیں موجود
وہی جلوے جو آفتاب میں ہیں
ہم تمہارے ہی بندے ہیں صاحب
آپ ہم سے عبث حجاب میں ہیں

آنکھوں سے ہم تو آویں تمہارے قدم کے پاس
دیکھو جو اک نظر ہمیں تم دوربین میں

ہوں دیر میں، نہ کعبے میں، نہ دل ہی میں اپنے
کیا جانوں تجسس میں تری آہ کدھر ہوں

جي نکلتا هے ادهر اور وہ گذر کرتا نهیں
مرتے هیں هم اور اُسے کوئي خبر کرتا نهیں

هم نہ نکهت هیں، نہ گل هیں جو مہکتے جاویں
آگ کي طرح جدهر جاویں دهکتے جاویں
جو کوئی آوے هے نزدیک هی بیٹهے هے ترے
هم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جاویں

اک بار تو نالے کی هو رخصت همیں صیاد
پنہاں رکھیں هم کب تئیں فریاد جگر میں

نہ هم دعا سے اب نہ وفا سے طلب کریں
عشق بتاں میں صبر خدا سے طلب کریں

دل کو اس شوخ کے کوچہ میں دهرے آتے هیں
شیشہ خالی کئے اور اشک بهرے آتے هیں

مزا بےهوشئي الفت کا هشیاروں سے مت پوچھو
عزیزاں خواب کی لذت کو بیداروں سے مت پوچھو
یہ اپنے حال هي میں مست هیں ان کو کسی سے کہا
خبر دنیا ومافیہا کی مےخواروں سے مت پوچھو

دل صد پارہ میرے کي تو پہلے فکر کر ناصح
رفو کیجو پھر اس کے بعد تو چاک گریباں کو

نہیں تقصیر کانٹوں کي مرا چھالا ھي پاؤں کا
بہ رنگ کہر با کھینچے ھے خود خار مغیلاں کو
نہیں معلوم یہ کس کا ھے اتنا منتظر یارب
کہ میں مدتے نہیں دیکھا "حسن" کی چشم حیراں کو

ناقے سے دور رہ گیا آخر نہ قیس تو
کہتے نہ تھے کے پاؤں سے مت کھینچ خار کو

غیر کو تم نہ آنکھ بھر دیکھو   کیا غضب کرتے ہو ادھر دیکھو
آپ پر اپنا اختیار نہیں   جبر ہے ہم پہ کس قدر دیکھو

گئے وے دن جو آنسوں بھی ان آنکھوں سے نکلتے تھے
بہ جائے اشک اب تو رہ گئي ھے حسرت گریہ

کہیو صبا کہ جس کو تو بتھلا گیا تھا سو
چوں نقش پا پڑا تري دیکھے ھے راہ وہ

مجھ سے اب وہ نہ رھی اس بت عیار کي آنکھ
پھر گئي آہ زمانے کی طرح یار کي آنکھ

دید کي سیر راہ ھے یہ مژہ　　خار پائے نگاہ ھے یہ مژہ

ھوکر ترے جلوہ کے خریدار همیشه
آ بیٹھتے ھیں ھم سر بازار همیشه
نے جام کی خواهش ھے نہ مے کي مجھے ساقي
میں نشۂ هستی سے ھوں سرشار همیشه
هرآن میں عالم ھے جدا باغ جہاں کا
اک رنگ پہ رهتے نہیں گلزار همیشه

پھر پھر کے پوچھتے ھو عبث آرزوے دل
تم جانتے تو ھو کہ مرا مدعا ھے وہ
رنگ حنا کی طرح نہ کھو اس کو ھاتھ سے
دل ھے مرا کہ ھاتھ ترے لگ گیا ھے وہ

جب کام دل نہ هرگز حاصل هوا کہیں سے
دل کو اٹھا کے بیٹھے ناچار سب طرف سے

اب ھم ھیں اور یار کا روز فراق ھے
جوں توں کي تھري رات تو اے شمع کٹ گئي

مجنوں کو اپنے لیلیٰ کا محمل عزیز ھے
تو دل میں ھے ھمارے' ھمیں دل عزیز ھے

جب میں چلتا ہوں ترے کوچہ سے کترا کے کبھی
دل مجھے پھیر کے کہتا ہے ادھر کو چلئے

تھے ابھی تو پاس ہي اپنے قرار و ہوش و صبر
تیرے آتے ہی نہ جانے وہ کدھر کو اتھ گئے

ہے گرہ کیسی یہ غم کي اپنے دل میں اے "حسن"
ہم نے جوں جوں اس کو کھولا اور یہ محکم ہوئی

دل کا ہمدم علاج مت کر اب زخم مرہم پذیر ہیں اُس کے

رائیگاں یوں اڑا نہ ہم کو فلک
خاک ہیں ہم کسي کے چوکھت کے
تک تو اونچی ہو اے صدائے جرس
دشت میں کب تلک کوئی بھٹکے
توهي جب اپنے در سے دیوے اتھا
پھر کدھر جاکے کوئي سر پٹکے

زندگی یہ ، ستم یار وہ ، اور بخت زبوں
کس توقع پہ بھلا دل کو کوئی شاد کرے

تیرا خیال ابرو دل میں اگر نہ ہو وے
کعبے کا دیکھنا بھی مد نظر نہ ہو وے

منھہ اپنا خشک ہے اور چشم تر ہے
ترے غم میں یہ سیر بحر و بر ہے
وہ اب کیوں کر نہ کھینچے آپ کو دور
ہمارے چاہنے کا یہ اثر ہے
ہمیں دیکھو نہ دیکھو تم ' ہمیں تو
تمھارا دیکھنا مد نظر ہے

تیرے دیدار کے لئے یہ دیکھہ
جان آنکھوں میں آرھی تو ہے

دشمن تو تھے ھي پر تري اس دوستي میں اب
بیزار ہم سے ہو گئے ہیں دوست دار بھي
گر تو نہیں تو جاکے کریں کیا چمن میں ہم
تجھہ بن ہمیں خزاں سے ہے بدتر بہار بھي
اک جان ناتواں ھی کا شکوہ " حسن " نہیں
ٹھہرا نہ اپنے پاس دل بے قرار بھی

نہ رنگ ہے منھہ پر ترے ' نہ دل ہے ترے پاس
سچ کہیو " حسن " آج تو آتا ہے کہاں سے

کیوں کر بھلا لگے نہ وہ دلدار دور سے
دونی بہار دیوے ہے گلزار دور سے
بے اختیار اٹھتی ہے بنیاد بے خودی
آتی ہے جب نظر تری دیوار دور سے

میں اس خرابی سے مارا پڑا ہوں رستے میں
جو تو بھی گذرے ادھر سے تو ہاتھ مل جاوے
نہ تڑپیو تو دم قتل اے "حسن" ہرگز
کہ دست یار مبادا کہیں نہ چل جاوے

ہے نقش پائے ناقہ، نقش جبیں سے باہم
محمل کے ساتھ شاید نکلا ہے قیس بن سے
سینے سے آہ دل سے نالے جگر سے افغاں
نکلے یہ سب و لیکن نکلی نہ جان تن سے

زمیں سے اب غبار اپنا بھی اٹھ سکتا نہیں یارب
نہیں معلوم ایسے گر گئے ہیں کس کے ہم دل سے
گئے وہ دن جو بالیں سے اٹھا کر سر پٹکتے تھے
جو، اب چاہیں کہ کروٹ لیں تو لی جاتی ہے مشکل سے

بہار لالہ نہ ہو گلشن گریباں میں
بہ جائے آب، جو خوں، چشم اشکبار نہ دے

"حسن'' بساط میں دل ہے یہ تیری اے جاں باز
تو منچلا ہے نہایت' کہیں یہ ہار نہ دے

شب فراق میں رو رو کے مرگئے آخر
یہ رات جیسی تھی ویسی رہی' سحر نہ ہوئی

جو ہے وہ تیری چشم کا بادہ پرست ہے
القصہ اپنے حال میں ہر ایک مست ہے
بیٹھے ہیں جب تلک تبھی تک' دور ہے عدم
چلنے کو جب ہوئے تو پھر اک دم کی جست ہے
اٹھ جائیں گر' یہ بیچ سے اپنے نکات وھم
پھر ایک شکل دیکھنے میں نیست ہست ہے

کیا جانئے کہ شمع سے کیا صبح کہہ گئی
اک آہ کھینچ کر جو وہ خاموش رہ گئی

رنج و بلا و جور و ستم داغ و درد و غم
کیا کیا نہ دل کے ہاتھ مری جان سہ گئی
ناخن نہ پہونچا' آبلۂ دل تلک "حسن''
ہم مرگئے پہ ہم سے نہ آخر گرہ گئی

کل تک تو آس تھي تیرے بیمار عشق کو
پر آج بے طرح کا اُسے اضطراب ھے

کوئي نہیں کہ یار کي لادے خبر مجھے
اے سیل رشک توھي بہادے اُدھر مجھے
یا صبح ھو چکے کہیں، یا میں ھی مرچکوں
رو بیٹھوں اس سحر ھی کو، میں یا سحر مجھے
منت تو سر پہ تیشہ کي فرھاد تب میں لوں
جب سر پٹکنے کو نہ ھو دیوار و در مجھے

نالوں سے کیا "حسن" کے تو اس قدر رکے ھے
اک آدھ دم کو پیارے جھگڑا ھی یہ چکے ھے

صبا کوچے سے تیرے ھو کے آئی ھے ادھر شاید
کہ عقدے غنچۂ دل کے لگے کچھ خود بخود کھلنے

آرزو اور تو کچھ ھم کو نہیں دنیا میں
ھاں مگر ایک ترے ملنے کا ارمان تو ھے

صبر و قرار ھوش و خرد سب کے سب یہ جائیں
پر داغ عشق سینہ، اے ھمنشیں نہ جائے

ہے پارۂ عقیق جگر دیکھیو کہیں
اے چشم تیرے ہاتھ سے ایسا نگیں نہ جائے

لوہو کے جائے حسرت آنکھوں سے اس کی ٹپکے
تیغ نگہ سے تیری جو دل فگار ہووے

جان میں میری جان آئی تھی
کل صبا کس کے پاس لائی تھی
پھر دھک اٹھی آگ دل کی ہائے
ہم نے رو رو ابھی بجھائی تھی
شب سے دل آپ میں نہیں ناصح
ایسی کیا بات اُسے سنائی تھی
دل کو روؤں کہ یا جگر کو ''حسن''
مجھ کو دونوں سے آشنائی تھی

ہم درد کے بھروں کی تو رسم فغاں نہیں
خالی ہے نے اسی لئے اُس میں یہ شور ہے

یار گر اپنے پاس ہو جاوے
زندگی کی پھر آس ہو جاوے
قاصد ایسی نہ بات کچھ کہیو
جس سے دل بے حواس ہو جاوے

جس کو سمجھا ہوں میں "حسن" امید
کہیں وہ بھی نہ یاس ہو جاوے

کر کے بسمل نہ تونے پھر دیکھا
بس اسی غم میں جان دی ہم نے

عرق کو دیکھ منھ پر تیرے پیارے
فلک کو پیٹھ دے بیٹھے ہیں تارے
چمن میں کس نے دل خالی کیا ہے
لہو سے جو بھرے ہیں پھول سارے

دل گم گشتہ کی طرف سے ہم کف افسوس اپنے مل بیٹھے

شاید کہیں "حسن" نے کھینچی ہے آہ شاید
کانٹا سا اک جگر میں اپنے کھٹک گیا ہے

دیکھا نہ کسی وقت میں، ہنستے ہوے اس کو
یہ بھی کوئی دل ہے جو کبھی شاد نہ ہووے

سراغ ناقہ لیلیٰ بتائیو اے خضر
کوئی جرس کی طرح پر خروش آتا ہے

دل کي زمیں سے کون سي بهتر زمین هے
پر جان تو بهي هو تو عجب سر زمین هے
سر کو نہ پهینک اپنے فلک پر غرور سے
تو خاک سے بنا هے ترا گهر زمین هے

اتنے آنسو تو نہ تهے دیدۂ تر کے آگے
اب تو پانی هي بهرا رهتا هے گهر کے آگے

اپنی سو گند جو دی اُس نے تو کهائي نہ گئي
ایک بهي بات محبت کی چهپائي نہ گئي

یاں تک تو تها "حسن" کو کل انتظار تیرا
آنکهوں میں اس کي هم نے جان نزار دیکهي

قیس کا عدت سے برهم هو گیا تها سلسلہ
اپنی هم دیوانگی سے اس کو جاری کر گئے

شبنم کی طرح سیر چمن بهي ضرور هے
رو دهو کے ایک رات یہاں بهي گذارئیے

یوں تو ہرگز نہیں آنے کي تمہیں نیند مگر
مجھ سے قصہ مرا کہوائیے' اور سو رہیے

جس طرف دل گیا گئے ہم بھی جان کی اپنی پاس‌داری کی

نغمۂ و عشق سے ہیں سبحہ و زنار ملے
ایک آواز پہ دو ساز کے ہیں تار ملے
میں تو آشفتۂ دل اور دل آشفتۂ زلف
خوب ہم دونوں گرفتار گرفتار ملے

کیا ہنسے اب کوئی اور کیا رو سکے
دل ٹھکانے ہو تو سب کچھ ہو سکے

گو دل پر اس کي تیغ سے بیداد ہو گئی
تن کے قفس سے جان تو آزاد ہو گئی
اک دو ہی آہیں سن کے خفا ہم سے ہو چلے
دل سوزي ایک عمر کی برباد ہوگئي

اتنا معلوم تو ہوتا ہے کہ جاتا ہوں کہیں
کوئی ہے مجھ میں کہ مجھ سے لئے جاتا ہے مجھے
تجھ کو منظور جفا مجھ کو ہے مطلوب وفا
نہ یہ بھاتا ہے تجھے اور نہ وہ بھاتا ہے مجھے

کسی کی بے وفائی سے مجھے کیا
میں اپنے کام رکھتا ہوں وفا سے

نالۂ دل پر آہ کی، میں نے بات پر مجھ کو بات یاد آئی

کس کس کے غم کو سنئے "حسن" اب وہ دل نہیں
اپنی ہی سر گذشت سے جی اپنا سیر ہے

ہے دل میں وہ لیکن دکھلائی نہیں دیتا
باہر تو اندھیرا ہے اور گھر میں اجالا ہے

یاں سے پیغام جو لیکر گئے معقول گئے
اُس کی باتوں میں لگے ایسے کہ سب بھول گئے

دید پھر پھر جہاں کی کرلیں
آخرش تو گذر ہی جاویں گے
جی تو لگتا نہیں جہاں دل ہے
ہم بھی اب تو اُدھر ہی جاوں گے
بے خبر جس طرح سے آے ہیں
اس طرح بے خبر ہی جاویں گے

نوجوانی کی دید کر لیجئے
اپنے موسم کی عید کر لیجئے
کون کہتا ہے کون سنتا ہے
اپنی گفت و شنید کر لیجئے

مثل آئینہ کیا عدم سے ہم ترا منھہ دیکھنے کو آئے تھے
لے کے رخصت "حسن" کوئی دم کی سیر کرنے کو یاں بھی آئے تھے

گل ہزاروں کو آہ جس نے دیے
دل دیا اس نے داغدار مجھے

صورت نہ ہم نے دیکھی حرم کی نہ دیر کی
بیٹھے ہی بیٹھے دل میں دوعالم کی سیر کی

تیری مدد سے تیرا ادراک ہو سکے ہے
ورنہ اس آدمی سے کیا خاک ہو سکے ہے
وہ جلد دستیوں کے جاتے رہے زمانے
اب ہاتھہ سے گریباں کب چاک ہوسکے ہے

نہ آنے کے سو عذر ہیں میری جان
اور آنے کو پوچھو تو سو راہ ہے

ہیں قفس میں، پر عبث باندھے ہے تو
اس قفس سے ہم کہاں اُڑ جائیں گے

مزے نہ دیکھے کبھی ہم نے زندگانی کے
یونہیں گذر گئے افسوس دن جوانی کے
سنا نہ ایک بھی شب اس نے حال دل میرا
نصیب جاگے نہ افسوس اس کہانی کے

دیکھا جب آنکھ کھول کے مثل حباب تب
معلوم کائنات ہوئی کائنات کی

جانتا ہے وہی مصیبت عشق
جس پر اے مہربان پڑتی ہے
جس کو دل اپنا چاہتا ہے "حسن"
بات کب اُس کی دھیان پڑتی

ہم درد کل جو ایک ملا، ہم کو راہ میں
باتوں میں ہم کہیں کے کہیں بے خبر گئے

مومن و کافر پہ کیا سب کو ندائے خیز ہے
ابلق ایام کو یاں رات دن مہمیز ہے

یار کا دھیان ' ہم نہ چھوڑیں گے
اپنی یہ آن ہم نہ چھوڑیں گے
جب تلک دم میں ہے ہمارے دم
تجھ کو اے جان ہم نہ چھوڑیں گے
ہے بڑا کفر ' ترک عشق بتاں
اپنا ایمان ہم نہ چھوڑیں گے
دل نہ چھوڑے گا تیرا دامن ' اور
دل کا دامان ہم نہ چھوڑیں گے

جان و دل ہیں اُداس سے میرے اٹھ گیا کون پاس سے میرے

آج دل بے قرار ہے ' کیا ہے درد ہے ' انتظار ہے ' کیا ہے

آ جا کہیں شتاب کہ مانند نقش پا
تکتے ہیں راہ تیری ' سر راہ میں پڑے

کس روش میں آہ پہونچوں اڑ کے گلشن تک " حسن "
مجھ کو تو صیاد نے چھوڑا ہے پر باندھے ہوے

ہو چکا حشر بھی "حسن" لیکن نہ جیے ہم فراق کے مارے

جب قفس میں تھے تو تھي ياد چمن هم کو " حزن "

اب چمن میں هیں تو پھر یاد قفس آتي هے

دلبر سے هم اپنے جب ملیں گے

اس گم شدہ دل سے تب ملیں گے

جان و دل و هوش صبر و طاقت

اک ملنے سے اس کے سب ملیں گے

انتخاب مثنوي سحرالبيان

(اس مثنوي میں " میر حسن " نے شہزادہ بے نظیر اور
شہزادی بدر منیر کے عشق کي حکایت بیان کي ہے)

شہزادۂ بے نظیر کا باغ

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ
ہوا رشک سے جس کے لالے کو داغ

عمارت کي خوبي دروں کی وہ شان
لگے جس میں زر بفت کے سائبان

چقیں اور پردے بندھے زر نگار
دروں پر کھڑي دست بستہ بہار

وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر
کہ مہ کا بندھا جس میں تار نظر

چقوں کا تماشا تھا آنکھوں کا جال
نگہ کو وہاں سے گزرنا محال

سنہری، مغرق، چھتیں ساریاں
وہ دیوار اور در کي گل کاریاں

دئے ہر طرف آئینے جو لگا
گیا چوگنا لطف اُس میں سما

وہ مخمل کا فرش اس کا ستھرا کہ بس
بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوس

بنی سنگ مر مر سے چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اُس کے سرو سہی
کچھ اک دور دور اُس سے سیب و بہی

ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈہے

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگا جیسے سنگ

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یا سمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاخ شبو کے ہر جا نشاں
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغواں اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کو داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب وار

کھڑے سرو کی طرح چلتا کے جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ
کہیں زرد نسریں کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن
پڑا آب جوہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے
گلوں کا لب نہر پر جھومنا
اُسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیابان پر
نشے کا سا عالم گلستان پر
کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال
لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ تد
خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کی دیتی ہر اک گل کی بو
کھڑے نہر پر قاز اور قر قرے
لئے ساتھ مرغابیوں کے پرے
صدا قر قروں کی بطوں کا وہ شور
درختوں پہ بگلے ' منڈیروں پہ مور
چمن آتش گل سے دھکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا
صبا جو گئی ڈھیریاں کر کے پھول
پڑے ہر طرف مولسریوں کے پھول

وہ کیلوں کی اور دوسریوں کی چھانوں
لگی جائیں آنکھیں لئے جس کا نانوں

(شہزادۂ بے نظیر کا غسل کرنا)

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اُس کے اندام میں
تن نازنیں نم ہوا اُس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل

پرستار باندھے ہوئے لنگیاں
مہ و مہر سے طاس لے کر وہاں
لگے ملنے اُس گلبدن کا بدن
ہوا ڈھڈھا آب سے وہ چمن

نہانے میں یوں تھی بدن کی چمک
برسنے میں بجلی کی جیسی چمک
بھوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جیسے دو گلبرگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑی جیسے نرگس پہ اوس
لگا ہونے ظاہر یہ اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اُس سے انداز حسن

گیا حوض میں جب شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اُس کے تر
کہے تو کہ ساون کي شام و سحر
نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھي کوئي خوب تر اس سے شب
کہوں اس کی خوبي کي کیا تجھ سے بات
کہ جیوں بھیگتي جائے صحبت میں وات
زمرد کے لے ھاتھ میں سنگ پا
کیا خادموں نے جو آھنگ پا
ھنسا کھل کھلا وہ گل نو بہار
لیا کھینچ پاؤں کو بے اختیار
عجب عالم اس نازنیں پر ھوا
اثر گدگدی کا جبیں پر ھوا
ھنسا اس ادا سے کہ سب ھنس پڑے
ھوے جی سے قربان چھوٹے بڑے
کیا غسل جب اس لطافت کے ساتھ
اڑھا کھیس لائے اسے ھاتھوں ھاتھ
نہا دھو کے نکلا وہ گل اس طرح
کہ بدلی سے نکلے ھے مہ جس طرح

(شہزادۂ بے نظیر کي سواري)

نکل گھر سے جس دم ھوا وہ سوار
کئے خوان گوھر کے اس پر نثار

زبس تھا سواري کا باهر هجوم
هوا جب کي ڈنکا پڑی سب میں دهوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
هزاروں هی تھی هاتھیوں کی قطار

سنهري روپهلی وہ عماریاں
شب و روز کی سي طرح داریاں

چمکتے هوئے بادلے کے نشان
سواروں کے غت اور بانوں کي شان

هزاروں هي اطراف میں پالکی
جھلا بور کي جگمگي نالکي

کهاروں کی زربفت کي کرتیاں
اور ان کے دبے پاوں کي پھرتیاں

بندهی پگڑیاں طاش کي سر اوپر
چکا چوندھ میں جن سے آوے نظر

وہ هاتھوں میں سونے کے مرتے کڑے
جھلک جس کی هر هر قدم پر پڑے

وہ ماهی مراتب وہ تخت رواں
وہ نوبت کہ دولھا کا جیسے سماں

وہ شہنائیوں کي صدا خوش‌نما
سهاني وہ نوبت کي دهیمي صدا

وہ آهستہ گھوڑوں پہ نقارچی
قدم با قدم با لباس زري

بجاتے ہوے شادیانے تمام
چلے آگے آگے ملے شاد کام

سوار اور پیادے صغیر و کبیر
جلو میں تمامی امیر و وزیر

وہ نظریں کہ جس جس نے تھیں ٹھانیاں
شہ و شاہ زادے کو گزرانیاں

ہوے حکم سے شاہ کے پھر سوار
چلے سب قرینے سے باندھے قطار

سجے اور سجائے سبھی خاص و عام
لباس زری میں ملبس تمام

طرق کے طرق اور پرے کے پرے
کچھ ایدھر ادھر کچھ ورے کچھ پرے

مرصع کے سازوں سے کوتل سمند
کہ خوبی میں روح القدس سے دو چند

وہ فیلوں کی اور میگڈنبر کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائباں

چلی پایۂ تخت کے ہو قریب
بدستور شاہانہ نپتی جریب

سواری کے آگے بڑے اہتمام
لئے سونے روپے کے عاصے تمام

نقیب اور جلودار اور چوبدار
یہ آپس میں کہتے تھے ہردم پکار

اسي اپنے معمول و دستور سے
ادب سے تفاوت سے اور دور سے

یلانو! جوانو! بڑھے جائیو
دو جانب سے باگیں لئے آئیو

بڑھے جائے آگے سے چلتا قدم
بڑھے عمر و دولت قدم با قدم

غرض اس طرح سے سواری چلي
کہے تو کہ باد بہاري چلي

تماشائیوں کا جدا تھا ہجوم
کہ ہر طرف تھي لاکھ عالم کی دھوم

لگا قلعے سے شہر کی حد تلک
دکانوں پہ تھي بادلے کی جھلک

منڈھے تھے تمامی سے دیوار و در
تمامي تھا وہ شہر سونے کا گھر

کیا تھا ز بس شہر آئینہ بند
ہوا چوک کا لطف واں چار چند

رعیت کی کثرت ، ہجوم سپاہ
گزرتي تھی اک اک کی ہر جا نگاہ

ہوے جمع کوٹھوں پہ جو مرد و زن
ہر اک سطح تھا جوں زمین چمن

یہ خالق کي سن قدرت کاملہ
تماشے کو نکلي زن حاملہ

لگا لذبج سے تا ضعیف و نحیف
تماشے کو نکلے وضیع و شریف
نظر جس کو آیا وہ ماہ تمام
کیا اُس نے جھک جھک کے اُس کو سلام

(شہزادي بدر منیر کا باغ)

سنو ایک دن کی یہ تم واردات
اتھا سیر کو بے نظیر ایک رات
ہوا نا گہاں اس کا اک جا گزر
سہانا سا اک باغ آیا نظر
سفید ایک دیکھي عمارت بلند
کہ تھي نور میں چاندنی سے دوچند
مغرق زمین پر تمامی کا فرش
جھلک جس کی لے فرش سے تابہ عرش
ہر اک سمت واں نور کا اژدحام
لگے آئینے قد آدم تمام
ملبب وہ چوپڑکی پاکیزہ نہر
پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں لہر
پڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیچ موتي سے لٹتے ہوئے
مقرض پڑا اس میں مقیش جو
گرا ماہ واں اشک سے پرزے ہو

لئے گود مقیش چھوٹے بڑے
هر اک جا ستارے اُڑاویں کھڑے

هوا میں وہ جگنو سے چمکیں بہم
مکیں جلوۂ مہ کو زیر قدم

زمانہ زر افشاں هوا زر فشاں
زمیں سے لگاتا سما زر فشاں

گل و غنچہ زرین و تاج خروس
زمیں چمن سب جبیں عروس

کھڑا ایک نمگیرۂ زر نگار
کہ تھے جس کی جھالر پہ موتی نثار

کہوں کیا میں جھالر کي اس کی پھبن
کہ سورج کے هو گرد جیسے کرن

مفرق بچھي مسند اک جلمگی
کہ تھي چاندنی جس کے قدموں لگي

بلوریں صراحی وہ جام بلور
دل و دیدہ وقف تماشاے نور

زمیں نور کي آسماں نور کا
جدهر دیکھو اودهر سماں نور کا

وہ مسند جو تھی موج دریاے حسن
وهاں دیکھی اک مسند آراے حسن

دئے کھنی تکیے پہ اک ناز سے
سر نہر بیٹھی تھی انداز سے
خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر اژدحام
ادھر آسماں پر وہ رخشندہ مہ
اودھر یہ زمیں پر مہ چار دہ
پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں
نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منھ کو لگے چار چاند

(بدر منیر کا اپنے باغ میں جلوہ افروز ہونا)

زمرد کا مونڈھا چمن میں بچھا
وہ بیٹھی عجب آن سے دل ربا
عجب حسن تھا باغ میں جلوہ گر
کدھر گل کی تھی اس کے منھ پر نظر
چمن اس گھڑی بر سر جوش تھا
گل و غنچہ جو تھا سو بے ہوش تھا
ز بس عطر میں تھی وہ ڈوبی ہوئی
دوبالا ہر اک گل کی خوبی ہوئی
معطر ہوا اور گل کا دماغ
کہ مہکا تمام اس کی خوشبو سے باغ

پڑا عکس اس کا جو طرف چمن
ہوا لالہ گل اور گل نسترن
درختوں پہ اس کی پڑی جو جھلک
زمرد کو دی اور اس نے چمک
ہوئی اس کے بیٹھے سے گلشن کی زیب
گیا اڑ صبا کا بھی صبر و شکیب
چمن نے جو اس گل کی دیکھی بہار
ہوا دیکھ اپنے گلوں کو فگار
گل و غنچہ و لالہ آپس میں مل
لگے کہنے اس باغ کا ہے یہ دل
گئی جی سے بلبل کے گلشن کی چاہ
ہوئی سرو کی شکل قمری کو آہ
ہوئے واں کے آئینہ دیوار و در
وہ مہ سب دل میں ہوئی جلوہگر

(بدر منیر کا بے نظیر کو اپنے باغ میں پہلے پہل دیکھنا)

درختوں سے وہ دیکھتا تھا نہاں
کسی کی نظر جا پڑی نا گہاں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
درختوں کی ہے اوٹ ماہ مبین

کسی نے کہا، ہے پری یا کہ جن
کسی نے کہا ہے قیامت کا دن

لگی کہنے ماتھا کوئی اپنا کوٹ
ستارہ پڑا ہے فلک پر سے ٹوٹ

ہوئی صبح شب کا گیا اٹھ حجاب
درختوں میں نکلا ہے یہ آفتاب

گئی بات یہ شاہزادی کے گوش
یہ سنتے ہی جاتا رہا اُس کا ہوش

خواصوں کے کاندھے پہ دھر اپنا ہاتھ
عجب اک ادا سے چلی ساتھ ساتھ

کچھ اک ہول سے خوف کھاتی ہوئی
دھڑک اپنے دل کی مٹاتی ہوئی

گئی ہند میں تھیں جو کچھ کچھ پڑھیں
دعائیں وہ پڑھ پڑھ کے آگے بڑھیں

جو دیکھیں تو ہے اک جوان حسین
کھڑا ہے وہ آئینہ سا مہ‌جبیں
سرکنے کی واں سے نہ جاگہ نہ ٹھاؤں
دئے حیرت عشق نے گاڑ پاؤں
برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن
مرادوں کی راتیں جوانی کے دن
عیاں چستی و چابکی گات سے
نمود جوانی ہر اک بات سے
قیافے سے ظاہر سراپا شعور
جبیں پر برستا شجاعت کا نور
گئی اُس جگہ جب کہ بدر منیر
اور اُس نے جو دیکھا شہ بےنظیر
گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی - دل سے دل
وہ شہزادۂ دل شدہ تو ٹھٹک
وہیں رہ گیا نقش پا سا بھچک
کہ وہ نازنیں منھ جھچک موڑ کر
وہیں نیم بسمل اُسے چھوڑ کر
ادائیں سب اپنی دکھاتی چلی
چھپا منھ کو اور مسکراتی چلی
غضب منھ پہ ظاہر ولے دل میں چاہ
نہاں آہ آہ اور عیاں واہ واہ

یہ ہے کون کم‌بخت آیا یہاں
میں اب چھوڑ گھر اپنا جاؤں کہاں
یہ کہتی ہوئی آن کی آن میں
چھپی جاکے اپنے وہ دالان میں
دیا ہاتھ سے چھوڑ پردہ شتاب
چھپا ابر تاریک میں آفتاب

(بےنظیر سے بدر منیر کی پہلی ملاقات)

بزور اس کو لاکر بٹھایا جو واں
نہ پوچھ اس گھڑی کی ادا کا بیاں
وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے
منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے
پسینے پسینے ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن
گھڑی دو تلک وہ مہ و آفتاب
رہے شرم سے پائے بند حجاب

(بے نظیر کے هجر میں بدر منیر کی حالت)

گئے اس پہ دن جب کئی اور بھی
بگڑنے لگے پھر تو کچھ طور بھی

دوانی سي هر طرف پھرنے لگي
درختوں میں جا جا کے گرنے لگی

تھرنے لگا جان میں اضطراب
لگي دیکھنے وحشت آلودہ خواب

تپ هجر گھر دل میں کرنے لگی
در اشک سے چشم بھرنے لگی

خفا زندگانی سے هونے لگی
بہانے سے جا جا کے سونے لگي

تپ غم کي شدت سے وہ کانپ کانپ
اکیلی لگي رونے منہ ڈھانپ ڈھانپ

نہ اگلا سا هنسنا نہ وہ بولنا
نہ کھانا نہ پینا نہ لب کھولنا

جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اسے
محبت میں دن رات گھٹنا اسے

کہا گر کسي نے کہ بي بی چلو
تو اٹھنا اسے کہہ کے هاں جي چلو

جو پوچھا کسي نے کہ کیا حال ھے
تو کہنا یہي ھے جو احوال ھے
کسي نے جو کچھ بات کي بات کي
یہ دن کي جو پوچھی کہی رات کی
کہا گر کسي نے کہ کچھ کھائیے
کہا خیر بہتر ھے منگوائیے
جو پاني پلانا تو پینا اُسے
غرض غیر کے ھاتھ جینا اُسے
نہ کھانے کي سدہ اور نہ پینے کا ھوش
بھرا دل میں اس کے محبت کا جوش
غزل یا رباعی و یا کوئي فرد
اُسی ڈھب کي پڑھنا کہ ھو جس میں درد
سو یہ بھی جو مذکور نکلے کہیں
نہیں تو کچھ اس کي بھي خواھش نہیں
سبب کیا کہ دل سے تعلق ھے سب
نہ ھو دل تو پھر بات بھی ھے غضب
گیا ھو جب اپنا ھی جیوڑا نکل
کہاں کی رباعي کہاں کی غزل
زباں پر تو باتیں ولے دل اداس
پراگندہ وحشت سے ھوش و حواس
نہ منھ کی خبر اور نہ تن کی خبر
نہ سر کی خبر نہ بدن کي خبر
نہ منظور، سرمہ نہ کاجل سے کام
نظر میں وھي تیرہ بختی کی شام

و لیکن یہ خوباں کا دیکھا سو بھاؤ
کہ بگڑے سے دونا ہو اُن کا بناؤ

بدر منیر کا جوگن بن کر جنگل کو نکل جانا اور
چاندنی رات میں کدارا بجانا

قضارا سہانا سا اک دشت تھا
کہ اک شب ہوا اُس کا واں بسترا
وہ تھی اتفاقاً شب چاردہ
اداسی وہ بیٹھی وہاں رشک مہ
بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی
بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبین
کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق میں
کدارا یہ بجنے لگا اُس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ
بندھا اس جگہ اس طرح کا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں
وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
اُگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے جھمکتے ہوئے
درختوں کے سایے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور
ویا یہ کہ جوگن کا منھ دیکھکر
ہوا نور و سایہ کا ٹکڑے جگر
گیا ہاتھ سے بین سن کر جو دل
گئے سایہ و نور آپس میں مل
ہوا بندھ گئی اُس گھڑی اس اصول
بسیرا گئے جانور اپنا بھول
درختوں سے لگ لگ کے باد صبا
لگی وجد میں بولنے واہ وا
کدارے کا عالم یہ تہا اُس گھڑی
کہ تھی چاندنی ہر طرف غش پڑی

سوز

سید محمد میر نام ' - دهلي میں پیدا هوے اور عمر کا بیشتر حصه وهیں صرف هوا - آخر عمر میں لکھنؤ گئے اور وهیں کے هو رهے -

شعر و سخن کا شوق ان کی فطرت تھا ' ابتدا میں " میر " تخلص کیا جب میر تقي کا شهره اس تخلص سے سنا تو اس کو ترک کر کے " سوز " بن گئے -

" میر تقی " میر ان کے زور طبع کا اعتراف کرتے هیں ' میرحسن' ان کے طرز ادا اور انداز شعر خواني کی تعریف کرتے هیں -

شاعري کے علاوہ وہ شهسواري اور تیراندازی میں بھی کمال تھا طاقت‌ور ایسے تھے که ان کی کمان کا چڑھانا هر شخص کے بس کی بات نه تھی -

شاہ عالم کے عهد میں دهلی کی تباهی کے ساتھ " میر " بھی خانماں برباد هوکر گھر سے نکلے ' پهلے فرخ‌آباد گئے مگر قسمت نے یاوری نه کي پھر لکھنؤ پهونچے ' سیاه بختي سائے کی طرح ساتھ تھي' وهاں بھي ان کا رنگ نه جما - لکھنؤ سے مرشدآباد پهنچے وهاں بھي بهتري کي کوئی صور نه نکلی - کچھ دنوں بعد دوباره لکھنؤ گئے تو قسمت کا ستاره چمکا ' نواب آصف‌الدوله کے سے آفتاب کرم کو مشورۂ سخن دینے اور سکون و اطمینان کي زندگي بسر کرنے لگے میر " سوز "

بزم تغزل میں شمع محفل ہیں ' خود جلتے ہیں اور محفل کو بھی
گرماتے ہیں - سوز ' کے ساتھ کلام میں ساز بھی ہے - جذبات کے بیان
میں بے ساختگی کا جوہر دکھاتے ہیں - زبان صاف اور بندش چست
ہوتي ہے -- محاورہ بندي کي طرف خاص توجہ رکھتے ہیں " سوز ''
کے انداز میں ' میر '' کا رنگ جھلکتا ہے -

'' میر '' " سوز '' نے سنہ ۱۲۱۳ھ میں ۷۰ برس کی عمر پاکر
لکھنؤ میں انتقال کیا -

انتخاب

اهل ایماں "سوز" کو کہتے ہیں کافر ہو گیا
آہ یارب! راز دل ان پر بھي ظاہر ہو گیا

دیکھ دل کو چھیڑ مت ظالم کہیں دکھ جائے گا
ہاں بغیر از قطرۂ خوں اور تو کیا جائے گا

مندے گر چشم ظاهر دیدۂ بیدار ہو پیدا
در و دیوار سے شکل جمال یار ہو پیدا

جي ناک میں آیا بت گل‌فام نہ آیا
جینا تو الٰهی مرے کچھ کام نہ آیا

قتل سے یہ بے گنہ راضي ہے اپنے اس لئے
ہاتھ میں اک روز تو داماں قاتل ہوئے گا
ابر کے قطرے سے ہو جاتے ہیں موتي نا صحا
کیوں ہمیں رونے سے اپنے کچھ نہ حاصل ہوئے گا

اپنے رونے سے گر اثر ہوتا　　قطرۂ اشک' بھی گہر ہوتا

''سوز'' کو شوق کعبہ جانے کا　　ہے بہت پر زیادہ تر ہوتا

نہ پہنچے آہ و نالہ گوش تک اس کے کبھو اپنے
بیاں ہم کیا کریں طالع کی اپنے نارسائی کا
خدا یا کس کے ہم بندے کہاویں سخت مشکل ہے
رکھے ہے ہر صنم اس دہر میں دعویٰ خدائی کا
خدا کی بندگی کا '' سوز '' ہے دعویٰ تو خلقت کو
و لے دیکھا جسے ' بندہ ہے اپنی خود نمائی کا

کعبہ ہی کا اب قصد یہ گمراہ کرے گا
جو تم سے بتاں ہوگا سو اللہ کرے گا

قاضی ہزار طرح کے قصوں میں آ سکا
لیکن نہ حسن و عشق کا جھگڑا چکا سکا
رستم نے گو پہاڑ اٹھایا تو کیا ہوا
اس کو سراہئے جو ترا ناز اٹھا سکا

بلبل نے جس کا جلوہ جا کر چمن میں دیکھا
دو آنکھ موند ہم نے وہ من ہی من میں دیکھا

اس سوا کھوج نہ پایا ترے دیوانے کا
قطرۂ خوں ہے مگر خار بیاباں میں لگا

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا
مرے سوال کا منھ سے جواب نکلے گا

تو روز وصل تو اے "سوز" اپنے آنسو پوچھ
ابھی بہت ہے تجھے ہجر یار میں رونا

بتوں کے عشق سے واللہ کچھ حاصل نہیں ہوتا
انہوں سے بات کرنے کو بھی اب تو دل نہیں ہوتا

ساغر عیش دیا اوروں کو "سوز" کو دیدۂ پرنم بخشا

جس نے ہر درد کو درماں بخشا مجھ سے کافر کو بھی ایماں بخشا
چشم معشوق کو دی عیاری "سوز" کو دیدۂ گریاں بخشا

یہ سب باتیں ہیں قاصد یار میرے گھر نہیں آتا
نہ دیکھوں جب تلک آنکھوں سے کچھ باور نہیں آتا

کیا دید کروں میں اس جہاں کا
وابستہ ہوں چشم خوں چکاں کا

الٰہی! محبت کو لگ جائے لوکا
کہ اُٹھتا ہے ہردم جگر سے بھبو کا
فریب محبت نے مجھ کو پھنسایا
میں بھولا، میں بھولا، میں چوکا میں چوکا

مرا قتل کیا دل ربا نے نہ چاہا
وہ کب چوکتا تھا خدا نے نہ چاہا

یار اغیار ہو گیا ہیہات کیا زمانے کا انقلاب ہوا

عاشق ہوا، اسیر ہوا، مبتلا ہوا
کیا جانئے کہ دیکھتے ہی دل کو کیا ہوا

رات کو نیند ہے نہ دن کو چین
ایسے جینے سے اے خدا گذرا

دل تھا بساط میں سو کوئی اس کو لے گیا
اب کیا کروں گا اے مرے اللہ کیا ہوا

پھر اس سے ہم سے بگڑ گئی تو خفا ہو مجھ کو رلا دیا
ولے میں بھی کیا ہوں کہ رونے میں یہ بنایا منھ کہ ہنسا دیا

پوچھے ہے مجھ کو سنیو عاشق تو سچ ہے میرا
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا

جن کے نامے پہونچتے ہیں تجھ تک
کاش میں ان کا نامہ بر ہوتا

دعوی کیا تھا گل نے اس رخ سے رنگ و بوکا
ماریں صبا نے دھولیں شبنم نے منھ پہ تھوکا

"سوز" کیوں آیا عدم کو چھوڑکر دنیا میں تو
واں تجھے تھی کیا کمی ؟ یاں تجھ کو کیا در کار تھا

بہت چاہا کہ تو بھی مجھ کو چاہے
مگر تونے نہ چاہا پر نہ چاہا

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا تھا کہ کیوں خوب ہوا

بھلا اور تو اور یہ پوچھتا ہوں
کبھی یاد کرتے تھے سو بھی بھلایا

تھرتھراتا ھے اب تلک خورشید
سامنے تیرے آگیا ھوگا

کھولی گرہ جو غنچہ کی تونے تو کیا عجب
یہ دل کھلے جو تجھ سے تو ہو اے صبا عجب
اسلام چھوڑ کفر کیا، میں نے اختیار
تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے مرے خدا عجب

صاحبو! طوف دل مستاں کرو تو کچھ ملے
ورنہ کعبے میں دھرا کیا ھے بغیر از سنگ وخشت

مجھکو ترے نہیں ھے کچھ خیال خوب و زشت
ایک ھے اس کو ھوائے دوزخ و باغ بہشت
ناصحا گر یار ھے ھم سے خفا تو تجھ کو کیا
چین پیشانی ھی ھے اس کی ھماری سر نوشت

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند
جو گنہ کیجئے ثواب ھے آج

قیامت کا بھی دھڑ کا "سوز" کے دل سے نکل جائے
خداوند! گذر قاتل کا ہو گور غریباں پر

ھجر میں مرتا ھوں میں پیغام سے تو شاد کر
تو جو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

یوں دیکھ لے ھے وہ کہ ادا کو نہ ھو خبر
چھینے دل اس طرح کہ دغا کو نہ ھو خبر
عشاق تیرے تیغ تلے اور ستم پناہ
سر اس طرح سے دیں کہ قضا کو نہ ھو خبر

کم نہیں ھوتا غبار خاطر جاناں ھنوز
خاک سے میرے جھکتا ھے کھڑا داماں ھنوز

مرضی جفائے چرخ کی بے داد کي طرف
مائل کیا دل اس ستم ایجاد کي طرف

دیکھیں تو داغ سینہ کس کے ھیں اب زیادہ
اے لالہ داغ دل کے کرلیں شمار ھم تم
تو میرے دل کو دیکھے میں تیرے دل کو دیکھوں
دل چاک چاک کر کر دیکھیں بہار ھم تم

دل ھے یا میں ھوں، میں ھوں یا دل ھے
اور اب ھم کنار کس کا ھوں

قاتل پکارتا ھے ' ھاں کون کشتنی ھے
کیوں " سوز " چپ ھے بیٹھا کچھ بول اٹھ نہ ھاں ھوں

سمجھاؤں اپنے کفر کے گر رمز شیخ کو
بے اختیار کہہ اٹھے اسلام کچھ نہیں

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ھیں راھیں
جیتے مسافروں کو دیتی نہیں نگاھیں

بے قراری نہ کر خدا سے ڈر
" سوز " ! عاشق کا یہ شعار نہیں

میں وہ درخت خشک ھوں اس باغ میں صبا
جس کو کسو نے سبز نہ دیکھا بہار میں

مقبروں میں دیکھتے ھیں اپنی ان آنکھوں سے روز
یہ برادر ' یہ پدر ' یہ خویش ' یہ فرزند ھیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ھیں یار
جانتے اتنا نہیں سب خاک کے پیوند ھیں

ھاں اھل بزم آؤں میں بھی پر ایک سن لو
تنہا نہیں ھوں بھائی با نالۂ و فغاں ھوں

کیا کروں دل کو کچھ قرار نہیں
اس میں کچھ میرا اختیار نہیں

اے اہل بزم میں بھي مرقع میں دھر کے
تصویر ہوں و لے لب حسرت گزیدہ ہوں

بس غم یار ایک دن دو دن
اس سے زیادہ نہ ہو جیو مہماں

جلوں کي بري آہ ہوتی ہے پیارے
تم اس سوز کي اپنے حق میں دعا لو

خدا ہی کي قسم ناصح نہ مانوں گا کہا اب تو
نہ چھوٹے گا ترے کہنے سے میرا دل لگا اب تو

دل سا رفیق میرا تونے جدا کیا ہے
لے عشق جی بھي لے چک! تیرا اگر بھلا ہو

کہیو اے باد صبا بچھڑے ہوئے یاروں کو
راہ ملتی ہي نہیں دشت کے آواروں کو
بال باندھے جنھیں کہتے ہیں یہی عاشق ہیں
کیا چھڑاوے کوئي زلفوں کے گرفتاروں کو

اب یہ دیوانہ کہے ھے کھول دو زنجیر کو
توڑ دو اے عاشقو سر رشتۂ تدبیر کو

او جانے والے اُس سے یہ کہیو کہ واہ واہ
کچھ بھی خبر ھے در پہ پکارے ھے داد خواہ

ہرچند میں لائق تو نہیں ترے کرم کے
لیکن نگہہ لطف سے تک آنکھ اٹھا دیکھ

کچھ کہہ تو قاصد آتا ھے وہ ماہ الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منھ میں آگے کہوں کیا استغفراللہ استغفراللہ

راہ عدم کی بھی عجب سہل ھے
جس کو نہ کچھ زاد سفر چاھئے

جس کو نہ ہو شکیب ، نہ تاب فغاں رھے
تیری گلی میں وہ نہ رھے تو کہاں رھے

اشک خوں آنکھوں میں آکر جم گئے
دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

سر زانو پہ ہو اُس کے اور جان نکل جائے
مرنا تو مسلم ہے ارمان نکل جائے

مت کیجئے خیال کل ملیں گے
ہے پل میں یہ خواب زندگانی

مثل نے ' ہر استخواں میں درد کی آواز ہے
کچھ نہیں معلوم یارب سوز ہے یا ساز ہے

مکر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے
سبھوں سے پوچھتا ہے اس کو کس نے مار ڈالا ہے

لوگ کہتے ہیں مجھے' یہ شخص عاشق ہے کہیں
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہے

کہوں کس سے شکایت آشنا کی
سنو صاحب! یہ باتیں ہیں خدا کی

دونوں جہان سے تو مجھے کام کچھ نہیں
ہاں یہ غرض ہے یار کہ تو مہرباں رہے

اثر

سید محمد میر نام ' خواجه عندلیب کے بیتے ' خواجه "میر" درد کے بهائی تهے ' دهلی مولد اور مسکن تها - خواجه " میر " درد کے سایهٔ عاطفت میں پرورش پائی - علوم و فنون کي تحصیل اساتذہ دهلی سے کي ' ریاضي میں خواجه احمد دهلوی کے شاگرد هوکر استاد یگانه هوگئے - تصوف میں اپنے خاندان کے پیرو تهے موسیقي میں بهي کمال تها - تذکرہ میر " حسن " میں هے -:—

" درویش است موقر' صاحب سخنے است موثر' عالم و فاضل ' رتبهٔ قدرش بغایت بلند " اثر کي شاعری درد کا آئینه هے ' وہ جو کچهه کهتے هیں بے ساختگي سے کهتے هیں ' لیکن لوازم شاعري سے بے خبر نهیں رهتے - زبان بهی ایسی میتهي که قند گهولتے هیں محاورات دل نشین سے دلوں پر اپنا سکه بتهاتے هیں غزل میں عشق ' تصوف ' اخلاقیات ' پند و نصائح سب کچهه اس انداز میں کهتے هیں که دل میں اترتا چلا جاتا هے پند و نصیحت کی تلخی میں طرز ادا کی شیرنی اس طرح ملا دیتے هیں که غذائے روحاني بن جاتي هے - خواجه " میر " درد کی طرح مختصر الفاظ میں وسیع معاني پهناتے هیں - اور معمولي ترکیبوں میں طلسم بندی کا لطف دکهاتے هیں ' غزلوں کا

ایک مختصر دیوان ہے جو ناقدی کے ہاتھوں کم یاب تھا ، لیکن اب مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع کیا ہے - خواب و خیال نام کی ایک مثنوی بھی لکھی ہے جس کو ایک زمانہ میں بڑی شہرت حاصل تھی -

خواجہ اثر نے سنہ ۱۲۵۰ھ سے پہلے وفات پائی -

اِنتخاب

بس رفع اب خیال مے و جام ہو گیا
ساقي بہ یک نگاہ ' مرا کام ہو گیا

منت رہےگی حشر تلک تیري اے اجل
گو جي گیا ' پہ ہم کو تو آرام ہو گیا

میرے تئیں تو کام نہ تھا ان بتوں سے آہ
پر' دل کے ساتھہ مفت میں بدنام ہو گیا

کبھو منھہ بھي مجھے دکھائیے گا
یا یونہیں دل مرا دکھائیے گا

دیکھہ لیجو ' یہ انتظار مرا ایک دن تجھہ کو کھینچ لاوے گا
"اثر" اب تو ملے ہے تو اس سے پھر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

بے وفائی پہ تیرے جی ہے فدا قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

ہو جائیں گے حور اس کے معلوم داغوں کو مرے شمار کرنا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا دل میں "اثر" اُس کے راہ کرنا

جي اب کے بچا خدا کر پھر اوو بتوں کي چاہ کرنا

یہ خاک نشیں ' تیرے سر راہ جو بیٹھا

جوں نقش قدم موھی مٹا لیک نہ سر کا

عشق تیرے کا ' دل کو داغ لگا

دیکھ تو بھي ' نیا یہ باغ لگا

پہلے سو بار اِدھر اُدھر دیکھا جب تجھے ڈرکے اک نظر دیکھا

بے طرح کچھ گھلائے جاتا ھے شمع کي طرح دل کو چور لگا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا

کچھ خدا کا بھی تونے ڈر نہ کیا

کون سا دل ھے وہ کہ جس میں آہ

خانہ آباد تونے گھر نہ کیا

نہ رھی گو کہ خاک بھی اپنی

تیرے خاطر میں پر غبار رھا

ساری مجلس میں تیري اے ساقی

ایک اپنے تئیں خمار رھا

حق تری تیغ کا ادا نہ ہوا
اپنی گردن پہ سر یہ بار رہا
تو نہ آیا ولے "اثر" کے تئیں
مرتے مرتے بھی انتظار رہا

تیرے آنے کا احتمال رہا
مرتے مرتے یہ ہي خیال رہا
شمع ساں جلتے بلتے کاتي عمر
جب تلک سر رہا وبال رہا
دل نہ سنبھلا اگرچہ، میں تو اُسے
اپنے مقدور تک سنبھال رہا

دل تو اُدھر سے اٹھ نہیں سکتا
ہاتھ اب کس طرح اٹھائے گا

اب توقع کسے بھلائی کي — دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا
بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا — قہر ہوتا جو با وفا ہوتا

کبھو کرتے تھے مہربانی بھي — آہ وہ بھي کوئي زمانہ تھا
تو نہ آیا ادھر کو ورنہ ہمیں — حال اپنا تجھے دکھانا تھا
کیا بتاویں کہ اس چمن کے بیچ — کہیں اپنا بھي آشیانہ تھا

گر کے اتھا نہ پھر میں قطرۂ اشک
کوئی ایسا بھی کم گرا ہوگا

تیرے ہاتھوں سے میں ہلاک ہوا
مفت ہي مفت جل کے خاک ہوا

دل سے فرصت کبھو جو پائے گا
حال اپنا تجھے سنائے گا

زیست ہو تو تعجبات ہے اب   مر ہي جانا بس ایک بات ہے اب

غم ہی دکھلاتي ہے سدا قسمت
واہ اپني بندی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھي ہوئے دشمن
نہ ہوا دوست وہ بھي یا قسمت

شمع فانوس میں نہ جب کہ چھپي
کب چھپے ہے یہ منھہ نقاب کے بیچ

شب زندہ دار یوں "اثر" مردہ دل ہو "درد"
مانوں نہ پیر! تیري کرامات کس طرح ؟

جوں گل تو، ھنسے ھے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رلا کر
مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے
تک رام کیا خدا خدا کر

دل سے گزر کے، نوبت پہونچی ھے، گو کہ جاں تک
تا حال حرف شکوہ آیا نہیں زباں تک

بس ھو یارب یہ امتحان کہیں
یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
تھامتا ھوں "اثر" میں آھوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

مارتی ھے یہ جی کی بے چینی
یارب؟ آرام، دل کو ھو وے کہیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یاں، پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے "اثر" کے ساتھ گئیں

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانا تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ہم اسیروں کی اُسے چاہئے خاطر داری
اور اُلٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

نالے بلبل نے گو ہزار کئے ایک بڑی گل نے پر سناهي نہیں

واہ رے عقل، تجھ سے دشمن سے دوستي کا گمان رکھتا ہوں

تجھ سوا کوئي جلوہ گر هي نہیں
پر ہمیں آہ کچھ خبر ہی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے
بات میري جو معتبر هي نہیں
تیری اُمید چھٹ نہیں امید
تیرے در کے سوائے در هي نہیں

بے وفا تیري کچھ نہیں تقصیر
مجھ کو میري وفا ہی راس نہیں
تو ہی بہتر ہے آئینہ ہم سے
ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں
یوں خدا کي خدائي برحق ہے
پر " اثر " کي ہمیں تو آس نہیں

آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی
فریاد ہے یہی ' کوئی فریاد رس نہیں
تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں' سو یقیں ہوا
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اس کا گماں نہیں
سر تو چلے ' کہاں تئیں اب در گزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہي دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں' پہ اب نہیں تو تو جہاں نہیں

یہ دولت مند ہیں پابند انواع گرفتاری
چھٹیں ہرگز نہ قیدوں سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں

کوئي کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے میں
آ پھنسا دام میں کیا جانئے کس بات سے میں

اسودہ جا بجا ترے یاں خاکسار ہیں
نقش قدم نہیں ہیں یہ لوح مزار ہیں

کیا کیجئے اختیار نہیں دل کی چاہ میں
ہیں سب وگرنہ تیري یہ باتیں نگاہ میں

یا خدا پاس ، یا بتاں کے پاس دل کبھي اپنا' یاں رھا ھی نہیں

پوچھ مت حال دل مرا مجھ سے مضطرب ھوں مجھے حواس نہیں

ایک تیرے ھي بات کے لئے ھم
باتیں سو سو سبھوں کی سہتے ھیں

جان سے ھم توھاتھ دھو بیٹھے اس دل بے قرار کے ھاتھوں
رو برو دیکھنا محال ھوا دیدۂ اشک بار کے ھاتھوں

کیا کہوں اپني میں پریشانی
دل کہیں' میں کہیں ھوں' دھیان کہیں

بے وفا تجھ سے کچھ گلا ھي نہیں
تو تو گو یا کہ آشنا ھی نہیں
یاں تغافل میں اپنا کام ھوا
تیرے نزدیک یہ جفا ھی نہیں

بے وفا کچھ تري نہیں تقصیر مجھ کو میري وفا ھی واس نہیں

بےگناہ‌ھوں سے دل کو صاف کرو نہیں تقصیر' پر معاف کرو

نہ لگا ' لے گئے جہاں دل کو — آہ لے جائیے ' کہاں دل کو
یوں تو کیا بات ہے تري لیکن — وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو
آزمانا کہیں نہ سختي سے — دیکھیو! میرے ناتواں دل کو

جو سزا دیجیے ' ہے بجا مجھ کو — تجھ سے کرنی نہ تھي وفا مجھ کو

مانا "اثر" کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹتي نہ آج یہ شب اِنتظار کی
تک آکے سیر کر جگرداغدار کی
ھوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کي

دل اپنا پڑا اس بت بے مہر کے پالے
دشمن کو بھي جس سے کہ خدا کام نہ ڈالے

راہ تکتے ھي تکتے ھم تو چلے — آئیے بھي کہیں جو آنا ھے

ایک دم لگی ہے کیا کیا کچھ — جان ہے تو جہان اپنا ھے
غیر کا تو کہاں سے دوست ھوا — دشمن اپنا گمان اپنا ھے

کیجئے نا مہربانی ھي آکر — مہربانی اگر نہیں آتي
دن کٹتا جس طرح 'کٹتا لیکن — رات کٹتي نظر نہیں آتی

لوگ کہتے هیں یار اتا هے　　دل! تجهے اعتبار آتا هے؟
دوست هوتا جو وہ تو کیا هوتا　　دشمني پر تو پیار آتا هے

بیگانہ تو کس حساب میں هے　　رکهے نہ توقع آشنا سے

نسبت مجهے آہ تجهہ سے کیا هے　　بندہ، بندہ خدا، خدا هے
اس بحر میں جوں حباب سب کے　　سر میں بهري اور هی هوا هے

همیں حیرت هے آپهی، تجهہ کو دیویں کیا جواب اس کا
کہ تجهہ بن اب تلک کس طرح هم نے زندگاني کي

یارب قبول هو وے اتني دعا تو بارے
دونوں جهان هارے عاشق، پہ جی نہ هارے
هے ایک بار مرنا برحق کسي طرح هو
جو آپ جي کو مارے پهر کون اس کو مارے
هم راست گو مسلماں حق هی بتاں کہیں گے
تم بندے هو خدا کے، هم بندے هیں تمہارے

دل جو یوں بے قرار اپنا هے　　اس میں کیا اختیار اپنا هے
جو کسو کا کبهی نہ یار هوا　　وهی قسمت سے یار اپنا هے
روز و شب آہ و نالہ و زاری　　اب یہی کارو بار اپنا هے

سخت جانی "اثر" کی دیکھئے آہ
اس ستم پر جئے ہی جاتا ہے

آتش عشق، قہر آفت ہے ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
میرے احوال پر نہ ہنس اتنا یوں بھی اے مہربان پڑتی ہے

غرض آئنہ داری دل سے تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے
تیرے درپر بسان نقش قدم نقش اپنا ہمیں بٹھانا ہے
ہر طرف توڑ جوڑ کرتے ہو دل بری ایک کارخانہ ہے

دیکھتا ہی نہیں وہ مست ناز اور دکھلاؤں حال زار کسے

"اثر" اب تک فریب کھاتا ہے تیرے وعدوں کو مان جاتا ہے
میں بھی ناصح اسے سمجھتا ہوں گو برا ہے پہ مجھ کو بھاتا ہے

کام کیا تجھ کو آزمانے سے قتل کرنا ہے ہر بہانے سے

نہ ملوں جب تلک کہ تو نہ ملے
اب یہی قصد دل میں ٹھانا ہے
وعدے کر انتظار میں رکھنا
نت نئی طرح کا ستانا ہے

کہیں ظاہر یہ تیری چاہ نہ کی
مرتے مرتے بھی ہم نے آہ نہ کی

هم غلط احتمال رکھتے تھے تجھ سے کیا کیا خیال رکھتے تھے
نہ رہا انتظار بھی اے یاس هم امید وصال رکھتے تھے

بھولنا یوں بھلا یہ یاد رهے غم رہا هم کو تم تو شاد رهے
دل دهی سب کی، میری دل شکنی بارے اتنا تو اعتماد رهے

اسکو سکھلائی یہ جفا تونے کیا کیا اے مری وفا تونے

صرف غم هم نے تو جوانی کی واہ کیا خوب زندگانی کی
نہیں طاقت کہ دم نکال سکوں اب یہ نوبت هے ناتوانی کی

دل ربائی و دل بری تجھ کو گو کہ آتی هے پر نہیں آتی
کیا کہیں آہ میں کسو سے حضور نیند کس بات پر نہیں آتی
نہیں معلوم دل پہ کیا گزری ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی

ایک تیرا خیال بیٹھ گیا
دل سے خطرے تو سب اُتھائے تھے

بہ گیا سب میں اپ ہو کے گداز
شمع ساں اشک کیا بہائے تھے

حرف نکلا نہ اس دہن سے کبھو
کام نکلے ہے چشم و ابرو سے

تیرے کوچے میں آ کے جو بیٹھے
جان سے اپنی هاتھہ دھو بیٹھے
حال اپنا کسو سے کیا کہئے
ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

نگہ گرم سے پگھلتا ہے دیکھہ یہ اٹھہ نہیں دل ہے

نفع یاں تو گماں اپنا ہے سود بے شک زیاں اپنا ہے
شورش اشک و آہ کی دولت سب زمیں آسماں اپنا ہے
تیرے کوچہ میں مثل نقش پا هر قدم پر مکان اپنا ہے

جرأت

نام قلندر بخش، اصلی وطن دھلی ، باپ کا نام حافظ امان تھا ان کے آبا و اجداد بادشاھوں کے "دربان" تھے ، "جرأت" نے فیض‌آباد میں نشو و نما پایا - جوانی سے پہلے آنکھوں سے معذور ھو گئے تھے ، موسیقي اور ستار نوازي کے ساتھ شعر گوئي کا بھي شوق پیدا ھوا ، جعفر علي "حسرت" سے اصلاح لینے لگے - کثرت مشق اور پر گوئی نے ان کے کلام میں غیر معمولی روانی اور دل نشیں سلاست پیدا کردی - شیخ جرأت نے لطیفہ گوئي اور بذلہ سنجی میں بھی خوب شہرت حاصل کی اول نواب محبت خاں کي سرکار میں پھر مرزا سلیماں شکوہ کے دربار میں ملازم رھے - جرأت نے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ھے مگر ان کي طبیعت کا اصلی رجحان غزل گوئی کي طرف تھا اس لئے اسی صنف میں کمال حاصل کیا - پرگوئي کا یہ حال تھا کہ ایک ایک زمین میں تین تین چار چار غزلیں کہتے چلے جاتے ھیں اس پرگوئي کا نتیجہ ھے کہ ان کے کلام میں کہیں کہیں بے مزہ تکرار پیدا ھوگئي ھے - زبان کی صفائي اور روانی اور محاورہ بندی کي طرف بہت توجہ رکھتے ھیں معاملہ بندي ان کا خاص شیوہ ھے اور اس خصوص میں ان کا پایہ اس دور کے شعرا میں سب سے بلند ھے -

جرأت کے تلامذہ کي تعداد خاصی تھي اور اکثر ان کے نقش قدم پر چلتے تھے - انھوں نے لکھنؤ میں سنہ ۱۲۲۵ھ میں وفات پائي - "انشاء" نے تاریخ کھي (ھائے ھندوستان کا شاعر موا)

انتخاب

آے جو مرقد پہ میري ' سو مکدر ہو گئے
خاک ہو کر بھی غبار خاطر یاراں ہوا

محمد ہے نبی' ممدوح ذات کبریائی کا
کہے بندہ گر اس کي مدح' دعوی ہے خدائی کا

ہر رنگ میں گر ہم کو وہ جلوہ نہ دکھاتا
تو گلشن گیتی کا کوئی رنگ نہ بھاتا

رتبہ دل بازي کا دلا! کاش تو پاتا
ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا
تنہائي پہ اپنے ہوں نپٹ ششدرو حیراں
آنے کا جو ہے نام تو رونا نہیں آتا
جلد اپني گلی سے نہ نکالو مجھے اے جاں
جاتا تو ہوں میں یاں سے' پہ جایا نہیں جاتا

کیفیت محفل خوباں کی نہ اس بن پوچھو
اس کو دیکھوں نہ' تو پھر دے مجھے دکھلائي کیا ؟

دل کي بے تابی نے مارا ھي تھا ' مجھ کو صاحب
ہاتھ سینے پہ جو اس دم نہ تمہارا ھوتا
شکر تم آگئے گھر اس کے' نہیں "جرأت" نے
سر اٹھا کر ابھي دیوار سے مارا ھوتا

جس طرف دیکھتا ھوں میں اس بن یہ نہیں جانتا کدھر دیکھا
درد کي طرح جان "جرأت" کو تو ھي آیا نظر جدھر دیکھا

سب سے پہلے عشق کي دریا میں چلتی ہے ھوا
وائے قسمت اپني ھے کشتی کا لنگر کھل گیا
اشک سرخ آتی ھیں شاید دل کا پھوٹا آبلہ
بارے یہ عقدہ ترا اے دیدۂ تر کھل گیا

گر بیٹھتے ھیں محفل خوباں میں ھم اس بن
سر زانو سے اٹھتا نہیں دو دو پہر اپنا
یا آنکھوں سے اک آن نہ ھوتا تھا وہ اوجھل
یا جلوہ دکھاتا نہیں اب یک نظر اپنا
رونے سے تیرے کیا کہیں اے دیدۂ خوں‌بار
یہ خاک میں ملتا ہے دل اپنا جگر اپنا

وہ گئے دن کہ سدا میکدہ هستي میں
بادۂ عیش سے لبریز تھا ساغر اپنا

هم نشیں! اُس کو جو لاتا ہے تو لا جلد کہ ہم
تھامے بیٹھے رہیں کب تک دل مضطر اپنا
غم زدہ اتھ گئے دنیا ھي سے ہم آخر آہ
زانوے غم سے و لیکن نہ اُتھا سر اپنا

بہت ایذا اتھائي ، لے اجل بس آشکارا ہو!
کہ صدمہ اب تو اس درد نہاں کا اتھ نہیں سکتا
رکھا تھا بار عشق اک دن جو اُس نے پشت پر اپني
سو اب تک سر زمیں سے آسماں کا اتھ نہیں سکتا
چلا جو اتھ کے وہ تو کب یہ ''جرأت'' ہے کہ میں روکوں
ادب سے ہاتھ بھی مجھ پہ زباں کا اتھ نہیں سکتا

سارے عالم ھي سے بیزار وہ کچھ بیتھا ہے
آج ''جرأت'' کو خدا جانے یہ کیا دھیاں بندھا

بہ از گل جانتاہوں چاک میں اپنے گریباں کا
مجھے گلزار سے کیا؟ ہوں میں دیوانہ بیاباں کا
سیاھي نزع کے دم کي سی چھا جاتي ہے آنکھوں میں
نظر آتا ہے اب جوں جوں اندھیرا شام ہجراں کا

هوئي يہ محو هم تيري كہ گذرے دين و دنيا سے
نہ انديشہ ھے كچھہ ياں كا هميں نہ فكر هے واں كا
تڑپ كر بستر اندوہ پر هم مرگئے آخر
كسي پر غم هوا ظاهر نہ اپنے درد پنهاں كا
دل مجروح سينہ ميں كرے ھے سخت بے تابي
اب اس گل كا ٹوٹتا آہ پھر شايد كوئي ٹانكا

جنوں سے ديكھو رتبہ ميرے حال پريشاں كا
قدم بوسے كو آيا چاك تا دامن گريباں كا
نہ آيا اس فلك كو اور كچھہ آيا تو يہ آيا
گھٹانا وصل كي شب كا بڑھانا روز هجراں كا

گر يهي هردم كا غم كھانا هے تو اے هم دمو
ديكھہ ليجو اك نہ اك دن غم مجھے كھا جائے گا
مت بلاؤ بزم ميں "جرأت" كو هے آتش زباں
كهہ كے كچھہ آتش دلوں كي سب كے بھڑكا جائے گا

وعدہ پہ اس كے توڑے هے ياں كوئي اپني جاں
اچھا قرار كر كے وہ پيماں شكن گيا
اب هم هيں اور شام غريبي كي ديد هے
مدت سے وہ نظارۂ صبح وطن گيا

بس نا صحا یہ تیرہ ملامت کہاں تلک
باتوں سے تیري آہ کلیجا تو چھن گیا
کس کس طرح سے کی خفگی دل نے مجھہ سے آہ
روٹھا کسي کا یار کسی سے جو من گیا

همدموا میري سفارش کو تو جاتے هو ولے
کہیں واں جاکے نہ کچھہ اور خلل کر آنا

سچ تو یہ هے بے جگہ ربط ان دنوں پیدا کیا
سوچ هے هر دم یہی هم کو کہ هم نے کیا کیا
دم بہ دم حسرت سے دیکھوں کیوں نہ سوے چرخ میں
اس نے اوروں کا کیا اس کو' همیں جس کا کیا
وہ گیا اٹھہ کر جدهر کو میں ادهر حیران سا
اس کے جانے پر بھی کتنی دیر تک دیکھا کیا

دل ملے پر بھی ملاپ ایسي جگہ هوتي رهی
هم اِدهر تڑپا کئے اور وہ اُدهر تڑپا کیا

حیراں هوں میں غریب کہ پوچھوں یہ کس سے بات
رستہ کدهر هے منزل مقصد کی راہ کا

تشبیہ کس مزے سے میں لذت کو اس کے دوں
کچھ دل ھی جانتا ھے مزا دل کی چاہ کا

یہ بخت سوگئے کہ ترستے ھیں اس کو بھي
وہ دیکھنا جو خواب میں تھا گاہ گاہ کا

تیرے مریض غم کی زباں پر نہیں کچھ اور
اک تار بندہ گیا ھے فقط آہ آہ کا

کل جو رونے پر مرے تک دھیان اس کا پڑگیا
ھنس کے یوں کہنے لگا کچھ آنکھ میں کیا پڑ گیا

جو دم لب پہ گھبرا کے آنے لگا
تو شاید مرا دل ٹھکانے لگا

میں رو کر جو کہنے لگا درد دل
وہ منہ پھیر کر مسکرانے لگا

یہ کون آکے بیٹھا کہ محفل سے وہ
اشاروں سے مجھ کو اٹھانے لگا

ھم اسیران قفس کیا کہیں خاموش ھیں کیوں
راہ لے اپنی چل اے بادصبا تجھ کو کیا

ھاتھ اٹھانے کا نہیں عشق سے میں اے ناصح
تو نصیحت سے مرے ھاتھ اٹھا تجھ کو کیا

کچھہ الم، کچھہ درد ہے، کچھہ سہو ہے، کچھہ محو ہے
بھول جاتا ہے، ترا بیمار اتھنا بیٹھنا
ہے قیامت نشہ مے سے ترا نام خدا
لڑ کھڑا کر، اے بت مے خوار ؟ اتھنا بیٹھنا

کیوں ہو حیران سے، کیا آئنہ دیکھا پیارے
کچھہ تو بولو کہ یہ کس نے تمہیں خاموش کیا
جام مے کی نہیں اب ہم کو طلب اے ساقی
بس ترں آنکھہ دکھانے ھی نے مدھوش کیا

خدا جانے کدھر جاتے ہیں ہم؟ ہوکر زخود رفتہ
یہ کہنا جب کسی کا یاد آتا ہے "اِدھر آنا"
ہوا نظروں سے وہ غائب تو ہم آنکھوں کو رو بیٹھے
کسی شکل اب نظر آتا نہیں اس کا نظر آنا
مری یہ چشم پر خوں، بات کہنے میں بھر آتی ہے
مجھے مشکل نظر آتا ہے زخم دل کا بھر آنا
جواب خط کی جا، اب دل میں رہ رہ کر یہ آتا ہے
کہ شاید اس گلی میں جا کے بھولا نامہ بر آنا

بلاے جان تھی ہستی، بہ‌قول "جرأت" آہ
بلا سے جاں گئی میں عذاب سے چھوٹا

درد الفت نے یہ کچھہ صورت بنائی ہے کہ آہ
جو ملا غم‌خوار ہم کو، سو تماشائی ملا

عالمِ بتاں! کرے ہے جو وسعت دو عالم
اس سے وسیع اپنے ہے دل کا ایک کرنا

بہ‌صد آرزو جو وہ آیا تو یہ حجاب عشق سے حال تھا
کہ ہزاروں دل میں تھیں حسرتیں اور اُٹھانا آنکھ محال تھا
جو چمن سے دور قفس ہوا تو میں اور اسیر ہوس ہوا
یہ جو ظلم اب کی برس ہوا یہی قہر اگلے بھی سال تھا

نواسنجی سے دل لبریز ہے مجھ محو حیرت کا
بہ‌رنگ بلبل تصویر پر بولا نہیں جاتا
رہی ہے بے قراری دل کو وصل و ہجر میں یکساں
خدا جانے یہ کیا سمجھا ہے کچھ سمجھا نہیں جاتا

نکلے ہے بے خودی ہی کا کلمہ زباں سے
زاہد بھی بزم بادہ کشاں میں بہک گیا

اس بن کسی سے ملنے کو جی چاہتا نہیں
گویا کہ جگ سے ہم گئے اور ہم سے جگ گیا

پر از گوہر سرشک چشم سے داماں تر پایا
تری دولت سے بس اے عشق ہم نے خوب بھر پایا

ترے بیمار کو دیکھا تو کچھ جنبش نہ تھی تن میں
کسی کو پر وہ آنکھوں کے اشارے سے بلاتا تھا

الٰهي پڑگئي آفت یہ کیا تاثیر الفت پر
وهي یہ جذبۂ دل ہے جو اس کو کھینچ لاتا تھا
خدائی ہے کہ وہ تب اب منائے سے نہیں منتا
وگرنہ روٹھتے تھے اس سے هم اور وہ مناتا تھا

پردہ مت منہ سے اٹھانا زنہار مجھ میں اوسان نہیں رہنے کا

کچھ بہت تم هنستے هو مرنے پہ مجھ بیکس کے آہ
یہ تو تھي رونے کي جا پیارے تماشا کچھ نہ تھا

درد دل ہے جو دم لگا رکنے سانس لینا مجھے محال هوا

صیاد نہ کر منع کہ گلشن کي هوس میں
تڑپیں نہ تو، یہ مرغ گرفتار کریں کیا

آتا ہے نہ تو یاں، نہ ترے بن ہے همیں چین
جینا هی هوا ہے همیں دشوار کریں کیا؟

نہیں چھوڑتے تجھ کو جوں سایہ ہم
ترے ساتھ ہیں، تو جدھر جاے گا

سینہ میں آج نالۂ دل کی صدا نہیں
ہے ہے قفس سے مرغ خوش آہنگ اُڑ گیا

جہاں کچھہ درد کا مذکور ہوگا ہمارا شعر بھي مشہور ہوگا

هستي هے جوں حباب، پہ هم غافلوں کو آہ
کتنا کچھہ اعتبار هے بے اعتبار کا
لگتی نہیں پلک سے پلک وصل میں بھی آہ
آنکھوں کو پڑ گیا هے مزا انتظار کا

هم هیں وہ جنس کہ کہتے هیں جسے غم "جرأت"
هے محبت کے سوا کون خریدار اپنا

تماشے کو نکل آتا هے وہ رشک پری گھر سے
مزا دکھلا رها هے ان دنوں دیوانہ پن اپنا

ڈھونڈھ کر تجھہ سے پري‌زاد کو دل میں نے دیا
هوں اب اس بات سے میں آپ هي مفتوں اپنا

کیسا پیام؟ آکے یہ تو نے صبا دیا
مثل چراغ صبح جو دل کو بجھا دیا
آتے ھی یار کے جو میں سوتے سے چونک اٹھا
یہ کون جاگتا تھا کہ جس نے جگا دیا
کیا اپنے دل کو روؤں میں "جرات" کہ عشق نے
مانند شمع آہ مجھے سب جلا دیا

اے جنوں! ھاتھوں سے تیرے آتے ھی فصل بہار
مثل گل، یہ جیب و دامن ناگہاں ٹکڑے ھوا

"جرات" کو قتل کر کے پشیمان کیوں ھے تو
ظالم وہ اپنے جی سے گیا تجھ کو کیا ھوا

پوچھتے کیا ھو ھمارا بود و باش اے دوستو
جس جگہہ جی لگ گیا اپنا وھی مسکن ھوا

یا وھیں کا ھو رھے گا، یاعدم کو جائے گا
پھر نہیں پھرنے کا اس کوچے میں اب جو جائے گا
کیسے ویرانے میں پھینکا مجھ کو تونے اے فلک
کون یاں جز ابر میری خاک پر رو جائے گا

آوارہ گرچہ اور بھي عالم میں ھیں بہت
لیکن نہیں کوئي دل خانہ خراب سا
بحر جہاں کے دید سے غافل نہ رھیو تو
نادان! یہ تجھہ میں دم ھے کوئي دم حباب سا

قدر پھر اپنی ھو گیا ' اس کے خریداروں میں
روز و شب جس کے گلی میں رھے بازار لگا
کھینئے کیوں کر نہ اُسے بادشہ کشور حسن
کہ جہاں جا کے وہ بیٹھا وھیں دربار لگا

میں ھوں خورشید سر کوہ یقیں ھے وہ ماہ
آئے گا بام پہ تب' جب کہ میں ڈھل جاوں گا

اے خیال شمع‌رویاں تو سدا روشن رھے
خانۂ دل کو مرے تونے تو روشن کر دیا

وہ اُٹھاتا ھے گلی سے اور میں اُٹھ سکتا نہیں
اب تو جی ھونے لگا اس ناتواني سے نڈھال

کچھہ نصیحت نے نہ کي تاثیر گو اک عمر تک
مجھہ کو ناصح اور میں اس دل کو سمجھاتا رھا

جس کو تو ڈھونڈے ہے وہ ہم نشیں جاتا رہا
جان تو مجھ پاس ہے، پر دل کہیں جاتا رہا

خوبان جہاں کی ہے ترے حسن کی خوبی
تو خوب نہ ہوتا تو کوئی خوب نہ ہوتا

سوچ رہ رہ کر یہی آتا ہے اے "جرأت" مجھے
خلق کرنے سے مرے خالق کو حاصل کیا ہوا

یک بار تیرے ہجر میں برباد ہو گیا
جتنا کہ آہ دل میں مرے صبر و تاب تھا

بزم میں کل نگہ مست سے اس کی یا رو
کوئی ایسا نظر آیا نہ کہ مدہوش نہ تھا
آج اس کوچے میں کیا جا کے تو سن آیا ہے
"جرأت" ایسا تو کبھی آگے تو خاموش نہ تھا

تیرے محبوس نے شاید کی رہائی پائی
شب کو اک شور عجب وضع کا زنداں میں رہا

آہ جب کوچۂ جاناں ہی میں جانا نہ رہا
تو کہاں جائیں کہ جانے کا ٹھکانا نہ رہا

تھی یہ خواھش کہ کرے ھم پہ ترحم کی نظر
سو وہ اب قہر سے بھی آنکھ دکھاتا نہ رھا

"جرأت" اب کیوں کہ بچے جان کہ آہ
زھر غم دل میں اثر کر ھی گیا

دل مجھ سے جو ہے درد سے میں یار لگایا
اک جان کو سو طرح کا آزار لگایا
چل سیر کو تک تو بھی کہ سودائی نے تیرے
بازار نیا اک سر بازار لگایا

یاں جی ھی ٹھہرتا نہیں مجھ خستہ جگر کا
واں تم جو ارادہ کئے بیٹھے ھو سفر کا

شمع ساں کس نے مجھے پھولتے پھلتے دیکھا
ھوں میں وہ نخل کہ دیکھا بھی تو جلتے دیکھا

اس کا بیمار نہ نکلا کبھو باھر "جرأت"
گھر سے تابوت ھی آخر میں نکلتے دیکھا

یہ خاک بہ سر تو اے پیارے کوچہ ھی میں تھرے گھر کرے گا
یا ہم ھي نہیں ھیں' یا نہیں غیر اودھر کو جو تو نظر کرے گا

آج کی رات کتّے دیکھئے کس مشکل سے
دوستی وعدۂ دیدار سحر پر رکھا
ھاتھ "جرأت" کے جو سنگ رہ دل دار لگا
کبھی چھاتی سے لگایا کبھی سر پر رکھا

دل لے کے پھر دوبارا وہ اُس طرف نہ آیا
کیوں آشنا ھوا تھا میں ایسے بے وفا کا

کاش یوسف کی میں اُس کو نہ دکھاتا تصویر
اب ھوا اور بھی دعویٰ اسے یکتائي کا

مرگیا درد اٹھا کر جو وہ تنہائی کا
کوئي اٹھاتا نہیں لاشا ترے شیدائی کا
ایڑیاں کیونکہ نہ رگڑیں کہ دیا دل اس کو
جس کے در پر نہیں مقدور جبیں سائی کا
کوئے جاناں ھے یہ تک دیجیو اے ھمدم ھاتھ
کہ ٹھرتا نہیں یاں پاؤں شکیبائي کا

دے گیا چلتے وقت دل پر داغ میں تو بندہ ہوں اُس نشانی کا

کہیو صبا جو ہووے گذر کوئے یار میں
دل سب طرف سے، آپ کے جانے سے اُتھہ گیا
ہمدم نہ مجھہ کو قصہ عیش و طرب سنا
مدت سے دل کچھہ ایسے فسانے سے اتھہ گیا

میں باغ جہاں شجر سوختہ ہوں گا
کیسی ہی بہار آئے نہ پھولوں نہ پھلوں گا
اوسان نہیں رہتے جو دیکھہ اُس کو کہوں کچھہ
یوں کہنے کو کہتا ہوں کہ کیا کیا نہ کہوں گا

آن پہونچا نہ وہ اور جان لبوں پر پہونچي
دیکھہ اب دیر نہ اے عشق کی تاثیر لگا
نگاہ قہر سے وہ دیکھہ، روتے ہم کو دیکھے ہے
اثر اتنا تو دیکھا ہم نے اپنے اشک باري کا

گر آزمانی ہے مری الفت تو جلد یاں دم نزع
تم آن پہونچو کہ ہے وقت امتحاں پہونچا

دم کا ہے کیا بھروسا کب تک رکا کرے گا
اے دل ترا تڑپنا کیا جانیں کیا کرے گا

اب اٹھ کے بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے
کب تک یہ درد پیارے دل میں اٹھا کرے گا

تجھے کیا دیکھوں اے خورشید عالم
کہ عالم یاں تو جوں شبنم ہے میرا
اُلجھ پڑنے کو جی ہر ایک سے ہے
مزاج اس بن یہ کچھ بر ہم ہے میرا
ہوا بڑھنے سے درد دل کے ظاہر
کہ جینا کچھ بہت اب کم ہے میرا

ہمدم نہ پوچھو حال سنایا نہ جاے گا
یہ ضعف ہے کہ لب بھی ہلایا نہ جاے گا
تو ہی اب اِس مریض محبت کی لے خبر
"جرأت" سے ترے در تک اب آیا نہ جاے گا

لو مبارک ہو کہیں آنکھیں تمہاری بھی لگیں
تم بھی اب رونے لگے دو دو پہر اچھا ہوا

خیال اپنا ہمیں جس نے لگایا
نہ آیا خواب میں بھی وہ نہ آیا

ہوئی قسمت میں آخر تلخئی مرگ
مزا یہ زیست نے اچھا چکھایا

دیکھنا دشوار ہے اب اس بت دل خواہ کا
ہم کو یہ در پردہ گویا عشق ہے اللہ کا

ایک عالم جس پہ غش ہے وہ خدا جانے ہے کیا
ہم نے تو عالم نہ دیکھا یہ کسی انسان کا

سارے عالم سے دلا تو کس لئے بیزار ہے
ان دنوں میں پھر کوئی تجھ سے خفا کیا ہو گیا

کسی نسخہ میں پڑھے تھا وہ مقام دل نوازی
مجھے آتے جوں ہی دیکھا ورق کتاب اُلٹا

دے سکیں جس کا نہ ہم تم کو جواب منھ سے وہ بات نہ فرمائیے گا
ہو در یار پہ سجدہ جو نصیب سر کو پھر واں سے نہ سرکائیے گا
ناصحو آپ میں "جرأت" نہ رہا اب سمجھ کر اسے سمجھائیے گا

اُڑادی خاک مری تونے ہائے صرصر آہ
فنا ہوے پہ بھی میرا نہ واں غبار رہا

نہ دیکھا مڑکے بھی یاران رفتگاں نے مجھے
میں ناتواں انہیں کس کس طرح پکار رہا
لگاؤں چھاتی سے "جرأت" نہ کیوں کہ اس کو کہ یہہ
وہ ہاتھہ ہے کہ کس کے گلے کا ہار رہا

کر بند نہ اشک چشم تر کر بہتر ناسور کا ہے بہنا
اللہ رے سادگی کا عالم درکار نہیں کچھہ ان کو گہنا

مجھے اس شمع رو کے غم میں جیتا دیکھہ کر یارو
تصدق آن کر ہوتا ہے لاکھوں بار پروانا
قیامت کے بھی دن سے ہجر کا دن سخت ہوتا ہے
خداوندا! یہ مجھہ کو دن نہ دکھلانا نہ دکھلانا

دل کی خبر نہ پوچھو کچھہ آج کل عزیزو
کیا جانیں دل کہاں ہے دو چار دن سے اپنا

جوش وحشت سے عجب صبح تھی یہ ایام بہار
یعنی کس وقت گریباں مرے داماں میں نہ تھا

حباب وار ہے آنکھوں میں جان مرغ اسیر
چمن تک اب تو قفس اس کا باغباں پھونچا

آغاز محبت میں نہ دي پند کہ ناصح
تھیس اس کو لگاتے نہیں جو زخم ہو آلا
''جرأت'' سے بھی عاشق نہیں ہوتے کہ شب و روز
ہے محو بتاں سلمہم اللہ تعالی

دل کے لگ جانے سے جي تن سے ہمارے نکلا
دل لگانے کا تھا ارمان سو بارے نکلا

عاشق کے بعد مرگ یہ بے درد نے کہا
یہ جان سے گیا تو گیا اپنا کہا گیا

یا رائے گفتگو نہ رہا ضعف سے تو آہ
کس کس کا منھ تکے ہے ترا ناتواں پڑا

اپني بے خوبي کی باتیں جمع ہوتے ہوتے آہ
نیند اُڑا دینے کا اک اچھا فسانہ بن گیا

دل دم کا ہے مہماں بہخدا اے بت بے رحم
کر رحم کہ یہ قابل آفات نہیں اب
اللہ هی پہ روشن ہے دلوں کي تو حقیقت
ظاهر میں تو کچھ حرف و حکایات نہیں اب

نہیں اُٹھنے کی "جرأت" ہم کو اُمید
یہاں بیٹھے ہیں جوں نقش نگیں اب

درد عشق آیا جو دل میں صبر رخصت ہو چلا
گھر کو چھوڑا صاحب خانہ نے مہماں کے سبب

سر کو ٹکرا کے بھی کہتے ہیں ہم ہائے نصیب
ربط دو شخصوں میں سنتے ہیں جو اے "جرأت" ہائے

رات اس کے گھر میں ہنستے بولتے تھے سب بہم
اک ہمیں بیٹھے تھے در پر صورت دیوار چپ

چلی آتی ہے ناداں صبح پیری
جوانی کی گنوا مت بے خبر رات
گذرتی ہے بہ ایام جدائی
تڑپتے شام سے لے تا سحر رات

پلک ذرا نہ جھپکتی تھی دل دھڑکتا تھا
کسی کے وعدہ پہ حالت تھی یہ ہماری رات

اُدھر دست جنوں کو ربط ہے تجھ بن گریباں سے
اِدھر ہے آستیں کی دیدۂ خوں بار سے صحبت

گرداب بحر غم میں یکایک ہماري آہ
کشتي جب آ پڑي تو گیا باد بان ٹوٹ

دل تو لبریز شکایت تھا ' ابھی اُس کو دیکھ
بند میرا لب گفتار ہوا کس باعث
مرض عشق مجھے آپ وہ دیوے کے " جرات "
پوچھتا ہے کہ تو بیمار ہوا کس باعث

کام دل واں کسي صورت سے نہیں بر آتا
بےقراري ہمیں لے جائے ہے دن رات عبث

ہم کو کل تک نہیں جینے کی اُمید
جي پہ ایسا تعب عشق ہے آج

کوئي دم میں اس کے جانے کي یاں سے خبر ہے آج
چل آ شتاب بے خبری تو کدھر ہے آج
کل رات وصل یار سے عشرت کدہ تھا ہائے
مانند قید خانہ وہی اپنا گھر ہے آج
پیغام یار آیا تو ہے پر سنیں سو کیا
بےخود کچھ اپني طرح سے پیغام بر ہے آج
کل تم نہ تھے تو رات تھي پیارے بلا طویل
اب ہو تو تم دیکھ کے دم میں سحر ہے آج

"جرأت"! میں پوچھتا ہوں کہ یہ اضطراب دل
جائے نہ وصل میں بھی تو پھر اس کا کیا علاج

دل کی طپش کا، کاهش جاں کا، نہیں علاج
کیا کیجے تیرے غمزدگاں کا نہیں علاج

کوچۂ یار میں پہونچے ہیں تو بس رہنے دے
جیتے جی یاں سے کہیں گردش ایام نہ بھیج

تھی مری شکل کل اس بن، یہ گلستان کے بیچ
جیسے بیٹھے خفقانی کوئی زندان کے بیچ

کہتا ہے مجھ کو منہ سے جو ہو ایک آن تلخ
اے لب شکر نہ ہو کہیں تیرا دہان تلخ

حیراں نہ ہو سر دیکھ مرا، اپنی زمیں پر
دیکھو تو لکھا کیا ہے میری لوح جبیں پر
یہ دل کی طپش سے ہے قلق جان حزیں پر
گویا کہ کوئی دیے دیے پٹکتا ہے زمیں پر
آزردگی یار کہوں یا غم اغیار
کیا کیا نہیں اندوہ مری جان حزیں پر

میں روز و شب ہوں اس آرزو میں کہ دیکھوں دن رات تجھ کو بیٹھا
بلائیں لے لے کے زلف و رخ کی فدا ہوں لیل و نہار تجھ پر

چلا صبح گھر کو وہ، اے کاش کوئی
لگا دے مرا بخت روئے سحر پر

کچھ نہ دیکھا آنکھ اُٹھا کر سر نگوں بیٹھے رہے
محفل خوباں میں ہم اس بد گماں کو دیکھ کر

اس بزم میں تو شمع کا رونے پہ کٹتا سر
تو روئیو اے دیدۂ خوں بار سمجھ کر

گیا وہ دل بھی پہلو سے کہ جس کو
کبھی روتے تھے چھاتی سے لگا کر
چلی جاتی ہے تو اے عمر رفتہ
یہ ہم کو کس مصیبت میں پھنسا کر

یہ بھی کوئی ستم ہے، یہ بھی کوئی کرم ہے
غیروں پہ لطف کرنا، ہم کو دکھا دکھا کر

طوبے کی، ہم کو شیخ نہ ترغیب تو دلا
جاویں گے ہم نہ سایۂ دیوار چھوڑ کر

اے ہم صفیرو! آہ تم آزاد ہو چلے
کنج قفس میں مجھ کو گرفتار چھوڑ کر

تری فرقت میں یوں "جرأت" نے اپنی جان دي ظالم
مجھے آتا ہے رونا اس کي جي دیکھے پہ رہ رہ کر

جلوہ تجھے کس آئینہ رو کا نظر پڑا
"جرأت" جو دیکھتا ہے تو حیراں اِدھر اُدھر

نہ جی کو دل کي خبر ہے نہ دل کو جي کي خبر
ترے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر

بہ‌رنگ بلبل تصویر کیا کہوں تجھ سے
نہ اپنی مجھ کو خبر ہے نہ گلستاں کی خبر
ترے خیال میں دونوں جہاں سے ہم گذرے
نہ اس جہاں کی خبر ہے نہ اس جہاں کی خبر

اے دل نہ کھینچ آہ جہاں سوز دم بہ‌دم
کوئی گھڑی تو جبر بھي تو اختیار کر

جاتا ہوں میں گلي سے تري، پر یہي ہے سوچ
پلکوں سے اس کو کون رکھے گا بہار کر

قفس میں ہم اسیروں کے تئیں جینے دے کوئی دم
نسیم صبح تو مت بوئے گل همراہ لایا کر

غم کھانے سے دنیا کا اسے کام نہیں ھے
جو کوئي کہ عاشق ھے وہ غم کھاے ھے کچھہ اور
میں اور توقع یہ اسے بھیجوں ھوں نامہ
اور واں سے مرے خط کا جواب آئے ھے کچھہ اور

اب عشق تماشا مجھے دکھلائے ھے کچھہ اور
کہتا ھوں میں کچھہ منھہ سے نکل جائے ھے کچھہ اور

چمن دکھایا نہ صیاد نے کبھی ھم کو
رکھا قفس کو بھی دیوار گلستاں سے دور

اس کے ملنے سے کرے ھے منع ناصح مجھہ کو واہ
ایک پایا ھے جسے سارے جہاں کو چھان کر

قاتل خدا کے واسطے شمشیر جلد کھینچ
بار گراں یہ سر ھے تن ناتوان پر
کیا جانیں اس کے کوچہ میں "جرأت" پہ کیا ھوا
کل واں ھجوم خلق تھا اک نوجوان پر

شبِ خواب میں جو یار کا در آئے ہے نظر
کہتی ہے آنکھ موت کا گھر آئے ہے نظر

مت اٹھا یار! تیرے کوچہ میں
آن بیٹھا ہوں دو جہان کو چھوڑ

کہتے تھے کش مکش دام سے، مرغان اسیر
کھینچ لاتی ہے ہمیں جانب گلزار ہوس

لگ اُٹھی یوں دل سوزاں سے جگر کو آتش
جیسے اک گھر سے لگی دوسرے گھر کو آتش

ہم گریہ ناک مرگئے اک آہ کھینچ کر
راس آئي تجھ بغیر یہ آب و ہوائے باغ

وہ گیا کس طرف، اٹھ جانے سے جس کے یارب
دل کسی اور طرف جائے ہے جاں اور طرف

لاکھ گالي کہی ہے! کم مت دے
میں گنوں گا نہ ہو حساب میں فرق
آنکھ جب سے کھلي نہ دیکھا کچھ
زندگانی میں اور حباب میں فرق

تن سے میرے سر اُتر جاوے تو ہو جاؤں سبک
اب اٹھا سکتا نہیں میں اپنے سر پر بار عشق

کبیریائی میں مرا وہ بت دل خواہ ہے ایک
لوگ سچ کہتے ہیں یہ بات کہ اللہ ہے ایک

درد فراق سے ہے یہ بہتر کہ آئے مرگ
کردے چراغ عمر کو گل اے ہوائے مرگ

اشک جو تھم رہے ہیں آنکھوں میں
ہے مگر انتظار لخت دل

عمل حسن پرستی میں ہے کیا مصروف
ابھی واقف جو نہیں اس کے مکافات سے دل
کس خرابی سے ہوئی صبح نہ پوچھو یارو
کیا کہوں ہائے کہ کہنے میں نہیں رات سے دل

آہ اس میکدۂ دہر سے آخر اپنا
جام معمور ہوا پر نہ ملا جام وصال

افسوس ہے کہ ہم تو تڑپتے ہیں دام میں
اور کھل رہا ہے کیا گل و گلزار آج کل

آنکھوں میں اشک، جان بہ‌لب سینہ چاک ہے
"جرأت" کہیں ہوا ہے گرفتار آج کل

اس مژہ کی مرے دل سے کوئی جاتی ہے کھٹک
وہ نہیں تیر کہ یوں کھینچ کے سوفار نکال

چھوڑ اس ضبط کو گھٹ گھٹ کے نہ دے جان اپنی
نکل اس قید سے زنجیر کی جھنکار نکال

میں تو سب کچھ چھوڑ بیٹھا ہوں تمہارے واسطے
چھوڑ کر تنہا کہیں پھر مجھ کو کیا جاتے ہو تم
میں تو حیراں ہوں کروں کیوں‌کر کنارہ تم سے جان
سامنے ہوتے ہی بس دل میں سما جاتے ہو تم

نہ ہو اک دم کے خاطر سرگراں تم کہاں یہ بزم پیارے اور کہاں تم

بہ دریائے محبت زورق آسا غم کے مارے ہم
کبھی ہیں اس کنارے اور کبھی ہیں اس کنارے ہم
فراق یار میں کیا، آنا جانا سانس کا کہئے
کلیجے پر سدا کھینچا کیا کرتے ہیں آرے ہم
مرے وحشت سے رک کر دل ہی دل میں یوں وہ کہتا ہے
الہی، لگ گئے کیوں ایسی دیوانے کو پیارے ہم

جوراہ ملاقات تھی سو جان گئے ہم اے خضر تصور ترے قربان گئے ہم

کہے ہے یوں دل مضطر سے اُس بن جان غم دیدہ
چلو تم رفتہ رفتہ آتے ہیں پیچھے تمہارے ہم
نہ مانی دل نے اپنی اور نہ ہم نے بات ناصح کی
ہمیں کہہ کہہ کے ہارا وہ اسے کہہ کہہ کے ہارے ہم

آنکھوں سے جدا کب ہے حقیقت میں وہ لیکن
اس کو تو تصور کی حقیقت نہیں معلوم

خدا کے واسطے سینے کو کوئی چاک کرو
کہ جاں بہ‌لب ہیں اب اس دل کے اضطراب سے ہم
جو دیکھنے کو ہمارے وہ دیکھے ہے "جرأت"
تو آنکھ اپنی چرا لیتے ہیں شتاب سے ہم

یا تو اس کے گھر سے آتے تھے نہ اپنے گھر کو ہم
یا اب اپنے گھر میں بیٹھے دیکھتے ہیں در کو ہم

دکھ جدائی کے ہمیں تونے دکھائے اے زیست
کاش کہ وصل ہی میں جی سے گذر جاتے ہم

مرض عشق کو تھوڑا نہ سمجھنا اے دل
ایک دن کام کرے گا یہي آزار تمام
تیرے هی نام کو جیتے هیں سب اے بت اب تو
ایک مذهب پہ هوئے کافر و دیں دار تمام

هوگئے سنتے هی هم وصل کا پیغام تمام
کام دل کچھ نہ بر آیا کہ هوا کام تمام

سارے عالم سے کچھ جدا هے آہ دل خانہ خراب کا عالم
کچھ بھروسا نہیں هے جینے کا زندگی هے حباب کا عالم

سینۂ دل سوزاں کے گئے پھر بھی رها گرم
دهکے هے جہاں آگ تو رهتی هے وہ جا گرم
کھینچے هے دم گریہ جو دل آہ جہاں سوز
حیرت هے کہ برسات میں چلتي هے هوا گرم

جوں اتھے پاس سے اس شوخ دلا رام کے هم
اتھتے هي بیتھ گئے اپنا جگر تھام کے هم
گھر میں جانا تو کہاں اس کے میسر هے مگر
صدقے جاتے هیں تصور سے درد بام کے هم

نہیں لگتا دل آبادی میں اب جی پر یہ گذرے ہے
گریباں چاک کرکے دامن کہسار دیکھیں ہم

مثل آئینہ باصفا ہیں ہم   دیکھتے ہی کے آشنا ہیں ہم
تک تو کر رحم اے بت بے رحم   آخرش بندۂ خدا ہیں ہم
دل کے ہاتھوں سے اے میاں ''جرأت''   زندگانی سے بھی خفا ہیں ہم

کہتا ہوں کہ مت ہو مری فریاد سے غافل
قائل ہے مری آہ کی تاثیر کا عالم
باتیں تو سبھی کرتے ہیں اے جان! جہاں میں
ہے سب سے نرالا تری تقریر کا عالم

لائے تشریف دم بے خبری تم افسوس
پوچھنے پائے تمہاری نہ خبر تم سے ہم
جیتے جی ہو نہ جدا تم یہی بہتر ہے کہ بس
ہم سے رخصت ہو اِدھر تم اور اُدھر تم سے ہم

روز کہتے ہیں وہ آوے تو کہیں ہم ''جرأت''
جب وہ آتا ہے تو اس وقت نہیں ہوتے ہم

چھاتی سے لگائے تھے سو ہے نزع میں ''جرأت''
اب کس کے حوالے تری تصویر کریں ہم

هستی کی کھلی بات، پس ازمرگ کہ تھا خواب
جب بند ہوئي آنکھہ تو بیدار ہوئے ہم
جو جنس گراں مایہ ہے نایاب زمانہ
افسوس اسی کے ہي طلبگار ہوئے ہم

اب تو کچھہ ہمدرد سے میرے آتے ہو تم مجھہ کو نظر
ہم سا کوئی شاید پیارے تم کو ملا ہے اور کہیں

یہ دعا ہے کہ ترے کوچہ سے اتھیں مر کے
جیتے جي یاں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
خاک ہونے پہ بھي اس کوچے میں "جرأت" ہے یہ خوف
یاں سے لے جائے اڑا کرنہ صبا اور کہیں

قید ہستي سے ہوا شاید رہا تیرا اسیر
آج شور و غل نہیں ہے خانۂ زنجیر میں

لاؤ اس آئینہ رو کو، مت دکھاؤ آئینہ
اور کچھہ حالت ہے "جرأت" کي اسے سکتا نہیں

میري بے تابی سے محفل میں یہ دھڑکا ہے اُسے
اٹھہ کے ہونے نہ لگے یہ مرے قربان کہیں

روئے ھے بات بات پہ ''جرأت'' ھے گرفتار یہ کہیں نہ کہیں

اب وہ آواز ھی کانوں میں نہیں آتی ھے
کون ایسا نہیں اس در پہ جو پہونچائے ھمیں

دل کی طپش سے صدمے جوں برق جان پر ھیں
گاھے زمین پہ ھیں ھم گہ آسمان پر ھیں

ھم دونوں کو کچھ اس بن سدہ بدہ نہیں ھے ''جرأت''
دل ھم سے بے خبر ھے ھم دل سے بے خبر ھیں

جلوہ گر ھے وھی ھر جنس میں اللہ اللہ
طرفہ وہ شے ھے کہ جس شے کا خریدار ھوں ھیں

دل بے تاب کی کرتا نہیں جب کوئی غم خواری
تو پھر نا چار میں ھی اپنے چھاتی سے لگاتا ھوں

قدم میں ناتواں جب اس کے کوچے سے اٹھاتا ھوں
تو شکل نقش پا ھر ھر قدم پر بیٹھ جاتا ھوں

خانہ پرورد قفس' ھم ھیں اسیر اے صیاد
تو بتادے ھمیں پرواز کسے کہتے ھیں

بعد مرنے کے مری لاش پہ لانا اس کو

ابھی مت پوچھو کہ اعجاز کسے کہتے ھیں

اس بن جہان کچھہ نظر آتا ھے اور ھي

گویا وہ آسمان نہیں وہ زمیں نہیں

تفرقہ ایسا بھي کم دیکھا ھے اے ھمدم کہیں

دل کہیں ھے، جي کہیں ھے، وہ کہیں ھے، ھم کہیں

آمد و رفت نفس کب بے سبب ھے جلد جلد

ھوں تو بیٹھا، پر چلا جاتا ھوں میں ھردم کہیں

تا جہاں سے نہ اتھیں ھم نہ اتھیں گے یاں سے

کوئے جاناں میں یہی کر کے یقیں بیٹھے ھیں

کیا بھلا حاصل ھے دیوانے کے سمجھانے سے آہ

کوئی اتنی بات بھی ناصح کو سمجھاتا نہیں

اے ھم نوا قفس میں اسیروں کو جینے دے

کیوں دے ھے فصل گل کی خبر آہ تو ھمیں

اک آرزو بھي دل کی نکالي نہ تونے آہ

مرنے تلک رھیگی یہی آرزو ھمیں

دل ہے پہلو میں مرے روز ازل کا دشمن
جان ہي لے کے یہ چھوڑے گا بغل کا دشمن

کہاں اے اشک خونیں دل کو ڈھونڈھوں
ترے باعث گیا یہ مل لہو میں

سحر کو بلبلیں کرتي ہیں غل' غنچے چٹکتے ہیں
قفس کے ہم درد دیوار سے سر کو پٹکتے ہیں

آ جاوے تو حال دل سنائیں   رہ جاوے نہ جي کی بات جي میں

قفس کو اس کے نہ لے جائیو چمن کي طرف
کہ یہ ہے مرغ گرفتار اس میں حال نہیں

خوں چھپانا ہے تو میں تجھ کو جتا رکھتا ہوں
تیرے دامن پہ نشاں ہي تجھے معلوم نہیں

ذکر سن تو جو ہنسے ہے دل گم گشتہ کا
کچھ نہ کچھ میں بھي تو اس بات سے پا جاتا ہوں
میرے رونے کا سبب پوچھتے کیا ہو مجھ سے
دو گھڑي آن کے میں تم کو ہنسا جاتا ہوں

گرمی مرے کیوں نہ ہو سخن میں — اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں
خواری کا مرے وہ لطف سمجھے — کامل ہو جو عاشقی کے فن میں
بے تابی دل کرے ہے رسوا — کیا جائیے اس کی انجمن میں

بے اجل مجھ کو کیا درد محبت نے ہلاک
مبتلا ہووے نہ یارب کوئی اس آزار میں

نیستی بہتر تھی اس ہستی سے کیوں اے زندگی
کس خرابی میں پھنسایا تونے یاں لاکر ہمیں

بات مجھ سے اس کی محفل میں نکلنے دے درست
آہ اے بے تابئی دل یاں نہ رسوا کر ہمیں

ہمنشیں! پوچھو مت کہیں ہوں میں
ان دنوں آپ میں نہیں ہوں میں

وقت وداع یار، نہ نکلا زباں سے کچھ
بس وہ اُدھر اُٹھا کہ غش آیا اِدھر ہمیں

تدبیر سے کب وصل ہو اس شوخ کا ہمدم
موقوف ہر اک بات ہے تقدیر کے ہاتھوں

کہاں تک تار تار اس کا بھلا جوڑے گا تو ناصح
گریباں چاک کر اپنا رفو میرا نہ کر دامن

اب تو کوچے میں ترے بیٹھ گئے آ کر ہم
یاں سے جاویں گے نہ جوں نقش قدم اور کہیں

رکھیو یارب تو پھنسا دل کے گرفتاری میں
موت بھی آوے تو آوے اسی بیماری میں

همنشیں! باتوں پہ تیری کیا کروں هربار هوں
تجھ کو اک قصہ لگا میں جان سے بیزار هوں

اپنے بیمار کی مت پوچھ غذا کچھ سوا غم کے وہ کھاتا هی نہیں

دعا سے اور دوا سے فائدہ کب هم کو هوتا هے
همیں هے عشق کا آزار کرتے هیں ضرر دونوں

جانے سے تیرے اے صنم! تھرے نہ تھرے تن میں دم
زیست کا کیا هے اعتبار دیکھئے کیا هو کیا نہ هو
باغ جہاں میں بے گناہ بلبل خستہ دل کا آہ
دشمن جاں هے خار خار دیکھئے کیا هو کیا نہ هو

ہم نے قمار عشق میں دل کا لگا دیا ہے دانوں
جیت ہو اپنی یا کہ ہار دیکھئے کیا ہو کیا نہ ہو

کاش رہتا وہ یاں کوئی دم تو — دم کے جینے سے بھی گئے ہم تو
رگ ابر سیہ ہے ہر مژگاں — کوئی طوفاں ہے چشم پر نم تو

دل نے اک نالہ کیا درد جدائی کے سبب
ہم نے جب پہلو سے کھینچا اپنے تیرے تیر کو
دل کی جی دینے کا "جرأت" تم کو بھی افسوس ہے
کی بہت تدبیر لیکن کیا کریں تقدیر کو

مرگ سو بھی ہے آج کل مجھ کو — بے کلی سے نہیں ہے کل مجھ کو
غم ہجراں سے دل گیا شاید — خالی لگتی ہے کچھ بغل مجھ کو

وہی پیغام کہیو اے قاصد — جو مرے یار کی زبانی ہو

ذرا تو اپنے اسیروں کی لے خبر صیاد
قفس میں کیسے ترستے ہیں آب و دانے کو

وصل میں جس کے نہ تھا چین سو "جرأت" افسوس
وہ گیا پاس سے اور موت نہ آئی مجھ کو

کیا کہوں بیمار کی تیرے کہ ہیں جتنے طبیب
سب یہ کہتے ہیں کہ اب اس کو خدا پر چھوڑ دو

رکھا مجھ کو قفس میں آہ میری نغمہ سنجی نے
ہزار اب سر کو پٹکوں میں، ولے کیوں کر رہائی ہو

اب تو قلق سے اس کے ٹھہرتا نہیں ہے دم
روکوں کہاں تلک دل پر اضطراب کو

کرم اس کا ہو وے تو خوش سب جہاں ہو
خدا مہرباں ہو تو کل مہرباں ہو
کرو یاں مری کچھ نہ تدبیر یارو
وہیں لے چلو تم سمجھے وہ جہاں ہو

شمع ساں بھڑکا دیا ہو غم سے سرتا پا جسے
خاک پھر اس دل جلے کو زندگانی راس ہو

آنے کی خبر ہے اس کے لیکن آتا نہیں اعتبار دل کو

عزیزو ہوسکے اس دل کی جو تدبیر کر دیکھو
خدا کے واسطے سینہ شتابی چیر کر دیکھو

کوئی کہتا ہے مرنا ہی اب اس کے حق میں بہتر ہے
کوئی کہتا ہے دیوانہ ہے یہ، زنجیر کر دیکھو

نہ کر صیاد اُنہیں آزاد جو پابند اُلفت ہیں
گرفتاری سے بدتر جانتے ہیں وہ رہائی کو

گر چرایا نہیں ہے تم نے دل   مسکراتے ہو کیوں ادھر دیکھو

اس کے آنے میں اب جو دیر ہے کچھ
یہ بھی قسمت کا ہیر پھیر ہے کچھ

جی دیا ہم نے تو پہلے ہی ترے ناز کے ساتھ
اپنا انجام ہوا عشق کے آغاز کے ساتھ
ناتواں ہوں میں یہاں تک کہ قفس سے چھوٹوں
جی نکل جائے مرا پہلے ہی پرواز کے ساتھ

ناصح کی نصیحت کا اثر ہم کو نہیں کچھ
ہیں بے خبر ایسے کہ خبر ہم کو نہیں کچھ

چھوڑا گلزار سے دور اور پر بلبل کترے
ہائے صیاد جفا پیشہ نے کیا گل کترے

تونے اس باغ میں دم بھرنے کی مہلت پائی
اے صبا ہم نے تو اتنی بھي نہ فرصت پائي

یاں تلک اس دل کی بے تابي نے ہے رسوا کیا
جو کوئی دیکھے ہے سو کہتا ہے دیوانا مجھے
بے وفائی مجھ سے تو مت کیجیو اس وقت میں
اس کے کوچہ تک ذرا اے عمر پہونچانا مجھے
بس کہ روتا ہوں میں اس کے ہجر میں بے اختیار
دیکھ کر ہنستا ہے یارو اپنا بیگانا مجھے

جب بندکیں آنکھیں تو ہوئے یار سے ہم بزم
کیا راہ ملاقات کی ہموار نکالی

مریض عشق ہیں ہم جس کے کیا تماشا ہے
کہ اپنی درد کي پوچھے ہے وہ دوا ہم سے

کہتے ہیں عزم سفر یار کا ہے وقت سحر
مجھ کو فردا نظر آتا ہے قیامت ہوگي

کیوں نہ روؤں کیا کروں مجبور ہوں لاچار ہوں
اختیار اب لے کے تم بے اختیاري دے گئے

در تلک تو اس کے آپہونچے ہیں پرائے سیل اشک
کچھ مدد ہو اور بھي تیري تو بیڑا پار ھے
ھائے وہ لڑنا ھي تھا اس کا غنیمت وصل میں
صلح کو روتے تھے کیا اب جنگ بھي دشوار ھے

ھاتھ اُٹھاتا ھے مری نبض کو یوں دیکھ طبیب
جیسے جیلے سے کرئي ھاتھ اُٹھا لیتا ھے
جاں بہ لب جان کے عاشق کو نہ در سے اُٹھواو
اپنا جي دیتا ھے وہ آپ کا کیا لیتا ھے

سو طرح کا سوچ اپنے دل میں اس دم آئے ھے
کان میں اس کے کوئی جب آ کے کچھ کہہ جائے ھے
کیا مزے سے خون دل پیتے ھیں ' اور کھاتے ھیں غم
جو کسي کو خوش نہیں آتا وہ ھم کو بھائے ھے
کیا طبیعت ھے اُداس اب سچ ھے اے "جرأت" یہ بات
جي کہیں لگتا نہیں جب دل کہیں لگ جائے ھے

سب خواب میں اس شوخ کے آنکھوں پہ قدم تھے
پھر آنکھ کھُلی کھل تو عجب سوچ میں ھم تھے
تھا بزم جہاں بیچ عجب لطف یہ لیکن
ٹک چونک پڑے ھم تو وہ محفل تھي نہ ھم تھے

کیا غضب ھے دل کے لگ جاتے ھی جاتے ھیں حواس
اور جو ھے عاشقی سو کام ھشیاروں کا ھے

دل وحشی کو خواھش ھے تمھارے در پہ آنے کی
دوانہ ھے و لیکن بات کہتا ھے ٹھکانے کي

جان آ پہونچی ھے گھبرا کر مرے ھونٹوں پہ جان !
اب بھي آ پہونچو جو موري زندگي منظور ھے

خود بہ خود دل سے جو نکلے یہ تمنائے وصال
یا الٰھی یہ مري آہ اثر تک پہونچے

دیکھ دریائے محبت میں اب احوال مرا
کف افسوس کھڑے ملتے ھیں ساحل والے

بیمار محبت ھوں نہ غم خوار ھو میرا
صحبت سے مرے تو کھیں بیمار نہ ھو جائے

کہا لاچار ھم نے ضعف سے یوں پاؤں پھیلا کر
قدم اُٹھتا نہیں تم جاؤ! ھم اے ھم‌رھاں بیٹھے

رنج تھوڑا سا اُتھانا تجھ کو ھمدم اور ھے
تن میں مجھ بیمار غم کے دم کوئی دم اور ھے
کل ھی بستر پر ھمیں تھا ضعف سے اُتھنا محال
اور دیکھا آج طاقت کو تو کچھ کم اور ھے

یوں وہ آنکھوں میں کھے ھے جب کہ روتا ھے کوئی
پھوت پھوت اتنا نہ رو بدنام ھوتا ھے کوئی

فقط میں اس کی کہوں سادگی کا کیا عالم
لگے نہ لاکھ طرح سے جسے بناو کوئی

ناصح میں اور ھم میں یہ صحبت ھے طرفہ آہ
ھم کچھ نہیں سمجھتے وہ سمجھائے جائے ھے

گر پختہ مزاج ھو تو سمجھو ھے رشتۂ خام زندگانی

جس جگہ جائے نظر آجا شتابی تو مجھے
کل نہیں پڑتی کسی کروت کسی پہلو مجھے

دے کے جی عشق میں ھم چھوڑ چلے اے "جرأت"
ایک افسانۂ پر درد زمانے کے لئے

چھٹے اب شعر کہنا ہم سے کیوں کر آہ اے "جرأت"
مثل ہے دل میں عاشق کی سدا ناسور رہتا ہے

شب کو اس بن تن سے میری جان جو جانے لگی
آہ سوزاں آگے شمع دکھلانے لگی
اب تو ہر ہر بات پر آزردگی آنے لگی
میری بےتابی جو اس بے درد کو بھانے لگی

وہ جس طرف سے آن نکلتا تھا گاہ گاہ
رہتی ہے اپنی آنکھ ادھر بیشتر لگی

ناصحا اس کو چھوڑ دیں کیوں کر
جس کو پایا ہو جاں کھو کھو کے

وہ اور ہیں جو رکھتے ہیں منھ دیکھے کی اُلفت
مر مٹتے ہیں اک بات پہ ہم چاہنے والے

گھر میں کیا بیٹھا ہے ظالم آ تماشا تو بھی دیکھ
کھینچ لائی ہے سر بازار رسوائی مجھے
لوگ آتے ہیں تماشا کو مرے بےاختیار
عشق نے جب سے کیا تیرا تماشائی مجھے

کرتے ہیں جوں گل، گریباں چاک ہم بےاختیار
جب کہ وحشت میں ہمیں باد بہاری لائے ہے

سچ ہے کب خاطر میں تو اُلفت ہماری لائے ہے
پر ہمیں مجبور یاں بےاختیاری لائے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ سینہ پہ ہے کیوں ہاتھ ترا
کیا کہوں تم سے کہ اک درد سایاں رہتا ہے

دل تھہرتا هي تها نہ اس بن رات
بےقراری سی بےقراری تھي
مر گئے ہجر یار میں صد شکر
جیتے رہتے تو سخت خواري تھي

نہ جی تن سے نکلتا ہے نہ تن میں دم سماتا ہے
بھلا اے اِنتظار یار یہہ کیا زندگانی ہے

وائے قسمت اس کا وعدہ شب کے آنے کا ہے اور
ڈھل چلا یاں زیست کا دن آتے آتے شام کے

جو آتا ہے تو آ جینے کا اس کے کیا بھروسا ہے
کوئی دم اور بھي ڈھارس ترا بیمار باندھے ہے

نہیں ہے لذت دردِ محبت تم کو اے ناصح
یہ اپنی خاطر غمگیں دل خرم سے بہتر ہے

جوش گل چاک قفس سے دم بہ دم دیکھا کئے
سب نے یاں لوٹیں بہاریں اور ہم دیکھا کئے

ہم کچھہ اسیر ہوتے ہي خاموش ہو گئے
سب چہچہے چمن کے فراموش ہو گئے

کارواں جاتا رہا اب اور ہم گم کردہ راہ
گرد کے مانند صحرا میں بھٹکتے رہ گئے

یہ جی میں تھا کہ کوچے میں اس کے نہ جائیں گے
اِس دل کي بےقراری کے ہاتھوں میں پڑ گئے

تو چلا اور ہم رہے جیتے خاک یہ زندگي ہماری ہے

دل گیر جوں کھینچے کوئي تصویر اس طرح
سر لگ گیا ہے زانوئے غم پر دھرے دھرے

پہلو میں تو "جرأت" کا جگر چاک ہے یارو
ظاہر میں گریبان اگر چاک نہیں ہے

نہ صبر جی کو، نہ تاب دل کو، نہ خواب چشم پر آب میں ہے
غم جدائي سے جاں میری عجب طرح کے عذاب میں ہے
خموش رهنے دے مجھ کو همدم کہ بات منھ سے میں کیا نکالوں
کیا ہے ایسا سوال اس نے کہ سو خرابي جواب میں ہے

نا توانی سے تو نکل نہ گئی هائے اے جان زار کیا کیجے

دم کی آمد شد نے جب تا خیر کي
همدموں نے اور هي تدبیر کي

نہ همدم ہے کوئی نہ اب هم نشیں ہے
برے وقت کا کوئی ساتھی نہیں ہے
بھلا اے جنوں! اشک پوچھوں میں کس سے
نہ ہے تن پہ دامن نہ اب آستیں ہے

گہ جیتا هوں گہ مرتا هوں مسکرانا ترا قیامت ہے
شور محشر کرے ہے دل برپا یہ دوانا ترا قیامت ہے
حشر برپا هوا ہے اے بدمست لڑ کھڑانا ترا قیامت ہے

ہم نشیں ہو گئے رقیب اپنے کیا گلہ کیجئے نصیب اپنے
وہ جو روئے ہے تو یہ تڑپے ہے دیدۂ و دل بھی ہیں عجیب اپنے
نہ ملے اب تو کیا کریں "جرأت" گرچہ ہے وہ بہت قریب اپنے

نہیں ہے قید ہستی سے کوئی وا رستہ اے یارو
وہی ناداں ہے جو اپنے تئیں آزاد جانے ہے

پوچھتے کیا ہو کہ اب الفت کسی کے ساتھ ہے
آہ یہ دل کا مزا تو اپنے جی کے ساتھ ہے

اختیار اب تو کسی بات پر اپنا نہ رہا
دل کے لگ جاتے ہی اے وائے یہ مجبور ہوے

ہوتے ہیں آسمان و زمیں پل میں غرق خوں
سوجھی ہے اب یہ دیدۂ خوں بار سے مجھے

تا صبح بے کلی ہی رہی شام سے مجھے
تجھ بن کٹی نہ ایک شب آرام سے مجھے
ناصح نہیں ہوں میں دل وحشی کو دوں جو پند
کیا کام ہے کسی کے بھلا کام سے مجھے

نہ دیکھیو چشم کم سے دیدۂ پرخوں کا بھر آنا
کہ یہ حسرت بھرے دل کا مرے ارمان نکلے ہے

دل مرا مثل برق و باراں ہے گاہ خنداں ہے گاہ گریاں ہے
اپنی اس چشم خوں فشاں سے آہ کوچۂ یار بھی گلستاں ہے

ازل سے گرفتار پیدا ہوا ہے یہ دل کیا مزے دار پیدا ہوا ہے

اب نہیں دم لینے کا یارا مجھے درد غم عشق نے مارا مجھے
عشق میں پہلے وہی کرنا پڑا جو کہ نہ ہوتا تھا گوارا مجھے

لذت درد و غم عشق ہے ایسا کہ اگر
روئیے اس میں تو رونا بھی مزا دیتا ہے

اللہ رے تجلی کہ لب بام پر آکر
دی گھر میں دکھا روشنی طور کسی نے

مالک نہیں جینے کے نہ مرنے کے ہیں مختار
افسوس کیا ہے ہمیں مجبور کسی نے

جس طرف کو جائے وہ تو یہ دل بے تاب بھی
پیچھے پیچھے اس کے بے تابی سے دوڑا جائے ہے

سبھوں کی ھے زباں پر داستاں میری خموشی کی
مرے کم بولنے نے بات یہ کتنی بڑھائی ھے
کوئی پہچانتا مجھ کو نہیں ھے اب تو اے ''جرأت''
یہ بگڑی کس سے ھے جو تونے یہ صورت بنائی ھے

داستانیں تو ھزاروں ھی بھریں ھیں دل میں
پرکھوں کیا کہ نہیں ھے لب اظہار مجھے

اک دم کے بھی مہماں نظر آتے نہیں ھم تو
تشبیہ نہ دو ھم کو چراغ سحری سے
''جرأت'' تو زمانے کی خبر پوچھ نہ ھم سے
اپنی بھی خبر ھم کو نہیں بے خبری سے

لے خبر جلد کہ تک ٹھہر گیا ھے اب تو
کام آخر ترے بیمار کا ھوتے ھوتے

قلق یہ اس بت کافر کی ھے جدائی سے
کہ آہ بیٹھے ھیں بیزار ھم خدائی سے
غرض نہ اپنی سی قسمت کسی کی میں دیکھی
پناہ مانگئے طالع کی نارسائی سے

مجھ سے پوچھے ہے بگڑ کر وہ حقیقت میری
کچھ تو اے بے خردی بات بتانے دے مجھے

بیٹھتے اُٹھتے گر اُس بزم میں پہونچے تو وہاں
بیٹھنے نالۂ جاں‌کاہ نہیں دیتا ہے

مصور نے جو کھینچا اُس کا نقشہ تو یہ نکلے ہے
کہ گویا منہ سے یہ تصویر ابھی واللہ بول اُٹھے

غم سے گھٹنا یہ مرا، سب میں بڑھاتا ہے اُسے
جو مجھے دیکھے ہے سو دیکھنے جاتا ہے اُسے
لگ چلے ساتھ نہ کیوں کر دل بےتاب اُس کے
کیا کرے وہ کوئی کھینچے لئے جاتا ہے اُسے
اس کا ہاتھ آنا ہے دشوار کہ جوں بحر و حباب
جب کوئی آپ کو کھوتا ہے تو پاتا ہے اُسے

پوچھ نہ ماجرائے خوں، اب نہیں تن میں ہائے خوں
ٹپکے ہے یاس جائے خوں، دل کی ہر اک خراش سے
کاش ملیں بھی یار سے سخت ہیں بے قرار سے
نالئے دل فگار سے آہ جگر فراش سے

گئے صبر و دل و تاب و تواں جب خانۂ تن سے
اکیلے گھر میں تو پھر جان بھی کب رہنے والی ہے

سالہا گزرے کہ یہ حالت بنی جس کے لئے
دل گیا ' طاقت گئی ' دولت گئی' دنیا گئی

اے اجل اب تو یہ رسوائی نہ دیکھی جاے گی
طبع غم خواروں کی اپنی اب بہت اُکتا گئی

آہ کس پردہ نشیں سے دیدۂ دل لڑ گئے
شدت گریہ سے جو آنکھوں پہ پردے پڑ گئے

یہ نقش اپنے دل کے نگینے پہ حرف ہے
گر تو یہاں نہ ہووے تو جینے پہ حرف ہے

وہ چاہنا ہمارا اب جانتے نہیں ہیں
لو چاہ نے ہماری تاثیر کی تو یہ کی
تم جو خفا ہو مجھ سے ہے اور تو خطا کیا
ہاں دل دیا ہے تم کو تقصیر کی تو یہ کی
تدبیر سے نہ حاصل ہو کچھ بہ جز ندامت
معلوم ہم نے اپنی تقدیر کی تو یہ کی

جو غور کیجے تو وہ گئے دن، کہاں کا آنا کہاں کا جانا
اک آمد و رفت سانس کی ہے بس اور اب ہم میں کیا رہا ہے
هجوم یاس اب یہی ہے دل پر نہیں کوئی پاس غیر حرماں
وبال جاں زندگی ہوئی ہے کہ لطف جینے کا کیا رہا ہے

پاتے نہیں کچھ ہم میں ہیں اور ہی عالم میں
مرجائیں گے اک دم میں ہنگام گرفتاری

نقاب اپنا اُلٹ کر منہ دکھا تصویر سا اپنا
کوئی دم میں ترے بیمار کی پتلی اُلٹتی ہے

بزم سے اٹھتے ہی اس کے یہ ہوا بے خود میں
کہ خبر اپنی رہی مجھ کو نہ کچھ مجلس کی

کھاؤں یارب نہ غم‌عشق تو غم کھائے مجھے
گرنہ بیمار محبت ہوں تو موت آئے مجھے

کریں گے فکر طبیعت کی ہم اٹھانے کی
کہ ہم میں تاب نہیں اب الم اٹھانے کی

یارب کبھی تو دیکھوں میں یہ انقلاب عشق
میری طرح سے وہ بھی کرے جستجو مری

نہیں کٹتی یہ ہجر کی شب تار
کچھ عجب رنگ آسماں کا ہے

اک آرزو بھی دل کی نکالی نہ تونے آہ
مرتے تلک رہیگی یہی آرزو مجھے

(رباعیات)

چوں برق ہي تو جگر جلانے والا روتوں کو ہے اور بھی رلانے والا
وہ جارہ جا برس نہ اے ابر سیاہ وہ جائے گا ورنہ کوئي آنے والا

آتش سے جو غم کے دل جلا خاک ہوا
اور جل کے جگر بھی اب مرا خاک ہوا
چوں شمع ملا نہ کچھ بہ جز سوز فراق
حاصل ہمیں عاشقي میں کیا خاک ہوا

دل آنکھوں سے خوں ہو بہا ہے میرا
احوال میں کیا کہوں کہ کیا ہے میرا
جي تن میں کسی طرح ٹھہرتا هي نہیں
آ جلد کہ دم اکھڑ چلا ہے میرا

آرام نہیں ہے بے قراري سے ہمیں
اب کام پڑا ہے آہ و زاری سے ہمیں

دل پر ہے ہاتھ اور آنکھوں میں اشک
حاصل یہ ہوا ہے تیری یاری سے ہمیں

دم رکنے لگا ہے نالے کرتے کرتے
غربال ہوا دل آہیں بھرتے بھرتے
غم دل پہ رہا یونہیں تو ''جرأت'' اک روز
مر جائیں گے ہم کسی پہ مرتے مرتے

دل لے کے تو مجھ سے اور کیا چاہتا ہے
ملتا نہیں کیوں جی ہی لیا چاہتا ہے
یوں ہی جو تری مرضی ہے تو یاقسمت
ہوتا ہے وہی جو کچھ کہ خدا چاہتا ہے

(مخمسات)

بس اتنی بھی نہ بے پروائیاں تم مجھ کو دکھلاؤ
وہ پرواز اور میرے چھچے تک دھیاں میں لاؤ
اسیری پر مری اور بے کسی پر رحم تک کھاؤ
قفس میں ہم صفیرو ! کچھ بات کر جاؤ
بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا

طبیعت میں تھی کیا کیا لنترانی
کوئی اپنا سمجھتے تھے نہ ثانی

سو اب صورت بنـــا کے تو ڈرانسی
چلی منهه موڑ کر کیوں هے جوانی
همیں یه و لولے اپنے دکها کے

نه کیونکه روئے زانوئے غم په سر کو دهرے
بغل میں کیوں نه دل اپنا تڑپ تڑپ کے مرے
خبر جو هوے اسے تو وه کچهه خدا سے ڈرے
سو اپنے حال سے آگاه کون اس کو کرے
نه قاصدے نه صبائے نه مرغ نامه برے
کسے ز بیکسي مـا نمی برد خبرے
غم فراق سے هے دکهه په دکهه ' الم په الم
جگر په داغ ' مژه اشک بار لب په هے دم
سنائیں کس کو کهے کون اس سے اپنا غم
نه کوئی یار نه کوئي رفیق نه همدم
نه قاصدے نه صباے نه مرغ نامه برے
کسے ز بیکسی مانمي برد خبرے

واسوخت

یـارب اندوه جدائی سے تو مرتا بهتر
گذرے غم جی په تو بس جي سے گزرنا بهتر
بحر الفت میں قدم کا نهیں دهرنا بهتر
هے کنارا بهی اب اس چاه سے کرنا بهتر
رفته رفته وه هوے لجهٔ آفت میں غریق
موج زن جن کے هوا دل میں یه دریائے عمیق

قیس و فرہاد سے اس بحر میں لاکھوں تیراک
آہ کیا جانیں کدھر بہ گئے مثل خاشاک
آشنا مثل صدف اس سے کوئی ہو کیا خاک
حاصل ربط یہی ہے کہ جگر ہووے چاک
اس سے جوں موج رواں جس کو پڑا الجھیڑا
نہ ملا پھر نہ ملا اس کا کہیں تھل بیڑا

دل کو ہرچند میں سمجھایا کہ اے خانہ خراب
جان اس ہستی موہوم کو تو نقش بر آب
جی لگا کر کسی بے رحم سے مت ہو بےتاب
اب جو دیکھو تو دم آنکھوں میں ہے مانند حباب
کوئی دم کا ہے جو یہ مہمان نظر آتا ہے
ایک دریا مری آنکھوں سے بہا جاتا ہے

جس ستم گر نے کیا آہ یہ حال دل زار
جی میں آتا ہے کہ رُوکش ہوں میں اس سے اک بار
یہ کہوں صاف کہ ٹک سن تو اب اے ظلم شعار
واقف اس بات کے ہیں ایک سے لے تا بہ ہزار
محو نظارہ ترا تاکہ یہ دل تھا نہ مرا
سادگی پر گل رخسار کب ایسا تھا ترا

آئینہ دیدۂ گریاں نے دکھایا تجھ کو
جس سے آگاہ نہ تھا تو وہ جتایا تجھ کو
اپنی وحشت نے پری زاد بنایا تجھ کو
دل کی بے تابی نے کیا کیا نہ سکھایا تجھ کو
آنکھ ورنہ تری ہر ایک سے شرماتی تھی
کل کی ہے بات تجھے بات نہ کر آتی تھی

تجھ میں یہ خوبی گفتار کہاں تھی توبہ
ایسی اٹکھیلی کی رفتار کہاں تھی توبہ
طبع عالم کی گرفتار کہاں تھی توبہ
اس قدر گرمی بازار کہاں تھی توبہ
اپنے ہی چاہنے سے تو یہ نمودار ہوا
کہ ترے حسن کا ہر ایک خریدار ہوا

مثنوی بحرالفت

دریکتا ہے بحر محبوبی
رونق افزائے گلشن خوبی
بعد صد آرزوئے شوق وصال
ہے نوشتن تمام جس کا محال
سمجھیو حرف مطلب دل زار
کہ تڑپتے کٹے ہے لیل و نہار
کہا کے کچھ مرر ہیں یہ جی میں ہے
خیریت ہے تو بس اسی میں ہے
گرچہ مرتے ہیں پر ہمیں ہے یار
حق سے تیری سلامتی درکار
اور یہ جب سے فلک نے کام کیا
کہ جدائی کا دل پہ داغ دیا
ہے مجھے لطف زندگی کیا خاک
شکل گل ہے مرا گریباں چاک

خم غم سے ہوں بادہ نوش سدا

صورت غنچہ ہوں خموش صدا

تم کو جب دل میں یاد کرتا ہوں

جوں صبا ٹھنڈے سانس بھرتا ہوں

متصل اشک دیدہ گریاں

آہ جاری ہیں مثل آب رواں

جب جدا تجھ سا یار جانی ہو

کس روش اپنی زندگانی ہو

دیکھوں میں گل کو جب چمن میں یار

یاد آتے ہیں وہ گل رخسار

بے قراری سے جان دیتا ہوں

منھ کو میں پیٹ پیٹ لیتا ہوں

غنچہ و گل کو دیکھتا ہوں میں جب

یاد آتے ہیں پیارے پیارے لب

کھینچوں ہوں دل سے آہ یوں اک بار

ٹکڑے ہوتا ہے غنچہ ساں دل زار

سوئے نرگس جو آنکھ جاتی ہے

چشم کیفی وہ یاد آتی ہے

دل یہ ہوتا ہے مضطر و بے تاب

خفقانی کو جوں پلائیں شراب

گل چنپا پہ جب کروں ہوں نگاہ

چنپئی رنگ یاد آتا ہے آہ

بس وہیں دل میں درد ہوتا ہے

رنگ چہرے کا زرد ہوتا ہے

دیکھوں ہوں جب کہ میں گل اورنگ

یاد اُن فندقوں کا آے ہے رنگ

ہاتھ مل مل کے تلملاتا ہوں

اس خرابی سے گھر کو جاتا ہوں

انشا

میر انشاء اللہ نام' ان کے والد میر ماشاء اللہ ایک عالم فاضل شخص اور حاذق طبیب تھے' شعر بھی کہتے تھے' دھلي وطن تھا - ایسے باپ کے دامن تربیت میں پرورش پاکر انشا بھي عالم فاضل طبیب اور شاعر ہوئے -

شاعری کی طرف مائل ہوئے تو علوم نے اس میں جلا دیدی - ذھانت نے چمکا دیا - اور شعرا میں انشا یہ خصوصیت اور امتیاز رکھتے تھے کہ عربی' فارسي' اُردو اور ھندي زبانوں میں نظم کی یکساں قدرت رکھتے تھے - مگر زمانے کے مذاق اور ماحول کے اثر سے اُردو کی شاعری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی -

انشا کچھ دنوں مرشدآباد میں رہے - وھاں سے واپس آکر دھلي میں شاہ عالم بادشاہ کے زینت محفل بنے' دھلي سے طبیعت گھبرائي تو لکھنؤ پہونچے - وھاں شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیماں شکوہ نے ان کو باپ کا نمک خوار سمجھ کر ھاتھوں ھاتھ لیا اور ان سے مشورہ سخن کرنے لگے' کچھ دنوں کے بعد نواب سعادت علي خاں کے دربار میں ان کی رسائي ھوگئی - انشا علم و فضل کے ساتھ حد درجہ کے ظریف - بذلہ سنج اور شوخ مزاج تھے - نواب ان سے اسقدر مانوس ہوئے کہ ایک دم ان کے بغیر چین نہ آتا تھا - انشا کي فطری ظرافت اور درباری زندگی نے ان کو ھزل اور تمسخر کي طرف مائل کردیا تھا - ھر لمحہ ھنسنے ھنسانے سے

کام تھا - ان کی شاعری کا مقصد بھی تفریح طبع کے سوا اور کچھ نہیں معلوم ہوتا - کبھی مضمون میں ظرافت ہوتی ھے کبھی سیدھی سی بات میں انداز بیان سے ظرافت کا ایک پہلو پیدا کردیتے ھیں - کبھی مشکل اور کڈھب قافیے اور ردیفیں اختیار کرکے نظم کی قدرت دکھاتے اور لوگوں پر حیرت کا اثر ڈالتے ھیں - طبیعت کی شگفتگی کا یہ عالم ھے کہ غم انگیزی مضامین سے بھی دلوں کو شگفتہ کر دیتے ھیں - غم و حسرت کا اثر پیدا کرنے والے اشعار ان کے یہاں بہت کم ھیں ان کی شاعری زیادہ تر مضامین خارجی پر مشتمل اور آورد کا نتیجہ ھے - مگر یہ اپنی قدرت نظم سے اورد میں آمد کی بے ساختگی پیدا کر دیتے ھیں -

سید انشا نے تمام اصناف سخن میں اسی رنگ میں طبع آزمائی کی ھے - ریختی میں بھی ان کو بڑی مہارت تھی - وہ عورتوں کے مخصوص جذبات وخیالات عورتوں ھی کی زبان میں بڑی خوبی سے ادا کرتے ھیں - انشانے سنہ ۱۲۳۳ ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی -

انتخاب

صنما! بہ رب کریم یہاں ترے ہیں ہرایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بہ ربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلٰی
بہ محمد عربی تو دے دوسہ جام بادۂ نور کے
کہ نہ سوجھے سکر میں ساقیا مجھے کچھ جہاں کا برا بھلا

کیوں شہر چھوڑ عابد غار جبل میں بیٹھا
تو ڈھونڈھتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا

تنہا نہ اس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا
اپنی بھی جاں لوٹ ہوئی دل نے غش کیا

جس دم کہ ترے محو تجلی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرت موسیٰ کو غش آیا
گرنے نہ دیا اس کو ملایک نے زمیں پر
جس ادم ترے بیمار تمنا کو غش آیا

رہا ہے ہوش کچھ باقی اسے بھی اب نبیڑے جا
یہی آہنگ اے مطرب پسر تک اور چھیڑے جا

خدا ہی جانے کدھر سدھارے شکیب و صبر و قرار و طاقت
ہر ایک اُن میں سے دے گئے ہیں ہمارے سینے کو داغ اپنا

خیال کیجے کیا آج کام میں نے کیا
جب ان نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا
کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ
حقوق بندگی اپنا تمام میں نے کیا
ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پھر کبھی نہ کہا
کہ آج سے تجھے "انشا" غلام میں نے کیا

اس بندے کی چاہ دیکھئے گا
اور اس کا نباہ دیکھئے گا
میں کیسے نباہتا ہوں تم سے
انشاء اللہ دیکھئے گا
عاشق مجھے جان کرتے ہیں قتل
تقصیر و گناہ دیکھئے گا

جھوٹا نکلا قرار تیرا اب کس ہے اعتبار تیرا
کر جبر جہاں تلک تو چاہے میرا کیا ؟ اختیار تیرا

فقیرانہ ھے دل مقیم اس کی رہ کا
غرض کیا کہ محتاج ھو بادشہ کا
یہي لطف ھے ساقیا مے کشي کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھي بہکا

ھیہات اس کو یار کیا ھم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا ھم نے کیا کیا
باھم دگر جو تھي خفگي سب گئي، اسے
بے اختیار پیار کیا ھم نے کیا کیا
رہ رہ کے دل میں آوے ھے "انشا" یہي کہ کیوں
اس دل کو بے قرار کیا ھم نے کیا کیا

رکھتے ھیں کہیں پاؤں تو پڑتا کہیں اور
ساقی تو ذرا ھاتھ تو لے تھام ھمارا
اے باد سحر! محفل احباب میں کہیو
دیکھا ھے جو کچھ حال تہ دام ھمارا

نہ کہہ تو شیخ مجھے، زھد سیکھ، مستي چھوڑ
تري پسند جدا ھے مری پسند جدا
خجل ھے آپ کی دیوار کی بلندی سے
ھماری آہ جدا ریشمی کمند جدا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بہ روز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

مجھے چھیڑنے کو ساقی نے دیا جو جام الٹا
تو کیا بہک کے میں نے اسے اک سلام الٹا

کیا خدا سے عشق کی میں رہنمائی مانگتا
مانگتا بھی اس سے تو ساری خدائی مانگتا

گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن
تسکین، دل اپنا کچھ اے یار نہیں پاتا

کسی طرح سے نہیں نیند آتی "انشا" کو
اسی خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اس نے گویا جبل کو توڑا
اپنا دل شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تونے ظالم ایسے کنول کو توڑا

زلزلہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا **اضطراب**

ہمیں اس صنم کي ہے اُلفت بہت
جھکے جس کے سجدہ کو پتھر کے بت

گرچہ مے پینے سے کي توبہ ہے میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

گر نکہت بہار سے مل جائے پوچھیو
میري طرف سے باد سحر خیروعافیت

بزم رندانہ میں کیا زہدو ورع کا چرچا
شیخ صاحب ہے بہت یہ تو قیامت کي بحث

صیاد لے خبر کہ دیا چاہتے ہیں جان
کنجِ قفس میں تازہ گرفتار چار پانچ

فضلِ خدا سے خیر بھر حالِ شکر ہے
کیا پوچھتے ہو مجھ سے دل افگار کا مزاج

ہے شب وصل کھلے کاش نہ دروازۂ صبح
کم نہیں شور قیامت سے کچھ آوازۂ صبح

کریم جلد کرم کر کہ ہو مزاج صحیح
بہ رنگ نرگس بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیم فضل و کرم میں تری وہ ہے بو باس
نہ پہونچے گرد کو' جس کے کبھی شمیم مسیح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارت دل نے
ہلادے مروحۂ لطف تک پئے ترویح

گھر سے باہر تو نہ نکلا تھا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح
آبروئے ابر یاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح
صاف دل کیونکر کروں تجھہ سے بھلا
ٹوٹی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح

افسون نگہ سے تری اے ساقی بدمست
شیشہ میں ہوئی مثل پری اپنی نظربند
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے
کیا کیجئے دروازہ ادھر بند ادھر بند

ابتدا سے دوستی میں دل کو ہے یہ بے کلی
کچھہ نظر آتا ہے اِس آغاز کا انجام بد

نظر کر علی کو قرین محمد — ہوا نور حق ہم نشین محمد
یہ اللہ کے نام سے ہے جہاں میں — درخشندہ نقش نگین محمد

اجی سر اٹھا کر ادھر دیکھنا — اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ
بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا — انہیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ

چٹخارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں
کوئی مزہ نہیں ہے ترے نام سے لذیذ

راتوں کو نہ نکلا کرو دروازے سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازے سے باہر

جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے
گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر

اڑے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر
گزری قیامت اس دل امید وار پر

اپنے داغ جگر میں سوجھے ہے — مجھ کو اس نازنین کی تصویر
نظر آتی ہے اشک "انشا" میں — جبرئیل امین کی تصویر

کہا ہنسی آتی ہے مجھہ کو حضرت انسان پر
فعل بد تو ان سے ہو لعنت کریں شیطان پر

نگہ جو پڑی تجھہ سے رشک قمر پر
گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
مجھے رونا آتا ہے شمع سحر پر
کہ بے چاری اب مستعد ہے سفر پر

کیا یار آفت پڑے اس سحر پر
اداسی برسنے لگی بام و در پر
نہ آنسو بہا دور ہو یاں سے شبنم
نمک کیوں چھڑکتی ہے زخم جگر پر
کوئی دیوتا تھا کہ جن تھا یہ کافر
مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر

پھنس گئی عندلیب ہو بے کس ہائے تنہائی اور کنج قفس

بس نہ دنیا کی رکھہ اے صاحب ادراک ہوس
خاک ہی خاک ہے سب ' خاک کی کیا خاک ہوس

بال و پر تو تک ہلاؤ پنجۂ و منقار سے
ہم صفیرو توڑ ڈالو دام کو چھوڑ و قفس

ہو جائے اگر جہاں فراموش
کب دل سے ہو دل ستاں فراموش
تو بھولے یہ دخل کیا ہے ہم تو
کر بیٹھے ہیں خود کو یاں فراموش

آوارہ دشت شوق میں مانند گرد باد
بھٹکا پھروں ہوں کرکے رہ کارواں غلط

ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق
کچھ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق
پوچھا کسی نے قیس سے تو ہے محمدی
بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق

دیکھ تو عشق کے دھڑکے کو شب وصل میں آہ
گرچہ ہے پاس ترے تو بھی ہے ششدر عاشق

تالب بام قفس اُڑ نہ سکے ہم صیاد
اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم

کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھا
قاصد نے تو لو اور سنائی خبر گرم

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم　　جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم
خم کے خم تو لنڈھائے یوں ساقی　　اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم

بندہ درگاہ کی بھی اک نرالی ہے نماز
عرش سے بھی کچھ پرے ہے اس نمازی کا مقام
ہے خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی
ورنہ کیا باقی رہا ہے چارہ سازی کا مقام
سید "انشا" کو نہایت ان دنوں تشویش ہے
بندہ پرور ہے یہاں بندہ نوازی کا مقام

دھوم اتنی ترے دیوانے مچاسکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں
مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ مرے سامنے آسکتے ہیں
چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
ہے محبت جو ترے دل میں وہ اک طور پہ ہے
ہم گھٹا سکتے ہیں اس کو نہ بڑھا سکتے ہیں

کہہ تو اے چرخ بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں

اجی کیوں رو بیٹھے ہو ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہي میں بھي پانؤں تو پڑ سکتے ہیں

یا وصل میں رکھے مجھے یا اپني ہوس میں
جو چاہئے سو کیجئے ہوں آپ کے بس میں
یہ جاے ترحم ہے اگر سمجھے تو صیاد
میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹي کس طرح اپني
جز درد نہ دیکھا کبھي اس تیس برس میں

کیا ملا ہم کو تیری یاری میں رہے اب تک امید واری میں
ہاتھہ گہرا کوئی لگا قاتل زور لذت ہے زخم کاري میں
بندہ بو تراب ہے "انشا" شک نہیں اس کی خاکساري میں

کسي کے ہجر میں اپنے ہزاروں داغ ہیں دل پر
عوض مے کے بھریں گے ہم پر طاؤس شیشے میں

خلوت میں فائدہ کیا اغیار سب بہم ہوں
سب کو ہوا بتادو بس تم ہو اور ہم ہوں

کمر باندھے ہوے چلنے پہ یہاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقي ہیں جو طیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نگہت باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں
یہ اپنی چال ہے افتادگی سے ان دنوں پہروں
نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار، بیٹھے ہیں

پھبن، اکڑ چھپ، نگاہ، سج، دھج، جمال، طرز خرام اٹھوں
نہ ہو وہیں اس بت کے گر پجاری تو کیوں ہو میلے کا نام اٹھوں
شکیب و صبر و قرار و طاقت، نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاری الفت میں کھو کے بیٹھا ہوں میں تو اب لاکلام اٹھوں

حیف ایام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں

جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے، اسی واسطے بس
رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں
عشق میں شرم کہاں ناصح مشفق، یہ بہ جا
آپ کو کیا ہے جو اس بات کا غم کرتے ہیں

نالے یہ میرے نالے کرنے لگی ہے اب تو
بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں

کوئی اس ترک جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی
کیا مگر رسم وفا آپ کے کشور میں نہیں
آج کچھ کام میں ہوں کوئي جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہدیجو کہ وہ گھر میں نہیں
میري اُمید بر آتی ہے اب "انشاء" اللہ
کون سی چیز ہے اللہ کے جو گھر میں نہیں

لیلیٰ و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچي
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچي

تفضلات نہیں' لطف کی نگاہ نہیں
معاملہ ابھي مطلق وہ روبہ راہ نہیں

یوں چاہئے آپس میں نہ اک آن جدا ہوں
اے ولولہ شور جنوں دست و گریباں

جس پر کہ ترا سایۂ دامان قبا ہو
کیوں اس کے تصدق نہ بھلا باد صبا ہو
اس گل کي اگر پاس ترے بوئے قبا ہو
دینا ہو غرض اور تو اے باد صبا ہو

لہرا دیا صبا نے جو گل سبزہ زار کو
و و ہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو

چھیڑنے کا تو مزہ تب ہے کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

کام فرمائیے کس طرح سے دانائي کو
لگ گئی آگ یہاں صبر و شکیبائي کو
دعوے کرتا ہے غزالاں حرم کے آگے
کس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو
جی میں کیا آگیا "انشا" کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اس نے کیا عالم تنہائي کو

کہہ اٹھا قیس جہت آنا لیلی   جذبہ عشق کي مدد دیکھو

ضعف آتا ہے دل کو تھام تو لو   بولیو مت بھلا سلام تو لو

کوئي اس دام محبت میں گرفتار نہ ہو
اے خدا یہ تو کسی بندہ کو آزار نہ ہو
آج ہے دھوم اسیراں قفس میں کچھ اور
جا کے دیکھو تو کوئی تازہ گرفتار نہ ہو

کیوں بھلا مجھکو جمال صاحب محمل نہ ہو
کیاکرے مجنوں جو اس کے بس میں اپنا دل نہ ہو
ایک اداسی کارواں پر چھا گئي اے ساربان
ٹک خبر لیجو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

کیا کام ہم کو سجدہ دیروحرم کے ساتھہ
مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھہ
او جانے والے مڑکے ذرا دیکھیو ادھر
مانند سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھہ

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ
یاں قدم بوسی کو جھکتا ہے ہما کا سایہ

جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اڑنے پر
اے نکہت گل تونے کیوں اتنی شتابی کی

سرگرم اختلاط رقیبوں سے ہو چکی
ناموس و ننگ و نام غرض آپ کھوچکے

واللہ میں بھی تنگ ہوں۔ اب کاش اے صنم
جو کچھہ نصیب میں ہو کہیں جلد ہوچکے

غیروں سے بات چیت ہے میرے ہی سامنے
یہ حال ہے تو خیر مجھے آپ کھوچکے

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے
چلئے پھرکعبہ بھی ہو آویں ذرا سیر تو ہو

آپ کے اس حباب کو مہر و وفا سے ربط کیا
بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اُٹھتے ہی خفتگان خاک خواب عدم سے چونک
موج نسیم کوئے یار آج تو تیرے پاس سے

سچ یہ آفت تری' یہ دھج' یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے

سیر گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے اتنا
کنج عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

جوں شعلہ برق آہ نکلتی ہے جگر سے
اے ابر مژہ دیکھیں تو برسات کی ٹھہرے

گرہ حسرت کی ہر تار نفس میں پڑ گئی جس سے
یہ کیسی ہوک ہردم اے دل پردرد اُٹھتی ہے

آنے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے
اب ہے امید صرف خدا ھی کی ذات سے
کل سے تو اختلاط میں تازہ ہے اختراع
رکنے لگے ھیں آپ مری بات بات سے
مطلق ملا کے آنکھ ادھر دیکھتے نہیں
آتے نظر ھو آج بھی کم التفات سے
"انشا" نے آ لگا ھی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہے کوئی اپنی گھات سے

فنافی اللہ کے رتبے سے پائی ھو جو آگاھی
تو کچھ جینے سے خوش ھو جی نہ کچھ مرنے کا غم کھچے

"انشا" کی گفتگو وہ دھواں گرم ہے کہ آج
آکر بہار اس کے گلے سے لپٹ گئی

اجی کہتا ھوں دروازے کی کنڈی کھول دو چھکے
نہیں تو میرا سر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے

افشاں کا وہ عالم ہے اس چاند سے مکھڑے پر
جس وقت سحر "انشا" سورج کی کرن نکلے

نکلے ہے خوں تھہر تھہر دل کی ہر اک خراش سے
چھیڑ دو اس کو دوستو تیز قلم تراش سے

موسم گل سے دوستو جائے وہ سیر باغ کو
اُتھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہ فراش سے

شہر سے دل اچاٹ ہے آنسو نہیں اجاڑ سے
سر کو پٹکئے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے

" انشا اللہ " شاید آیا اس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہے

کچھ تہی دستي ہی تنہا دشمن '' انشا '' کي نہیں
عشق و ہجر و نوجواني گردش ایام بھی

محیط عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں تس پر
کہے ہے نا خدا یاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے

خیال ہستي موہوم دل سے دور کر " انشا "
سفر درپیش ہے تجھ کو تو اس پر آہ غافل ہے

کھپ گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری
مجھ کو کیا جانے کے کیا بات خوش آئي تیري

غصہ میں ترے ہم نے بڑا لطف اُٹھایا
اب تو عمداً اور بھي تقصیر کریں گے

اس دل جلے کو ہجر میں اے آتش فراق
ایسا ہي پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے

ہم صفیراں چمن دیکھئے کیا ہوتا ہے
آج صیاد پھر آیا قفس و دام لئے

کل وہ نگہ اُچٹتی ہوئي یوں جو پڑ گئي
بےاختیار اس سے مری آنکھ لڑ گئي

کہا کیا آہ ناتواں تو نے آگ سي پھونک دی یہاں تو نے

گالي سہي ، ادا سہی ، چین جبیں سہي
یہ سب سہي پر ، ایک نہیں کي نہیں سہي
گر نازنیں کے کہنے سے مانا برا ہو کچھ
میری طرف کو دیکھئے میں نازنیں سہي

بندگي ہم نے تو جی سے اپنے ٹھاني آپ کی
بندہ پرور خیر آگے قدر داني آپ کی

لب پر آئي هوئی یه جان پھرے
یار ' گر اس طرف کو آن پھرے

دل کي بھڑک نے مجھ کو گھبرا دیا عزیزو !
اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چھري سے
پھولوں کی سیج پر تو واں چاندني میں سویا
اور رات هم نے کاٹی یاں سخت بےکلي سے

پھبتی ترے مکھڑے په مجھے حور کی سو جھی
لا هاتھ ادھر دے که بہت دور کي سوجھی

پھونچے بے پر کوئي اس گل تلک "انشا" کیا دخل ؟
بلبل اس رشک تمنا میں مري جاتی

زمیں سے اُٹھی هے یا چرخ پر سے اُتری هے
یه آگ عشق کی یا رب کدھر سے اُتري هے

لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چھاتي سے
الهي اپنا بھي روٹھا هوا کهیں من جائے

پھر کچھ گئے هوؤں کي مطلق خبر نه پائی
کیا جانئے کدھر کو جاتا یه قافله هے

بار گراں اُٹھاتا کس واسطے عزیزو
هستي سے کچھہ عدم تک تھوڑا هي فاصلہ هے

یہ دو روزہ نشو و نما کو تو نہ سمجھہ کہ نقش بر آب سے
یہ سراب هے ' یہ حباب هے ' فقط ایک قصۂ خواب هے

هے جي میں قفل خانۂ خمار توڑئے
یعني در بہشت کو یک بار توڑئے

زنہار همت اپني سے هر گز نہ هارئے
شیشے میں اس پري کو نہ جب تک اُتارئے

مجنوں تو سوکھہ ساکھہ کے اک خار بن گیا
لیلےٰ کا چہرہ مثل گل ورد هے سو هے

کسی نے اس کی شکایت جو کی تو مہں بولا
وہ کیوں نہ جبر کرے کس کے اختیار میں هے

معلوم نہیں روٹھے هیں کس آئینہ رو سے
پانی جو اُترتا نہیں غنچوں کے گلو سے

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے　　وہ تو بیچاری آپ ننگی ہے

اور بھڑکی ہے اشتیاق کی آگ　　اب کسے صبر و تاب باقی ہے

یاں زخمی نگاہ کے جینے پر حرف ہے
ہے دل پر اپنے زخم کہ سینے پہ حرف

قصائد

حمد

اے خداوند مہہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
بیٹھ کر مکتب ابداع میں تونے کھولے
دفعتاً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق
تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا
عقل اول نے پڑھا تجھ سے بادب ہو کے سبق
کیجئے گر نظر غور بہ انواع صفات
خیرہ ہو ذہن کہے ہے یہ مسائل میں ادق
خلق انساں کو کیا نام پہ اس کو بخشی
ہیئت جسم کو کر کے متشکل زعلق
جلد دے لحم کی تصویر بن غازیہ سے
ایک پردے میں قوا اخذ کریں اپنا حق
ہیں سب اعصاب و شرائیں و رباط اس لئے تا
روح کی آمد و شد کو نہ رہے رنج فرق

ذوق و بصر و لمس و سمع و شم و وهم و خیال
بن کہے تو نے دئے هم کو کریم مطلق
صدقہ اس بندہ نوازي کی تری هم جاویں
باپ ماں هوتے هیں کب ایسے شفیق و اشفق
بحر امواج حقائق سے گزر کون سکے
هاں مگر فضل هے تیرا هي بہ جاے زورق
روز و شب حضرت خلاق ترے حکم میں هیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و هفت طبق
حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا هوں
شکر صد شکر هے اے حمد و ثنا کے الیق
کہ مجھے دین محمد میں کیا تونے خلق
ورنہ تھی اور بھي انواع کے ادیان و طرق

مدح بادشاہ

جشن و نشاط و خوش دلي و عشرت نعم
عیش و خوشي میں چین سے خوش وقت هو بهم
فرخندگي بخت پہ نازاں تھے اپنے سب
هر ایک نغمہ سنج تھا با طوطي ارم
فیض سحاب فرح سے تھي مزرع اُمید
گل گل کبھي شگفتہ نہیں هوتے صبح دم
بلبل کو یہ طرب نہ هو هرگز بہ فصل گل
غنچوں کو یہ شگفت نہیں هوتي صبح دم
قمري کو وصل سرو کي اتنی نہیں خوشي
آهو کو یہ سرور نہ هوے بہ وقت رم

جو کچھہ کہ جوششیں تھی فرض ان سبھوں کے ساتھہ
ممکن نہیں کہ کیجیے بیاں ان سے بیش و کم

خدمت میں ان سبھوں کي کہا میں نے التماس
شادي کي وجہہ کیا هے خبر پاویں کچھہ تو هم

بارے یہ کیا نشاط هے هم بھي تو کچھہ سنیں
خوش ہووے فرح سے هو همارا بھي تازہ دم

شامل مجھے بھی کیجئے اس عیش میں کہ میں
حضار بزم خاص سے هوں مورد کرم

دینے چلے هیں اس کو مبارک کہ آج وہ
شاہنشہ زمانہ هے بر مسند حشم

وہ واجب الاطاعت و مسجود خلق هے
دوراں کے بیچ میں وہ جو هے شاہ محترم

معنی آیۂ واولے الامر منکم آ
تفسیر بیچ دیکھہ لو قران کی قسم

یعنی وہ شاہ عالم و فخر جہانیاں
عالي گہر ' خجستہ سیر ' معدن همم

شاہ نجف نے قبضہ میں دي جس کے ذوالفقار
دو ٹکڑے جس سے هو وے عدو بیش هو نہ کم

جو حسن خلق اس میں هے ' هے خلق میں کہاں
ذات ستودہ الغرض اس کي هے مغتنم

جس کے رکاب میں هیں سلاطین روزگار
گردن کشان دهر هیں جس کے کہ سب قدم

"مدح شہزادہ سلیمان شکوہ"

صبح دم میں نے جولی بستر گل پر کروٹ
جنبش باد بہاري سے گئي آنکھ اُچٹ
دیکھتا کیا هوں سر هانے هے کھڑی ایک پري
جس کے جوبن سے ٹپکتی هے نري گدراهٹ
عطر میں ڈوبي هوئي زور سے بوباس اُس کی
بل بے سج دهج تري بل بے یہ تري نرماهٹ
آفتاب اس کی جبیں کے جو مقابل هو وے
صدقے هو هو کے کہے اُف رے تری چمکاهٹ
موتیوں سے جو بهري مانگ وہ دیکھے اُس کی
سیر سے تاروں بھری رات کي جی جائے هٹ
حرکت اس کي تهي یوں غمزۂ چالاک کے ساتھ
رند جوں ایلڈ کے میخانے میں لیویں کروٹ
چتون اٹکھیاں بلا نرگس و جادو آنکھیں
آنکھ ایسی هے که دے برق کي چشمک کو اُلٹ
شوخی اس روپ سے اس تار نظر میں کھیلے
آتا جاتا هو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ
الغرض تھي جو اس اوصاف سے موصوف، اُس نے
اپنے مکھڑے، سے دوپٹے کے مسلسل کو اُلٹ
مجھ سے سر مکھ هو کہا، دولت بیدار هوں میں
خواب غفلت سے بس اب چونک گلے میرے لپٹ
مجلس آراستہ هے سالگرہ کی اس کي
جس کے هر لحظہ دعا دینے میں هے سب کو لٹ

یعنی وہ شاہ سلیماں کہ شکوہ اس کے سے
نیر حشمت و اقبال کو ہے چمکاہت
جشن شاہانہ ہے ' ہیں امرا حاضر وقت
اس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کی ہیں ٹھٹ ٹھٹ
ہے یہ دھڑکا دھل و کوس کی آوازوں سے
سینۂ گاو زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ
سنتے ہی میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ
شرف اندوز ہوا خدمت اقدس میں جھٹ

سالگرہ پادشاہ انگلستان

بگھیاں نور کی طیار کر اے بوئے سمن
کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانان چمن
عالم اطفال نباتات پہ ہوگا کچھ اور
گورے کالے سبھی بیٹھیں گے نئے کپڑے پہن
کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
بیٹھ کر جلوۂ کرسی پہ دکھاوے گا پھبن
شاخ نازک سی کوئی ہاتھ میں لے کر ایک کیمت
ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن
اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچۂ گل سب ہی وہاں کھولیں گے بوتل کے دھن
اہل نظارہ کے آنکھوں میں نظر آویں گے
باغ میں نرگس شہلا کے ہو آئے چتون

اور ھي جلوے نگاھوں کو لگیں گے دینے
اودي بانات کي کرتي ھے شکوہ سو سن
کہینچ کر تار رگ ابر بہاري سے کٹی
خود نسیم سحر آوے گی بجانے ارگن
نےنوازی کے لئے کھول کر اپني منقار
آ کے دکھلا وے گي بلبل بھی جو ھے اس کا فن
آئے گا نذر کو شیشہ کی گھڑي لے کے حباب
یا سمن پتوں کي شیشے میں چلے گي بن ٹھن
نکہت آوے گي نکل کھول کلی کا کمرا
ساتھ ھو لے گي نزاکت بھی جو ھے اس کي بہن
حوض صندوق فرنگی سے مشابہ ھونگے
اس میں ھو ویں گے پریزاد بھی سب عکس فگن
کیا تعجب ھے جو فواروں کي ھو سارنگی
رعد کے طبل بجیں ایسے کہ ھوں مست ھرن
ناچنے کو ھو کھڑي آن کے چیلا بسائي
چو کڑي بھولیں جسے دیکھ غزالان ختن
کوٹ کوٹ اس میں بھرا ھے یہ قدرت نے جمال
روشني مانگ لیں اس مکھڑے سے نسرین و پرن
یعني وہ رشک پري کہتے ھیں بجلي جس کو
تیرہ ھے جس کي جدائی سے جہاں روشن
ھے وہ نک سک سے درست ایسی کہ سبحان اللہ
بل بے دھج، بل بے اکڑ بل بے ترا متکا پن

(مثنوي ھجو پشہ)

مچھروں کو ھوا ھے اب کي یہ اوج
دب گئي جن سے مرھٹوں کی فوج

سوکھے سہمے ہیں کالے کالے ہیں
یہ بھی پر کوئی گھورے والے ہیں
ہیں تو پتہ میں صاف گھس آتے
اور لحافوں میں ہیں سما جاتے
ان کے بھنّانے کی ہے یہ آواز
تار جس سے کبھو نہ ہو دم ساز
نیش گو ان کی ریزے ریزے ہیں
جڑتے بھنکار کر یہ نیزے ہیں
ناک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل
پھونکتے ہیں یہ صور اسر فیل
ہے سیہ پھول کی کلی ان سے
سب کو ہے ایک بےکلی ان سے
کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں
نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں

مصحفی

شیخ غلام ہمدانی نام، امروہہ کے رہنے والے - ابتدائے جوانی میں دھلی گئے - مشہور عالم مولوی مستقیم سے درسیات پڑھے - دھلی قیام کے زمانہ میں ان کے گھر پر اکثر مشاعرے ہوتے تھے دھلی کی بربادی پر گھر سے نکلے - پہلے کشمیر پہونچے، شیخ قیام الدین قائم کے ذریعہ سے نواب محمد یار خاں کے دربار میں رسائی ہوگئی، انھوں نے ایک قصیدے کے صلے میں کچھ ماھانہ تنخواہ مقرر کردی - کچھ دنوں تک ٹانڈے میں خوش حالی سے زندگی بسر کرتے رہے - جب نواب محمد یار خاں کا زمانہ بدل گیا تو لکھنؤ گئے - وہاں سے دھلی اور دھلی سے پھر لکھنؤ پہونچے - لکھنؤ میں مرزا سلیمان شکوہ کے مصاحب خاص ہو گئے - مشق سخن ہر حالت میں جاری رہی اور ترقی کی طرف قدم بڑھتا گیا یہاں تک کہ ان کی استادی مسلم ہو گئی - اور شاعروں کے خلاف شیخ مصحفی کی طبیعت میں مسکینی اور حلم بہت تھا، اس لئے تمام شعرا ان کا ادب کرتے تھے -

"مصحفی" کی طبیعت میں ایسی جولانی اور روانی تھی کہ وہ کسی خاص رنگ یا مخصوص صنف کی پابند نہ تھی درد، سادگی، کثرت مضامین ان کے کلام کے خاص جوھر ھیں - قواعد زبان - اصول عروض اور صحت محاورات کا بہت خیال رکھتے تھے -

"میر" اور "سودا" کے بعد "مصحفی" کے مقابلے کا کوئی استاد نہیں گذرا

ان کے شاگردوں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ صرف لکھنؤ میں ان کی تعداد سیکڑوں تک پہنچ گئی تھی - جن میں سے بیشتر نامآور اور مشہور زمانہ ہوئے - ان میں " آتش "، " خلیق " ضمیر " اسیر " اپنی اپنی جگہہ خود استادان فن تسلیم کئے گئے اُردو کے اٹھ دیوان اُن کے تصنیف ہیں - لیکن وہ اب کمیاب ہیں ان کے چار دیوانوں کا انتخاب رام پور میں شائع ہوا تھا -

اس انتخاب کا انتخاب ذیل میں پیش کیا جاتا ہے - شیخ "مصحفی" نے ۷۹ برس کی عمر میں سنہ ۱۲۴۰ ھ میں انتقال کیا اور لکھنؤ میں سپرد خاک ہوئے -

انتخاب

نظارہ کروں دھر کي، کیا جلوہ گری کا
یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
کیا لطف مقام اُن کو جو مشتاق عدم ہیں
دل کوچ میں رہتا ہے ہمیشہ سحری کا
بندہ ہے ترا، "مصحفی" خستہ کو یارب
محتاج طبیبوں کي نہ کر چارہ گری کا

اگر اب کی بہار آئی تو ہم ان جامہ زیبوں کو
دکھائیں گے تماشہ دھجیاں کرکے گریباں کا
نہ ہم مرہم سے کچھ واقف نہ پھائے کو سمجھتے ہیں
ہمارے زخم پر احسان ہے تیرے نمک داں کا

بے رونقي سینہ میں ہے، اب کس کو دکھاؤں
داغوں سے بتوں کے کبھی گل زار یہي تھا
دامن کو کیا رشک چمن خوب ھي، شاباش
رونے کا حق اے دیدۂ خوں بار یہي تھا
کیوں قتل کیا "مصحفی" خستہ کو تونے
کیا چاہنے والوں میں گنہ گار یہي تھا

اور سب کچھ جہاں میں ملتا ہے
لیکن اک آشنا نہیں ملتا
شیخ کعبے سے اٹھ نکل باہر
گھر میں بیٹھے خدا نہیں ملتا
دل دیوانہ رات سے گم ہے
کہیں اس کا پتا نہیں ملتا

ہستی کا حساب کچھ نہ نکلا
جز عالم خواب کچھ نہ نکلا

صدقے اس مرغ گرفتار کے جواڑکے رہیں
پھر گیا دام کے جانب جو قفس سے چھوٹا

اس کی انکھوں کو نہ دیکھا مرے غم خواروں نے
جرم نظارہ عبث میری نظر پر رکھا
کیا کروں شکر ادا آپ کے آنے کا کہ رات
جو قدم آپ نے رکھا مرے سر پر رکھا

سو سو طرح کا حادثہ مجھ پر گذر چکا
تو اب تلک نہ اے دل بے تاب مرچکا

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر معشوق ہے
ہے تو بیداری مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا

جز آہ وہاں کوئی کرے کیا
کچھ بس نہ چلے جہاں کسی کا

سوتے ہی ہم رہ گئے افسوس ہائے
قافلہ یاروں کا سفر کر گیا
جادۂ شمشیر تھا یا کوئے یار
پاؤں کے رکھتے ہي وہاں سر گیا

سو جہانہ ہمیں خاک بھي کچھ بے بصري سے
یاں ورنہ ہراک ذرے میں خورشید عیاں تھا
رکھیو مجھے معذور تم اے قافلے والو
مانند جرس دل مرا لبریز فغاں تھا

نہ پوچھ عشق کے صدمے اُٹھائے ہیں کیا کیا
شب فراق میں ہم تلملائے ہیں کیا کیا
میں اس کے حسن کے عالم کي کیا کروں تعریف
نہ پوچھ مجھ سے کہ عالم دکھائے ہیں کیا کیا

خیال یار جو شب مجھ سے ہم کنار رہا
تمام شب میں اُسي کے گلے کا ہار رہا
تہ مزار ہماری ہوئیں نہ انکھیں بند
کہ مرکے بھي ترے آنے کا انتظار رہا

ملے نہ آکے کبھی ''مصحفی'' سے تم افسوس
اُمید وار تمہارا اُمید وار رہا

جو ہم سے وعدۂ دیدار یار ٹھہرے گا
تو کچھ نہ کچھ یہ دل بے قرار ٹھہرے گا
کرے گی تن کو بھی بے تاب، بے قراری روح
ہوا میں خاک یہ مشت غبار ٹھہرے گا
خدنگ خوردہ دل آگے سے اس کے جاتا ہے
بہ جز عدم نہ کہیں یہ شکار ٹھہرے گا
شتاب اٹھو ٹھہرا رکھیں گے ہم اس کو
جو دم لبوں پہ شب انتظار ٹھہرے گا

فسانہ اک طرف، شب ہائے ہجراں کی درازی کا
قیامت، ماجرا نالوں کی ہے ہنگامہ سازی کا

ہجوم گریہ زبس رات چشم تر میں رہا
نہ ایک قطرۂ خوں صبح تک جگر میں رہا

سمجھے نہ وہ مومن اور کافر
دل چاہئے اس کو ہر کسی کا

اب نہ فرہاد ہے نہ مجنوں ہے
رہ گیا عاشقوں کا افسانا

عالم ھمیں خوش آیا از بس کہ اس جہاں کا
آکر عدم سے بھولے نقشہ بھی ہم وہاں کا
اک جام مے کے خاطر پلکوں سے اپنی زاھد
جاروب کش رہا ھے ہر سوں دُرمغاں کا

آئینہ وہ دیکھتا ھے عکس آئینہ اُسے
حال کچھ کھلتا نہیں ھے ناظر و منظور کا
معنیٔ الحق یعلوا سب جہاں پر کھل گئے
دار پر جس وقت سر اونچا ھوا منصور کا

عمر آخر مٹ گیا داغ اس دل رنجور کا
صبح پیری میں اثر تھا مرھم کافور کا
کب کوئی سمجھے ساھے عاشق اس رخ پرنور کا
چاھئے موسے سا پروانہ چراغ طور کا

جلد آنہ ھوا وقت مری جاں شکنی کا
یہ وقت تو ظالم نہیں پیماں شکنی کا

اس مرگ کو کب نہیں میں سمجھا
ھر دم ' دم واپسیں میں سمجھا
سب خلق کی سر نوشت پڑہ لی
اپنا نہ خط جبیں میں سمجھا

مشکل ہے کتاب حسن تیری
سمجھا نہ کہیں، کہوں میں سمجھا

صدمے سو دل پہ ہوئے ہم نے نہ جانا، کیا تھا
واہ رے ذوق وہ الفت کا زمانا کیا تھا
عمر گھٹتی جو مری اس کا نہ تھا مجھ کو گلہ
اے فلک وصل کی شب تجھ کو گھٹانا کیا تھا
میں نے مانا کہ مصمم تھا تجھے قصد سفر
منھ پہ یہ بات، مرے سامنے لانا کیا تھا

خلل انداز ہوئی حسرت عاشق، ورنہ
غیر سے عہد محبت تو کئی بار بندھا

جنوں عشق جو مجھ سے نہ دشمنی کرتا
کبھی تو ہاتھ گریباں سے آشتی کرتا

کیا کہوں میں جو مزہ برش شمشیر میں تھا
لیک بے زخم ہی مرنا مری تقدیر میں تھا
کسی کوشش کسی تدبیر سے کیا ہونا تھا
پھر آیا وہی جو کچھ مری تقدیر میں تھا

سمجھے وہ مرغ خستہ، مرے اضطراب کو
سینے میں جس کی ٹوٹ کے پیکان رہ گیا

وائے وہ زخمی کہ سنبھلا اور سنبھل کر رہ گیا
مرغ بسمل کی طرح دو گام چل کر رہ گیا

اللہ رے ترے سلسلۂ زلف کی کشش
جاتا ہے جی اُدھر کو کھینچا کائنات کا

اے "مصحفی" بتوں میں ہوتی ہے یہ کرامت
دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

کیا فرض تھی طرف دیر و حرم کیوں جاتے
اس کے کوچے میں ہمیں عمر بسر کرنا تھا
تیغ قاتل کو عبث ہاتھ پہ روکا افسوس
"مصحفی" تجھ کو یہاں سینہ سپر کرنا تھا

طرفہ رونا ہے میں اس دیدۂ تر سے گذرا
چار ہی اشکوں میں پانی مرے سر سے گذرا
لذت زخم میں بے خود ہیں ہمیں کیا معلوم
آہ سینے سے کہ وہ تیر سپر سے گذرا

غم خوار مرا دل بھی تو اصلا نہیں ہوتا
ہنگام مصیبت کوئی اپنا نہیں ہوتا
کیا تیر لگی بخت مری اس میں ہے شامل
جو آج کی شب صبح کا تڑکا نہیں ہوتا

جذبۂ عشق دکھاتا جو اثر اے لیلیٰ
جانب وادی مجنوں رخ محمل ہوتا

نو بہار آتے ہی ہم نے قفس آباد کیا
نالے کرنا ہمیں منظور گلستاں میں نہ تھا

جس رات لبوں پر آرہا تھا
مرنے میں ہمارے کیا رہا تھا

ساقی شراب لایا، مطرب رباب لایا
مجھ پر تو اک قیامت عہد شباب لایا
اے ''مصحفی'' تو اب کیا منھ دیکھتا ہے پی بھی
لبریز کر کے ساقی جام شراب لایا

تمھیں اے ''مصحفی'' کیا ہو گیا ہے ہم سے سچ کہہ دو
یہ قصہ تم کہا کرتے ہو اب دو دو پھر کسی کا

ہاتھ خالی مرا دنیا میں جو بالکل ہوتا
تو بھی زاد سر راہ تو کل ہوتا

سوختہ جلتا ہے تب غم سے نہیں ضبط کی تاب
ہاتھ رکھتا ہے اسی واسطے دل پر اپنا

کیسی بہار میں کی طالع نے نارسائی
پر تک قفس سے اڑ کر گلزار تک نہ پہنچا

آدم کو سجدہ گہ ملایک بنا دیا
یہ رفتہ رفتہ مرتبۂ مشت گل ہوا
بیٹھا جو جم کے یار کے پہلو میں کل رقیب
دم رک گیا مرا کہ وہ چھاتی کی سل ہوا

کچھ یار کے دامن کی خبر پوچھ نہ مجھ سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریباں گیا تھا

منظور کب تھا کعبہ و بتخانہ دیکھنا
دونوں جگہ تھا جلوہ جانا نہ دیکھنا

آنکھ اپنی سوئے در ہی رہی رات دن لگی
نظروں میں جس سے وعدہ دیدار ہو گیا
ایسا ذرا غبار اگر میرے یار کے
وہ بھی تو درمیان میں دیوار ہو گیا

ہم نام ہی سنتے ہیں فقط مہر و وفا کا
آنکھوں سے کبھی مہرو وفا کو نہیں دیکھا

یاروں کی فقط جنبش دامن پہ نظر ھے
افسوس کہ اس جنبش پا کو نہیں دیکھا

ملنے سے میرے یار کو انکار ھی رھا
جب تک جیا میں وعدہ دیدار ھی رھا
فرصت کبھی نہ مجھہ کو گریباں دری نے دی
دست جنوں گلے کا مرے ھار ھی رھا

محشر کو تھا جو وعدۂ دیدار آپ کا
حاضر ھوا یہاں بھی گنہگار آپ کا
جس روز ھم کو سایۂ طوبیٰ میں جاملے
آئے کا یار سایۂ دیوار آپ کا

یوں آینئہ دل کو جو ھم گھور رھے ھیں
اس میں تری صورت نظر آتی ھے ھمیں کیا

کچھہ دیر ھے رھائی مرغ اسیر میں
جائے ابھی چمن سے نہ موسم بہار کا
دیکھو شبیہہ عاشق و معشوق کا ورق
گویا مقابلہ ھے خزاں و بہار کا

کیوں پھڑکتا ھے قفس میں اسے آزار ھے کیا
یہ تو پوچھو ھوس مرغ گرفتار ھے کیا

پائے پر آبلہ مرے یہ سمجھتے ہی ہیں
نوک نیزے کی کسے کہتے ہیں اور خار ہے کیا

گلی سے یار کے قاصد مرا شتاب آیا
جواب صاف ملا خط کا یہ جواب آیا

عالم ہے بت پرستی عاشق سے مطلع
جب سامنے خیال رخ آیا صنم ہوا

دیکھنا ! ضد تب رہا صیاد نے مجھ کو کیا
باغ سب تاراج جب باد خزاں سے ہو گیا

جو خوب رو ہے اس کو خریدار ہے ضرور
یوسف کو حسن بر سر بازار لے گیا
کنج قفس سے چھوٹ کے پہنچا نہ باغ تک
حسرت ہی دل میں مرغ گرفتار لے گیا

جس کی صورت آنکھ سے اوجھل کبھی ہوتی نہ تھی
اب اسی کا تشنۂ دیدار میں رہنے لگا

اے وائے آگیا مرے آرام میں خلل
خواب عدم سے کس نے یہ مجھ کو جگا دیا

تجھ سے نا چار ھیں اے مرگ ! وگرنہ ھم تو
قصد کرتے نہ کبھی زیر زمیں جانے کا

گرم سفر رھے' پر منزل کو ھم نہ پہنچے
آواز کی نے ھم کو ریگ رواں بنا یا

کنج قفس میں لطف ملا جس کو' وہ اسیر
چھوٹا بھی تو کبھی نہ سوئے آشیاں گیا
یاران رفتہ ھم سے منہ ایسا چھپا گئے
معلوم بھی ھوا نہ کدھر کارواں گیا

ھوا ھے دشمن جاں اب تو باغباں میرا
چمن میں رھنے نہ دے گا یہ آشیاں میرا

گردن تک آکے پھر گئی وہ تیغ آبدار
پیمانہ ھوکے عمر کا معمور رہ گیا

پھری سے ھوگیا ھے یوں دل کا داغ ٹھنڈا
جس طرح صبح ھوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

انگڑائی لیکے اپنا مجھ پر خمار ڈالا
کافر کی اس ادانے بس مجھ کو مار ڈالا

جب چل سکا نہ ہم سے بار گران ہستی
یہ بوجھہ سر سے ہم نے آخر اوتار ڈالا

افتادگان وادی غربت کی سر گذشت
کرتا ہے خود بیان لب خاموش نقش پا

عاشق کے نہ ملنے کا سبب کچھہ بھی تو ہوگا
منظور اسے لطف و غضب کچھہ بھی تو ہوگا

مہندی ہے کہ قہر ہے خدا کا
ہوتا ہے یہ رنگ کب حنا کا

ترے خیال کو بھی ہم نے شب نہ پہچانا
اگرچہ دیر تلک وہ دو چار ہم سے رہا

ہم اسیران قفس کو تب خبردی تو نے آہ
لٹ گئے جب باغ میں پھولوں کے خرمن اے صبا

دل تڑپ میں نہیں واقف ہے شکیبائی کیا
جان ہی لے گی ہماری شب تنہائی کیا
''مصحفی'' گوشے میں بیٹھا ہے جو خاموش سا آج
تیری تصویر کسی نے اسے دکھلائی کیا

روئے سے کام بس کہ شب اے ہم‌نشیں ! رہا
انکھوں پہ تابہ صبح ' سر آستیں رہا

یاران گرم رو تو سب آگے نکل گئے
اللہ رے ضعف ؛ ان سے میں پیچھے کہیں رہا

ہرگز ہوا نہ کام مرا ایک دن تمام
میں نیم کشتہ نگہ شرمگیں رہا

کیا میرے رنگ زرد کا چرچا ہے دہر میں
رنگ ایک سا کسی کا ہمیشہ نہیں رہا

کیوں جاؤں بار بار نہ اس درپہ "مصحفی"
کہنے میں میرے اب تو مرا دل نہیں رہا

سوز غم پنہاں سے دل اپنا جو بھر آیا
پر کالہ آتش تھا جو لخت جگر آیا

"مصحفی" یہ مرض غم ہے ' تو مر جاؤ گے
کچھ علاج دل بیمار کرو تم اپنا

جو اٹھ گیا فلک کے ستانے سے اُٹھ گیا
آسودگی کا حرف زمانے سے اُٹھ گیا

گو اب ہزار شکل سے جلوہ گری ہوئی
اپنا تو دل اس آئینہ خانے سے اُٹھ گیا

باقی نہ "مصحفی" کا رہا خاک بھی نشاں
نقش قدم کی طرح زمانے سے اُٹھ گیا

میں نے تو ترے عشق میں کیا کیا نہیں کیا
سب کچھ کیا یہ پر تجھے رسوا نہیں کیا

مجھے آتا ہے رحم اس طائر بے پر کی حسرت پر
کہ اُڑ سکتا نہیں اور ہے قریب آشیاں بیٹھا

بے نصیبی کا گلہ ہے کہ ہم اُس دم پہنچے
گر کے جب ہاتھ سے ساقی کے سبو ٹوٹ گیا

نظر آتا ہے کہ اک روز میں اس گلشن سے
خاک اڑاتا ہوا مانند صبا جاؤں گا

پردہ نہ اٹھایا کبھی رخسار سے اُس نے
تا زیست مجھے حسرت دیدار میں رکھا

تھی فکر اہل جرم میں کس کو کروں میں قتل
اتنے میں یاد اس کو مرا نام آگیا
افسوس ہے کہ ہم تو رہے مست خواب صبح
اور آفتاب حشر لب بام آگیا

دل میں کہتے تھے ملے یار تو کچھ اس سے کہیں
مل گیا وہ تو نہ اک حرف زباں سے نکلا

خوبان خوش خرام سے شکوہ یہ ہے کہ ہائے
کچھ دھیان بھی کیا نہ کسی پائمال کا

ہاتھ سے جب کہ ترا گوشۂ داماں چھوٹا
ایک ساعت نہ کشاکش سے گریباں چھوٹا

سب کو نامے میں لکھا اس بت کافر نے سلام
آئی نوبت جو مری، میں قلم انداز ہوا

کشش عشق نے لیلیٰ کو دکھائی تاثیر
آج مجنوں کی طرف ناقہ بہت تیز آیا

جدھر دیکھو ادھر چرچا ہے ان ہنگامہ سازوں کا
چلے قتلے کی کیا، یاں دور ہے دامن درازوں کا

جب آنکھ اس سے لڑ گئی مر مر کے ہم بچے
یعنی ہمیں نہیں ہے سزاوار دیکھنا

تو کرے ناز اگر حسن پر اپنے، ہے بجا
کہ بناکر تجھے خالق نے بہت ناز کیا

ہے یہاں کس کو دماغ ؟ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہئے تنہائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوض اپنے مدام
کس قدر یار کو غم ہے مری تنہائی کا

میں فقط بے صبر و طاقت ہجر میں اس کے نہیں
دل بھی اب بے طاقتی کو کام فرمانے لگا

ہم بھی بیٹھے ہیں سرراہ بنا کر تکیہ
جی میں آئے تو فقیروں سے ذرا مل لینا

ملنے میں کتنے گرم ہیں یہ ہائے دیکھنا
کشتہ ہوں میں تو شعلہ رخوں کے تپاک کا
اے باغباں نہ مجھ سے خفا ہو کہ اب چلا
اک دم خوش آگیا ہے مجھے سایہ تاک کا

کب سے کھلی ہیں آنکھیں مری ، انتظار میں
اے صبح منہ دکھا کہیں اے آفتاب آ

ہے تماشا کدۂ خلق ، مری خاک مزار
جی میں آئے تو ذرا تو بھی یہاں ہو جانا

کوچۂ عشق میں پرسش کی نہیں بات کوئی
سہل سی بات ہے ، یاں جی کا زیاں ہو جانا

یہی رہتا ہے ترے کوچے میں اندیشہ مجھے
کہ میں اس در سے اٹھوں گا تو کدھر جاؤں گا
جسطرح پیش نظر سارا زمانہ گزرا
میں بھی اک روز اسی طرح گزر جاؤں گا

اک جیب تھا سو نذر کیا تیرے اے جنوں
لاؤں کہاں سے اب میں گریبان دوسرا

غرض ہر وقت روتے ہی رہے ، ہم دل کے ماتم میں
نہ سوکھا ایک دن رومال اپنے دیدۂ تر کا

یا تو آگے دیکھ کر آئینہ شرماتے تھے تم
یا وہ اب تصویر سا پیش نظر رہنے لگا

انداز محبت کے کوئی سیکھ لے ہم سے
کہتے ہیں جسے عشق وہی فن ہے ہمارا

مرے جنوں پہ بہت تنگ ہے فضائے جہاں
مکان چاہئیے اس کو بڑی فراغت کا

اس اشک و آہ سے گر ، دل نہیں کھلتا تو گلشن میں
شمیم برگ گل اور قطرۂ شبنم سے کیا ہوگا

کسی مست کی نگی ہے مگر اس کے سر کو ٹھوکر
جو پڑا ہے میکدے میں قدح شراب اُلٹا

بیٹھنا پاس تمہیں غیر کے کیا لازم تھا
تم نے اتنا بھی کبھی پاس ہمارا نہ کیا

اگر درد دل میں یہ لذت ہے یارو
تو میں ان طبیبوں کے درماں سے گزرا

اک دم نہ رکا ہاتھ مرا جامہ دری سے
اک چاک نیا روز گریبان میں دیکھا

دیرو حرم میں آ تو کہ معلوم ہو تجھے
الفت نے تیری گبرو مسلماں سے کیا کیا

شمع پردے میں جلی تو کیا ہوا
ہم پہ سب احوال روشن ہوگیا
کس کے پلکیں شب خدنگ انداز تھیں
دل میں ہر تارے کے روزن ہوگیا

وہ عشق و ولولہ وہ شور ہاے و ہو نہ رہا
ہوئے ضعیف ادھر ہم، ادھر وہ تو نہ رہا

ہم آپ ہی کشتے ہیں، نہیں قتل کی حاجت
یوں جی میں جو آئے تو کوئی زخم لگانا

ان آہوں سے حجاب اس آسماں کا اٹھ نہیں سکتا
غضب یہ ہے کہ پردہ درمیاں کا اٹھ نہیں سکتا
ہم اس گلشن سے اک دن آشیاں اپنا اٹھائیں گے
دماغ اپنا تو ہم سے باغباں کا اٹھ نہیں سکتا

کعبہ و دیر میں ڈھونڈھے جو کوئی لے کے چراغ
تجھ سا کافر نہ ملے اور نہ مسلماں مجھ سا

اے "مصحفی" آیا نہ نظر صبح کے ہوتے
کیا تو بھی شب ہجر، چراغ سحری تھا

چین سا جاتا رہا ہے دل سے میں حیران ہوں
اس نے کل آنکھیں لڑائیں مجھ سے، یا جادو کیا

لے لے کے نام اس کی جفاؤں کا ' مصحفی "
هم آپ جل رہے هیں جلاتے شو هم کو کیا

آتش عشق سے شاید وہ هوا تها پیدا
شعلۂ برق جو باراں سے بجھایا نہ گیا

شب فراق میں ' میں آہ و نالہ کیا کرتا
زباں کو درد دل ابتدا ' حوالہ کیا کرتا
گو اس کے قدموں پہ اپنی نثار کرتا جان
تو وقت نزع اجل کو حوالہ کیا کرتا

کوئی یہ ساقی مجلس سے کہہ دو آئے ادھر
کبھی همارے بھی حصے میں دور ساغر کا

شب هجراں کی سیاهی نہ هوئی روز سفید
یہ ورق توڑے نہ اے گردش ایام الٹا

گو هم رهے سفر میں بھی تو کم فرصتی کے ساتھ
جیسے سرا میں رهتا هے انسان شب کی شب

میں خستہ تمام هو چکا اب جا درد کہ کام هو چکا اب
دیدار هو یا نہ هو غرض کیا اپنا تو سلام هو چکا اب

ابر رحمت ! میں توقع پہ تری آیا ہوں
دھو سیاھي کو مرے نامۂ اعمال سے خوب

ہونٹھوں پہ آرھی ھے یہ جاں انتظار میں
آنا ھے آپ کو تو کہیں آئیے شتاب

جس میں اک آدہ گھڑی تیرا تصور بندھ جائے
شب مہتاب سے ہم کو وہ شب تار ھے خوب

نالۂ صبح ! یہ کیا بے ادبي کرتا ہے
پایۂ عرش معلی کا ھلانا نہیں خوب

آنے کي تیرے کہہ کے صبا دل تو خوش کیا
قاصد نے گو کہ اپنے طرف سے بنائي بات

یہ میکدہ وہ ھے کہ نہ پھر ھوش میں آیا
جس نے کہ یہاں آ کے پیا جام محبت

روح کو اس تن خاکي میں ھو راحت کیوں کر
ھے فقط قید قفس مرغ گرفتار کے موت

افسوس آشیاں پہ مرے برق نہ پڑی
جب فصل گل میں میں نے کئے بال و پر درست
وا حسرتا کہ قافلہ یاروں کا چل چکا
ہم سے نہیں ہوا ابھی ساز سفر درست

خوشی کو کیا کوئی ڈھونڈھے کہ نام کو بھی نہیں
وہ ہوگئی ہے ہماری دیار سے رخصت

نالہ کھ اس باغ کی وہ بھی نہی
کون ہر ساعت کرے بلبل سے بحث

بیدار ہی ہے حسرت دیدار کا علاج
محشر پہ اٹھ رہا ترے بیمار کا علاج

آئینہ ہو جو الگ یار سے اتنا میں کہوں
سامنے رہنے دے تو بیچ میں دیوار نہ کھینچ

جنبش میں ہے وہ ابروئے خم دار بے طرح
چلتی ہے آپی آپ یہ تلوار بے طرح

بہار آئی خبر لے ان کی صیاد
قفس میں ہیں جو کچھ بے بال پر بند

بتو ! کاڑھ سے پلکوں کي تمھاري
ھے یاں رگ رگ میں مھرے نیشتر بند
تری بالھں پہ بیٹھا ھے مسیحا
ابھي اے "مصحفي" آنکھیں نہ کر بند

کیا غم مجھے صیاد ! قفس کا ھے جو در بند
اڑ جاؤں قفس لے کے‘ اگر مھں نہ ھوں پر بند

پھر گئیں ھم سے یار کی آنکھیں گردش روز گار کے مانند

شاید کہ جل کے سینہ میں دل خاک ھوگیا
جھڑتي ھے جو مري نفس واپسیں سے گرد

شتاب ذبح کر اب کیا‘ درنگ ھے صیاد
کہ جان میری اسیري سے تنگ ھے صیاد

نہ ھوئي شاد تري خاطرغمگیں فرھاد
دل پہ کیوں نقش نہ کی‘ صورت شیریں فرھاد

صانع نے ھاتھ سے قلم صنع رکھ دیا
اس حسن لا زوال کی تصویر کھینچ کر

خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ رحشي مجھ کو
"مصحفي" میں تو اسے حال چلا دکھلا کر

مٹھ اٹھ گیا جدھر کو ادھر ھی چلے گئے
آوار گان عشق کو منزل کی کیا خبر
شمع شب فراق بنے ھم تو "مصحفی"
ھم دل جلوں کو عیش کی محفل کی کیا خبر

ڈرتا ھوں میں سینۂ کہیں پھٹ جائے نہ تیرا
اے "مصحفي" اس طرح نہ فریاد کیا کر

بڑہ کے اک دم سے نہیں گلشن ھستي کی بہار
اس سے تو سیر گلستاں عدم ھے بہتر

عجب ڈھنگ ظالم کي آنکھوں کا دیکھا
نظارا فلک پر اشارا زمیں پر

کیا گردش فلک کا گلہ ھے کہ لے گئي
ھم کو تو تیري چشم کی گردش وطن سے دور

کافر سمجھے نہ کہیو اے مومناں صادق
کرتا ھوں بت کو سجدے میں تو خدا سمجھ کر

شوخي میں تیري چشم کی بجلی کے ھیں یہ ڈھنگ
گا ھے نظر زمیں پہ کبھے آسماں پر

چین سے کیا زمیں پہ بیٹھیں ھم   سر پہ یہ آسمان ھے کافر

ساتھ پیکاں کے نکل آیا جو دل لپٹا ھوا
یار پچھتایا مرے سینے سے پیکاں کھینچ کر

خاتمہ حسن حسیناں کا ھوا ھے تجھ پر
تب تو صانع نے بنائی تري تصویر آخر
''مصحفي'' یار کے ملنے سے نہ ھو ناأمید
یہي نالے ھیں تو دکھلائیں گے تاثیر آخر

جی تو بھر آتا ھے میرا ضبط سے اے ''مصحفي''
اور حیا رونے نہیں دیتی مجھے دل کھول کر

شمع کے پاس جو آنے نہیں دیتي فانوس
گرد پروانے پھرا کرتے ھیں باھر باھر

کاھں کے وہ بھی ھمارے سامنے ھی ھو چکیں
گردشیں باقي ھیں جتنی چرخ زنگاري میں اور

اس طرف ہم ہوں گے رخصت' اس طرف تو جائیو
کاٹ لے اے شمع اک شب گریہ‌وزاری میں او

آسودگان خاک کی عالم کی سیر کر
کیا چپ پڑے ہیں مجلس ماتم کی سیر کر

یاد آتا ہے جس وقت وہ پیارا ترا نقشہ
روتا ہوں گلے سے تری تصویر لگا کر

قاتل سے یہ کہو کہ تماشے کا وقت ہے
جاتا ہے کوئی چھوڑ کے بسمل کو بے قرار
ملنے کو اس کے کیا کہوں کل اس نے "مصحفی"
دو باتیں کر کے اور کیا دل کو بے قرار

عجب کیا کام ہے قدروں سے نکلے' گر امیروں کا
رفوے شال ہے موقوف اک ادھی کی سوزن پر

ہے مری خاک بگولے کی طرح چکر میں
دست‌بردار نہیں گردش افلاک ہنوز
یار مل جائے گا اتنی بھی نہ بے صبری کر
ابتدا عشق کی ہے اے دل صد چاک ہنوز

نعش پر نعش چلی آتی ہے اس کوچے میں
بر سر رحم نہیں غمزہ سفاک ہنوز

اس کے ہاتھوں سے کہاں جاؤں کہ یہ جوش جنوں
دست بردار نہیں میرے گریباں سے ہنوز

بے ڈنگی ہے اس کی ملاقات میں ہنوز
وا حسرتا نہ فرق ہے دن رات میں ہنوز

شاید نہیں ہوئی مری حاجت روا، ہنوز
سوے فلک دراز ہیں دست دعا ہنوز

بادل سے برستے ہیں مرے دیدہ تر روز
ساون کا مہینہ ہے ترے ہجر میں ہر روز

قصہ عشق ہے وہ طول و طویل جس کا انجام ہے نہ کچھ آغاز

یار کرتا نہیں نگاہ افسوس چشم پوشی سے اس کی آہ افسوس
"مصحفی" تیغ ناز خوباں سے ہو گیا قتل بے گناہ افسوس

ہم اسیران قفس لطف چمن کیا جانیں
کون لے جاتا ہے ہم کو گل و گلزار کے پاس

یہی یہ روگ لگ گیا ہم کو
ساتھ لائے نہ تھے عدم سے غرض

وہ دن گئے کہ پیتے تھے جام شراب سرخ
اپني معاش خون جگر پر ہے اب فقط

تو ادھر جاتا ہے اور ہے روح کي رخصت ادھر
کچھ تو کہہ لے مجھ سے اے آرام جاں وقت وداع

قصۂ عاشق رہا موقوف شب ہائے دگر
کر گئی اپنا بیاں اک رات میں افسانۂ شمع

دل میں روشن ہے جو یارب داغ فرقت کا چراغ
صبح محشر تک نہ ہو گل یہ محبت کا چراغ
بے نشاں اب ہوگیا ہوں ' میں رگر نہ پیش ازیں
یار کا نقش قدم تھا میري تربت کا چراغ

شعلہ اس کا منحصر خون لاکھ پروانوں کا تھا
دیکھتا گر ڈال کر منھ کو گریباں میں چراغ

تیر افگن ہیں ستارے ہجر میں دل پر مرے
بخت نے اس کو بنایا ہے نشانے کا چراغ

جب کر چکا تمام تو حیران رہ گیا
نقاش دیکھ کر تری تصویر کی طرف
کھنچتا ہے ہر کشش میں کماں‌دار؛ دل مرا
دیکھوں کمان کو کہ ترے تیر کی طرف

گردش تمہارے چشم کی دیکھیں کدھر کدھر
تکتی ہے ساری خلق اِسی جام کی طرف

کام بے گانے سے کچھ اس کو نہیں
آشنا سے آشنا ہوتا ہے عشق
ماجرائے عشق تو مجھ سے نہ پوچھ
سخت کافر ماجرا ہوتا ہے عشق

یہ اس کے حسن کی نیرنگیاں ہیں
تکلف برطرف کیا حسن کیا عشق

" مصحفی " جاکے میں گلزار میں ناشاد آیا
نہ ہوئی نکہت گل سے بھی ہوا داری دل

ہے گرفتاری دل باعث بیماری دل
ہوں نہ بیمار اگر ہو نہ گرفتاری دل

"مصحفي" اس کو میں سر گرم وفا پاتا ہوں

اُن دنوں کچھ تو ہوا ہے اثر زاري دل

کیا کریں جاکے گلستاں میں ہم

آگ رکھ آئے آشیاں میں ہم

جان و جاناں میں کوئي فرق نہیں

ایک پردہ ہیں درمیاں میں ہم

کبھي کام اپنا کسي سے نہ نکلا　　بہت خلق کی التجا کرچکے ہم

بے نام و نشاں بہت رہے ہم　　پردے میں نہاں بہت رہے ہم

شب گھر سے وہ ماہ رو نہ نکلا　　در پر نگراں بہت رہے ہم

پیدا کیا ہر ایک کو اک کام کے لئے

اس کو جفا سے کام ہے مجھ کو وفا سے کام

چھپوتا ہے کیا ؟ نہ دکھلا آئینہ　　اپني صورت سے خفا بیٹھے ہیں ہم

جتنا کہ ہمیں خوار یہ رکھتا ہے شب و روز

اتنے تو گنہ گار زمانہ کے نہیں ہم

ہوجائیں گے پامال گذر جائیں گے جی سے

پر، سر ترے قدموں سے اٹھانے کے نہیں ہم

مرجائیں گے اے باد صبا دور چمن سے
پر تیری طرح خاک اڑانے کے نہیں ہم

ہر طرح تیرے ہی ہیں جو کچھ بھی ہیں
آشنا ہیں خواہ بے گانے ہیں ہم

مرجاؤں کہ جیتا رہوں میں ہجر میں تیرے
کس جرم کا خواہاں ہے مرا دل، نہیں معلوم
وہ بحر ہے دریاے سرشک اپنا کہ جس کا
ملاح تو کیا نوح کو ساحل نہیں معلوم

شمع آسا قصہ سوز دل اپنا ہے دراز
صبح کردیں گر کبھی چھیڑیں اس افسانے کو ہم

یاں خبر لینے کو آیا ہے مسیحا میری
اور اب تک ہے وہاں بے خبری کا عالم

تصدق کھینچتے ہیں بس اس گلستاں میں ہم
ہے دل میں ایک دن نہ رہیں آشیاں میں ہم

کیوں جائے نہ بے پوچھے ہوئے "مصحفي" اس پاس
ناداں کو رہ و رسم ادب کچھ نہیں معلوم

ہر دم کو سمجھتے ہیں دم باز پسیں ہم
دنیا میں مسافر ہیں، نہیں کوئي مکیں ہم
پہلا سا مزا اب نہ رہا عشق کہن میں
پھر دل کو لگا لیں گے نئے سر سے کہیں ہم
گر دیدۂ تحقیق سے اے "مصحفي" دیکھیں
ہیں ہر طرف اس آئنہ خانے میں ہمیں ہم

ہے بر خلاف سارا زمانہ تو کیا ہوا
کي بخت نے مدد تو وہ دل بر ہے اور ہم
دل نذر ایک یار پري‌وش کو کر چکے
اے "مصحفي" اب آگے مقدر ہے اور ہم

اس کے بدن سے حسن ٹپکتا نہیں تو کیوں
لبریز آب و رنگ ہے یہ پیرہن تمام

مرغان باغ میں مرے نالے کا شور ہے
ہر چند میں ابھي نفس نا کشیدہ ہوں

کہا گرم اختلاط کسي سے ہوں "مصحفي"
فرصت ہے زندگي کی' بہ‌قدر شرر ہمیں

حیراں ہوں اپنے کام کی تدبیر کیا کروں
جاتی رہی ہے آہ سے تاثیر کیا کروں
دل مانگتا ہے مجھ سے، مجھے بھي نہیں ہے عذر
اتني سی چیز ہے اسے دل‌گیر کیا کروں
بے دیکھے اس کے مجھ کو تسلی نہیں ذرا
نقاش اس کی لے کے میں تصویر کیا کروں،

ہمارے طرف آپ کم دیکھتے ہیں
وہ آنکھیں نہیں' اب جو ہم دیکھتے ہیں

تارے گن گن کے "مصحفی" کاٹی
سب شب انتظار آنکھوں میں

فلک جب کسی کو ہنساتا ہے مجھ پر
میں ہنس کر فلک کي طرف دیکھتا ہوں

نہ بیٹھو ابھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر
کماں ہاتھ میں لو نشانے بہت ہیں

اُٹھ اے "مصحفی" کیا یہی در ہے تجھ کو
پٹکنے کو سر آستانے بہت ہیں

هستي کو مري هستئي عالم نہ سمجھنا
هوں هست مگر هستئي عالم سے جدا هوں

دشمن جاں هوے هیں عالم کی
وہ جو اک مہرباں همارے هیں
" مصحفي " آنسوؤں پر اتنا ناز
ایسے کیا عرش کے یہ تارے هیں

خوش رهو بے سبب خفا هو اگر
اے بتو تم مرے خدا تو نہیں

کچھ ڈر نہیں منزل پہ پہنچ جائیں گے هم بھی
گو راہ ابھی دور هے جی کاهے کو هاریں
قصد اپنا تو هے " مصحفی " بت خانے کی جانب
جاتے هوں جو کعبے کو وہ کعبے کو سدهاریں

دو چار قدم جاکے پھر آتے هیں همیشہ
رهتا هے نیا روز سفر اس کی گلی میں

کبھی بہار کبھی ہے خزاں زمانے میں
ہمیشہ کون رہا ہے جواں زمانے میں

مرگئے کیا سبھی زنداں میں ترے دیوانے
آج کل نالۂ زنجیر کی وہ دھوم نہیں

ہم اپنے ساتھ لے کے چلے ہیں یہ کارواں
سو آرزوئے کشتہ ہمارے کفن میں ہیں

جان دینے میں اضطراب ہے کیا لیجئے مہربان دیتے ہیں
لاکھ چاہا زمیں پہ بیٹھ رہیں چین کب آسمان دیتے ہیں

چھٹ گیا اپنا گریباں جب سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں

"مصحفی" آج تو ساقی کی خوشامد ہے ضرور
بھر کے لایا ہے مئے بے خبری شیشے میں

آ کے کوچے میں ترے دل کی تسلی کے لئے
روزن در ہی سے ہم آنکھ ملا جاتے ہیں

کبھی پردے سے جو وہ آنکھ لڑا جاتے ہیں
نہیں دیکھا ہے جو جلوہ وہ دکھا جاتے ہیں

"مصحفي" درد محبت هو نہاں کیا دل میں
یار تو بات کے انداز سے پا جاتے هیں

جیتا رهوں که هجر میں مر جاؤں کیا کروں
تو هي بتا مجهے میں کدهر جاؤں کیا کروں

جس طرح سب جہان میں کچهه هیں
هم بهي اپنے گمان میں کچهه هیں
هم بهي اس انقلاب عالم سے
اُن میں کچهه هیں اُن میں کچهه هیں

خوف آتا هے مجهے ' هے یه زمانه الٹا
هو کے بجلي نه پڑے مجهه په مري آه کہیں

نزدیک اپنے شوق کي منزل هے دو قدم
تیزي جو پاؤں میں هو تو راه اس قدر نہیں

دست وپا کیا کوئي جاں باخته مارے اس میں
بحر الفت کو جو دیکها تو کنارا هي نہیں

هے مئے گلگوں کي تهري ایه گلابي ' هاتهه میں
یادل پر خوں هے مهرا اے شرابي هاتهه میں

دل کي بے تابي سے حالت ہے یہ میري اس سال
کہ قفس کو بھي لئے ساتھ اڑا جاتا ہوں
فائدہ اور تو اس کوچے میں آنے کا نہیں
نقش پا سے فقط آنکھیں تو ملا جاتا ہوں

اشک جس وقت کہ مژگاں پہ رواں ہوتے ہیں
دل کے جوہر مري آنکھوں سے عیاں ہوتے ہیں

ہرشب، شب فراق میں، کہتا ہوں میں یہی
اس شب بچوں تو صبح مداواے دل کروں

رہروان سفر بادیۂ عشق اے وائے
قافلہ راہ میں لٹوا کے چلے آتے ہیں

سیر جہاں سے ہم کو خبر ہے بھی اور نہیں
اک واہمہ‌سا پیش نظر ہے بھي اور نہیں
انجام کیا ہو اس شب ہجراں کا دیکھئے
طالع سے تو امید سحر ہے بھي اور نہیں
گم گشتگاں بادیۂ عشق کے لئے
ریگ رواں کي طرح سفر ہے بھي اور نہیں

انس کہتے ہیں جسے پھرو جواں میں وہ نہیں
وہ جو اک چیز محبت ہے جہاں میں وہ نہیں

دیکھتا تھا خواب میں اس کا میں داماں ہاتھ میں
کھل گئی جو آنکھ تو پایا گریباں ہاتھ میں

کہا ''مصحفی'' میں روؤں یاروں کی صحبتوں کو
بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

نے محرم چمن، نہ شناسائے باغ ہیں
ہم اپنے اس نصیب کے ہاتھوں سے داغ ہیں

عالم مکاں کا اور سے کچھ اور ہو گیا
تم آئے قسمتیں درو دیوار کی پھریں

مرنا پڑا ہے مجھ کو زمانے کے رشک سے
لاکھوں ہیں اس کے طالب دیدار کیا کروں
اِنکار کفر عشق حمیت سے دور ہے
اب تو گلے پڑا مرے زنار کیا کروں

زباں بریدہ سے اے ہم صفیر ہم بھی ہیں
جہاں ہیں اور قفس میں اسیر، ہم بھی ہیں

ہم صفیران چمن کی انہیں حاجت کیا ہے
زمزمے کرتے ہیں جو پردۂ خاموشی میں

اس کے چتون کي شرارت سے عیاں ھوتا ھے
تیري تصویر مجھے پاس بلانے کي نہیں

ھم گرفتاربلا جی سے گذر جائیں کہیں
اس سے بہتر ھے ترے غم میں کہ مر جائیں کہیں
زیر دیوار چمن ذبح مجھے کر صیاد
شاید اڑتے ھوئے یاں سے مرے پر جائیں کہیں

مجھ کو کیا کام کہ اس کوچے میں جاؤں اے دل
تو گرفتار ھے کچھ میں تو گرفتار نہیں

خوبرو گر دل بیمار کا چارہ نہ کریں
منع کا بھی تو طبیبوں کو اشارا نہ کریں
مصلحت ھے کہ ترے در کي سنگھائیں مٹي
غش میں آئیں تو ھمیں لوگ پکارا نہ کریں

کچھ تو ملتا ھے مزا سا شب تنہائی میں
پر یہ معلوم نہیں کس سے ھم آغوش ھوں میں

یا خدا بے چین ھیں سب عالم ایجاد میں
کوت کر اتنا اثر بھرنا نہ تھا فریاد میں

دل ایک قطرۂ خوں ' کوہ عشق بار گراں
تحمل اس کا کرے آدمی کا کام نہیں

کھاتا ہوا زمین پہ چکر پھرا ہوں میں
گردش میں آسماں کے برابر پھرا ہوں میں

از بسکہ اشک سرخ سے رنگیں ہیں پتلیاں
اپنا قفس بھي ہم کو کم از گلستاں نہیں

مذہب عشق کا عالم ہی جدا ہے ' ہم کو
کافروں میں کوئی گنتا ہے نہ دیں‌دار ہمیں

غیبت میں بھی تصور تلتا نہیں ہے اس کا
شب ہائے ہجر میں بھی ہم اس کے رو بہ رو ہیں

شغل یہ ہاتھ اسیروں کے نیا آیا ہے
ذکر بے رحمي صیاد کیا کرتے ہیں
تیری تصویر سے بہلاتے ہیں ہم دل اپنا
دل نا شاد کو یوں شاد کیا کرتے ہیں

ہم جن بتوں کے خاطر زنار باندھتے ہیں
وہ قتل پر ہمارے ' تلوار باندھتے ہیں

بیدار ہیں طالع انہیں لوگوں کے جو ہرگز
پاؤں پہ ترے رکھ کے سر اپنا نہ اٹھائیں

رنگ رونے کا ' ہم اس شوخ کو دکھلادیں گے
آکے چمکا جو کرتی لخت جگر آنکھوں میں

"مصحفی" شہر سے دل سخت بہ تنگ آیا ہے
قصد ہوتا ہے کہ اب چل کے بیاباں دیکھوں

نہ ہر دم ہر گھڑی اس ذلت وخواري پہ روتا ہوں
میں ہوں آزردہ دل اپنی گرفتاري پہ روتا ہوں

اس کا پیچھا چھوڑتا ہے یہ دل بسمل کہاں
ہاتھ سے جاتا ہے اپنے دامن قاتل کہاں
میرے رہنے کي جگہ یہ ہستي فانی نہیں
چھوڑ کر مجھ کو گئي یہ ہستي باطل کہاں

نہ طاقت ہے کہ اُس کي بزم سے اٹھ کرمیں گھر جاؤں
نہ مقدور اس قدر مجھ کو کہ قرباں ہو کے مر جاؤں
ترحم ہے ضرور اے باغباں احوال پر میرے
بھلا اڑ کر کہاں گلشن سے میں بے بال و پر جاؤں

دیکھا جو اس کو غش کیا ، اب کیا مرے دل کو خبر؟
ساقی کجا! مے کس طرف؟ مجلس کدھر؟ جاناں کہاں؟

کیا جانیئے چمن میں کیا تازہ گل کھلا ہو
آئے تھے آگ رکھہ کر ہم اپنے آشیاں میں

تھوڑی سے قید بھي هے نازک تنوں کو زنداں
فریاد کر رها هے حسن اس کا پیرهن میں

یاس سے دیکھہ رها هے جو رخ قاتل کو
کچھہ تو ملتا هے مزا تیغ تلے بسمل کو

اے "مصحفی" اک طرفہ خطا مجھہ سے هوئي هے
روٹھا هوں میں جس سے وہ مناتا نہیں مجھہ کو

گل پوش وہ آئے هیں جلانے مرے دل کو
لو اور لگے آگ لگانے مرے دل کو
پیری میں بھي باقي هے حسینوں کی محبت
اک روگ لگایا هے خدا نے مرے دل کو

اس نور تجلی میں هیں، سب برق کے انداز
سو بار کرے جلوہ تو سو بار نہاں هو

لا اے صبا اڑا کے کوئی برگ گل ادھر
تسکین طایران گرفتار کچھ تو ہو

آئی بہار حسرت دل اب نکال دو
بلبل پھڑک پھڑک کے قفس توڑ ڈال تو
فتنے سے کہہ رہی ہے تری شوخئے خرام
میں سیر کو چلوں مرا دامن سنبھال تو

نہیں افلاس میں اب کوئی شناسا میرا
رنج غربت نظر آتا ہے وطن میں مجھ کو

آپ آئے ہیں ہمیں رخصت اگر کرنے کو
ہم بھی آمادہ ہیں دنیا سے سفر کرنے کو

ہم کہاں اور تماشائے رخ یار کہاں
حوصلہ چاہئے کچھ اس پہ نظر کرنے کو
زہر کا جام پلانے سے ہمیں کیا حاصل
اک نگہ کافی ہے سو ٹکڑے جگر کرنے کو
"مصحفی" یوں تو سبھی شعر و سخن کہتے ہیں
چاہئے لطف سخن دل میں اثر کرنے کو

اے شوق سفر اس کی خبر ہم کو بھی کرنا
گر یاں سے کوئی قافلہ جاتا ہو کہیں کو

سرگشتہ میری طرح جو رہتا ہے آسماں
ڈر ہے مجھے کہ اس کو تری جستجو نہ ہو
تیرے ہی ذات سے تو ہے وابستہ یہ طلسم
ہستی کہاں ہماری اگر ہم میں تو نہ ہو
مارے حیا کے خاک ہی میں تو تو مل گیا
اتنا بھی "مصحفی" کوئی بے آرزو نہ ہو

اے دل کہاں تلک یہ گراں جانیاں تری
چل دور ہو کہیں مری چھاتی کی سل نہ ہو

یہ کس نے مرے حق میں دعا کی تھی الٰہی
عاشق ہو تو اس کی نہ شب ہجر سحر ہو

ساتھ لے جائے کہاں عشق کی رسوائی کو
گور بھی تنگ ملی ہے ترے سو دائی کو
اپنے کوچے سے قدم پھر نہیں بڑھنے دیتی
حیرت حسن تری پائے تماشائی کو

تختہ ہو چمن کا، مرا ہر تختۂ دامن
دامن میں اگر جمع کروں لخت جگر کو

حلقۂ بزم کی زینت تو رہی ہے تم سے
تم جہاں بیٹھے ہو مانندنگیں بیٹھے ہو

اے ناصحو کچھ فکر کرو چاک جگر کی
بیہودہ مرے چاک گریباں کو نہ چھیڑو
رہنے دو پڑا "مصحفی" خاک بہ سر کو
اس غمزدۂ بے سرو ساماں کو نہ چھیڑو

کہتا ہے یہی تجھ سے ترا حسن ہمیشہ
اے برق جہاں سوز کہیں پردہ نشیں ہو
گہ دیر میں جاتا ہوں، گہ آتا ہوں حرم میں
پر دل کی تسلی نہ یہیں ہو نہ وہیں ہو

میں تو سمجھوں گا جو سمجھاتے ہو مجھ کو ناصحو
لیکن ان دزدیدہ نظروں کو بھی سمجھایا کرو

ہم سے کیامنھ کو چھپائے ہوئے تم جاتے ہو
ہم نے پہچان لیا منھ نہ چھپاؤ جاؤ

دل تو بہت قریب ہے کر لیں گے سجدہ ہم
کعبہ جو ہم سے سیکڑوں فرسنگ ہے تو ہو

پردہ اٹھے یا نہ اٹھے اس کے چہرے سے، مگر
یہ حجاب چشم، یارب! درمیاں سے دور ہو

یاد آئی جو تری زلف پریشاں، مجھ کو
صبح تک نیند نہ آئی شب ہجراں مجھ کو
میں جو کچھ ہوں سو ہوں، کیا کام ہے ان باتوں سے
کوئی کافر کہے یا کوئی مسلماں مجھ کو

روٹھ کر بیٹھ رہوں میں وہ منانے آئیں
کاش اتنا مجھے مقدور شکیبائی ہو

علاج دل کا مرے ہے اگرچہ صبر و شکیب
میں کیا کروں جو مرا دل پر اختیار نہ ہو
چلا ہے شوق مجھے لے کے آج اس کی طرف
بڑا مزا ہو اگر دریہ پردہ دار نہ ہو
گلی گلی ہے مرا اب تو "مصحفی" چرچا
کسی کا راز نہاں یارب آشکار نہ ہو

کیا "مصحفی" میں سعی کروں روز گار میں
تقدیر گھونٹتی ہو جو تدبیر کا گ

دل نہ سمجھو کہ فرشتوں نے جلانے کے لئے
رکھ دیا ہے مرے پہلو میں اک انگارے کو

کب تک شب فراق میں دل درد مند ہو
یارب شتاب صبح کا تارا بلند ہو

ایسا نہ ہو کہ اس میں پڑ جاے پیچ کوئي
انگڑائي لے کے ناحق بل دیتے ہو کمر کو

خون ناحق ہوں، وہ کس طرح سے کھوئے مجھ کو
رہوں گردن پہ میں، دامن سے جو دھوے مجھ کو

رہا ہے گل سے افزوں بیم تاراج خزاں مجھ کو
بنانا ہي نہ تھا ایسے چمن میں آشیاں مجھ کو
میں تھا ہمدرد اس کا پاس مجنوں ہي کے لے جاتا
اگر لیلی کے ناقے کا بناتے ساربان مجھ کو
نکا ہوں میں بہار گل کو میں تو، لوٹ لیتا ہوں
بھلا کیا رخصت سیر چمن دے باغباں مجھ کو
پڑا ہوں شاخ سے گر کر میں برگ زرد کي صورت
خدا جانے کہاں لے جائے اب باد خزاں مجھ کو

رہا کچھ آسرا رستہ میں منزل پر پہنچنے کا
نظر آتی رہی جب تک کہ گرد کارواں مجھ کو

باغباں ہم سے تو آزردہ عبث ہوتا ہے
کرنے آئے ہیں فقط سیر گلستاں ہم تو
اب کی گر فصل گل آئے تو پے نذر جنوں
گل سے مانگیں گے نیا چاک گریباں ہم تو

شاید اس کے حسن میں باقی ہے آرایش ہنوز
روز محشر پر جو رکھا وعدۂ دیدار کو
یہ جوانی کھو کے' یوں پیری میں غفلت بڑھ گئی
صبح کو آتی ہے جیسے نیند شب بیدار کو

زلف کا بوجھ یوں کمر پہ نہ ڈال
زلف کو دیکھ اور کمر کو دیکھ
اس قدر بھی بلند پروازی
اے پتنگ اپنے بال و پر کو دیکھ
"مصحفی" یہ ستم نہ کر ناداں
خط نہ دے اپنے نامہ بر کو دیکھ

جاتا ہے لئے اشک مرے لخت جگر کو
اور مجھ سے یہ کہتا ہے مرے نامہ بری دیکھ

آنکھ ان کو نہیں ' شناخت کہاں
لوگ کچھ سمجھے ہیں، خدا ہے کچھ

صحبت ہے ترے خیال کے ساتھ
ہے ہجر مگر وصال کے ساتھ

شیخ تو کعبہ کو جا! جاؤں میں بت خانے کو
کہ تری راہ ہے وہ اور مری راہ ہے یہ
"مصحفی" سے جو یہ کہتے ہو کہ اُٹھ جا در سے
اٹھ کے جائے گا کہاں بندۂ درگاہ ہے یہ

جو آشنا ہے اس سے ہے نا آشنا وہ شوخ
اور آشنا اگر ہے تو نا آشنا کے ساتھ

ساقی! گلے میں اس کے، مرے ہاتھ ڈال دے
اور نام اس شبیہ کا رکھ پیار کی شبیہ

نہ یار ھے ' نہ کوئی آشنا ھے ' میرے ساتھہ
خدا کے ساتھہ ھوں میں اور خدا ھے میرے ساتھہ

زمانے کا چلن یکساں نہیں کچھہ
کہیں کچھہ ھے ' کہیں کچھہ ھے ' کہیں کچھہ
مرا جی تو بھلا بہلے کوئی دم
اسی کا ذکر کر اے ہم نشیں کچھہ
غرض دونوں جہاں سے ھم ھیں آزاد
غم دنیا نہ ھم کو فکر دیں کچھہ
اگر اے "مصحفی" ھو قصد تیرا
تو دور اتنا نہیں عرش بریں کچھہ

نہ شریعت، نہ طریقت، نہ حقیقت، نہ مجاز
کون کافر مجھے کہتا ھے مسلمان ھے یہ

آنکھیں نہ چرا مجھہ سے مری جان ادھر دیکھہ
اے میں تری ان آنکھوں کے قربان ' ادھر دیکھہ

مرگئے پھر بھی ھیں کھلی آنکھیں
اپنے عاشق کا انتظار تو دیکھہ
مجھہ کو کیا دیکھتا ھے قتل کے بعد
اپنی شمشیر آبدار تو دیکھہ

روز کي خارا تراشي سخت مجبوري هے يه
عاشقي کاهے کو هے فرهاد ! مزدوري هے يه

رات آگیا کدھر سے یه کمبخت محتسب
سینے میں میرے دل کو بھي توڑا سبو کے ساتھ
قربانیاں عهد کے همت کا هوں غلام
کرتے هیں سر کٹا کے مروت عدو کے ساتھ

داغ جگر سوخته میرے جو یه هیں
چمکیں گے شب گور میں انجم سے زیادہ

نامه بهیجا جو اُسے اس نے اڑائے پرزے
دیکھئے هے ابهی قسمت میں لکھا کیا کیا کچھ
کان رکھ کر تو ذرا "مصحفی" اکبار تو سن
آتی هے دل کی دهڑکنے کي صدا کیا کیا کچھ

کل سوئے غیر اس نے کئي بار کي نگاه
لاکھوں میں سچ هے چھپتي نهیں پیار کی نگاه

مل گئے خاک میں ایسے که نشاں تک نه رها
پھر کوئي خاک کرے گور غریباں په نگاه

آرزو ہے ترے دیدار کی ایسی کہ مدام
آنکھیں رہتی ہیں لگی روزن دیوار کے ساتھہ
قصۂ کوتہیٔ عمر جو چھیڑا اس نے
شمع بھی روئی سحر تک ترے بیمار کے ساتھہ

جتنے الفت زیادہ ہوتی ہے
دل کی حسرت زیادہ ہوتی ہے
دیکھتا ہوں جو تیری صورت کو
مجھہ کو حسرت زیادہ ہوتی ہے

گرچہ بیزار ہے وہ مجھہ سے مگر دھو کے میں
کچھہ ہنسی اس کو مرے نام پر آجاتی ہے

کیا حور کا مذکور تو کرتا ہے ہمیشہ
خاموش ہو زاہد ہوس حور کسے ہے

اتنا بھی حقارت سے بتو ہم کو نہ دیکھو
اک دل تو ہے موجود اگر کچھہ نہیں رکھتے

ہر ایک نے کھینچا ہمیں اپنی ہی طرف کو
ہم کش مکش گبرو مسلماں سے نہ چھوٹتے

ترا شوق دیدار پیدا ہوا ہے
پھر اس دل کو آزار پیدا ہوا ہے

یہاں تک میں پھڑ کا کہ کنج قفس میں
پروں کا مرے آشیانا ہوا ہے
ترے در پہ بیٹھا ہے گھٹنوں کو پکڑے
یہی "مصحفی" کو بہانا ہوا ہے

ہر حلقہ زلف میں مرا دل
ہوتا ہے شکن شکن پہ صدقے

چمکا ہوا ہے فصل بہاری سے داغ دل
وہ بھی ہماری آگ پہ دامن جھٹک گئے

آئینہ خانے میں وہ جس دم گیا
آئینے خورشید نما ہوگئے

جاتا ہے مثل برق یہ سرپٹ اُڑا ہوا
کتنی ! سمند عمر کی رفتار گرم ہے

وقت پیری، ہوس عشق بتاں کیا کیجئے
شرم آتی ہے کہ اب منھ سے فغاں کیا کیجئے

ہے نو بہار گلشن آفاق دیدنی
آنکھیں کبھی تو اے دل بے ہوش کھول دے

اشک نے راہ چشم تر لی ہے
مصلحت کچھ تو دل سے کر لی ہے
جو بلا آسماں سے آئی ہے
ہم نے وہ اپنی جان پر لی ہے
دید رخ سے ہے باغ باغ نگاہ
کیسے پھولوں سے گود بھر لی ہے
تب ڈبویا ہے قہر خالق نے
جب گناہوں سے ناؤ بھر لی ہے
میں نے بازار حسن خوباں سے
مول اک حسرت نظر لی ہے

بے امتیازی چمن دھر کیا کہوں
اس بوستاں میں قدر گل و خار ایک ہے
ہے رنج و راحت ایک اسے جس کے کان میں
صوت قفس، ترانۂ گلزار ایک ہے

مجھ کو وہ بدنصیب کہتے ہیں
یہ بھی خوبی مرے نصیبوں کی

راہ عدم میں خاک ہوئے یا فنا ہوئے
یاران رفتہ آہ خدا جانے کیا ہوئے

اب آئینہ ہے اور بنانا ہے زلف کا
اچھا ہوا کہ تم بھي اسیر بلا ہوئے

کل تم کو آپ یاد کیا اس نے "مصحفي"
نالے شب فراق میں بارے رسا ہوئے

بات کہنا بوہ کے کچھ اچھا نہیں
اس میں عاشق کا کہنا جاتا ہے جي

پردے میں جو پنہاں ہے وہ پیدا نظر آئے
کھل جاے اگر آنکھ ' تماشا نظر آئے

اے دل بگڑ اک روز تو اس دشمن جاں سے
تا دوستی مردم دنیا نظر آئے

یہ گم ہوے ہیں خیال وصال جاناں میں
کہ گھر میں پھرھیں ہم اپني جستجو کرتے

ملا نہ "مصحفی" اس فتنہ زماں کا سراغ
تمام عمر ھوئی ہم کو جستجو کرتے

چمن ہے سبزہ ہے ساقی ہے اور ھوا بھي ہے
جو یار ایسے میں آئے تو کچھ مزا بھي ہے

میں اعتماد کروں کس کي آشنائي پر
کوئی کسي کا زمانے میں آشنا بھي ھے
دعا لکھی ھے اُسی خط میں میں نے کوئي بغور
اگر پڑھے تو دعا بھي ھے مدعا بھی ھے

کیوں نہ دیکھوں کہ بنائی ھے صنم
صورت ایسي ھي خدا نے تیری
" مصحفي " عشق کا اب نام نہ لے
جان رکھی ھے خدا نے تیري

مجھ کو پامال کر گیا ھے یہی یہ جو دامن اٹھائے جاتا ھے

آیا تھا میں سجدے کو ترے ملک عدم سے
سر سائے کے مانند اُٹھایا نہ قدم سے

دیں اس نے گالیاں مجھے جس وقت اس گھڑي
کچھ ھو سکا نہ غیر دعا میرے ھاتھ سے

نہ تو یہ آہ ھي ھم دوش اثر ھوتي ھے
نہ شب ھجر ھی کم بخت سحر ھوتی ھے

واں بار یاب جلوہ اسي کي نگاہ ہو
آنکھوں سے اپني جو کوئي پردہ اٹھا سکے

جی سے تجھے چاہ ہے کسی کي
کیا جانے کوئی کسي کے جی کي
رونے پہ میرے ہنس رہے ہو
یہ کون سی بات ہے ہنسی کی

شاہد رہیو تو اے شب ہجر
جھپکي نہیں آنکھ " مصحفي " کی

محشر کے دن وہ آنکھ نہ کھولیں گے خواب سے
جو پاؤں تیرے کوچے میں پھیلا کے سو رہے

تن میں میرے، فقط اک دم کی ہوا باقی ہے
استخواں رہ گئے ہیں اور تو کیا باقی ہے

ہرگز در اس کا وا نہ ہوا ہم سے سیکڑوں
سر پھوڑ پھوڑ کر پس دیوار مرگئے

پھر کے ہیں زیر دام ہم ایسے کہ اب ہمیں
خنجر تلے تڑپنے کی طاقت نہیں رہي

رکھتا ہے مجھے قید بلا میں یہ ہمیشہ
دل مجھ کو نہیں ' جان کا جنجال دیا ہے
اے "مصحفی" اس شوخ کی باتوں پہ نہ جانا
اس نے تو ہزاروں کو یونہیں ٹال دیا ہے

تمنائے زلف رسا ساتھ ہے — جہاں جاؤں میں یہ بلا ساتھ ہے
اسیر بلا پھر یہ ہوتا ہے کیوں — جو بندے کے ہر دم خدا ساتھ ہے
اگر اڑ کے جائے تو اے مشت خاک — چمن تک تو باد صبا ساتھ ہے
امید اس سے خلوت کی کیا ہو مجھے — ہر اک آدمی کی قضا ساتھ ہے

پھروں تری تصویر کو دیکھا شب فرقت
مجبوری میں یوں حسرت دیدار نکالی
جب خاک میں ہم مل گئے تب دیکھنے آئے
رفتار نکالی تو یہ رفتار نکالی

دل جا چکا مرا' ابھی ہوش و حواس ہیں
پر دیر کیا ہے آج گئے خواہ کل گئے

کیا جانئے ؟ اکسیر کہ عنقا ہے' یہ کیا ہے
ملتی نہیں' جو چیز زمانے میں وفا ہے

بے طرح نظر ھے ' طرف آئینہ تیری
ڈرتا ھوں تری آنکھ کہیں تجھ سے نہ لڑ جاے

دل دھڑکنے کا یہ عالم ھے کے بے منت دست
پرزے ھو ھو کے گریبان اُڑا جاتا ھے

ھر لحظہ زلف اس کی دل مانگتي ھے مجھ سے
کافر نے کس بلا کو پیچھے لگا دیا ھے

نہ وہ راتیں ' نہ وہ باتیں ' نہ وہ قصہ کہاني ھے
سر بستر فقط ھم ' یا ھماری ناتواني ھے
بھلا میں ھاتھ دھو بیٹھوں نہ' کیوں‌کر جان سے اپني
کہ چلنے میں تمھارے ' موج دریا کی روانی ھے

ھر چند کے ھے ھوش ربا صورت شیریں
دیکھے تري صورت کو اگر' جان نکل جاے

وعدہ قتل پہ رکھتا ھوں میں دل شاد اپنا
کہ اسي وعدے میں اک وعدۂ دیدار بھی ھے
مجھ سے کہتا ھے کہ گلیوں میں لئے پھر ھردم
دل بد بخت ترا کوئي خریدار بھی ھے

شرم آتي ہے اب اٹھ کر، یاں سے کیا ڈھر جائیے
بیٹھے بیٹھے آستاں یار پر مر جائیے

سدا ھے آگ لگی ہے چمن میں ھم نفسو!
خبر تو لے کوئي بلبل کے آشیانے کي
گلہ نہ کیجئے یاروں کی بے وفائي کا
کہ ان دنوں یہی تاثیر ھے زمانے کي

اے ساکنان کنج قفس آئي ہے بہار
ایسے میں تم بھي دھوم مچاؤ تو خوب ھے

ھزاروں مومن و کافر سجود میں ھیں یہاں
بتوں کے گھر میں جو دیکھا تو اک خدائی ھے

حسرت پر اس مسافر بے کس کے روئیے
جو رہ گیا ھو بیٹھ کے منزل کے سامنے

کبھی در کو تک کے کھڑے رھے، کبھي آہ بھر کے چلے گئے
ترے کوچے میں جو ھم آئے بھي تو ٹھہر ٹھہر کے چلے گئے

بے لاگ ھیں ھم، ھم کو لگاوٹ نہیں آتی
کیا بات بنائیں کہ بناوٹ نہیں آتي

مثل آئینہ فقط وہ ھے اور اک حسرت ھے
عاشق بے سروپا کی بھی عجب صورت ھے
مجھ کو اے دوست جو چاھے تو ملا دے تجھ سے
میں تو عاجز ھوں پر اللہ میں سب طاقت ھے

ھزاروں حوادث ھیں تا زندگی ھے
یہی زندگی ھے تو کیا زندگی ھے
چھپا منھ نہ ھم سے کہ مر جائیں گے ھم
مسیحا ترا دیکھنا زندگی ھے
تری بے وفائی کا شکوہ کریں کیا
خود اپنی یہاں بے وفا زندگی ھے

سفر اس دل سے کر گئے غم و درد
یار سونا مکان چھوڑ گئے

بلبل نے آشیانہ جب اپنا اٹھا لیا
پھر اس چمن میں بوم بسے یا ھما بسے

میری اس کی جو سر راہ ملاقات ھوئی
منھ کیا اس نے ادھر، آہ ادھر میں نے کی

بام پر آکر جو شب، وہ کچھ اشارا کر گئے
کیا کہیں بس کام ہی آخر ہمارا کر گئے

سوزن کا ہے نہ کام نہ ناخن کی ہے جگہ
کیوں کر مژہ کی پھانس جگر سے نکالئے

ہے درد عشق اس کا مداوا کروں میں کیا
اس کا علاج ہی نہیں جو دل کی چوٹ ہے

بے قراری اور بھی دل کو اگر ہو جائے گی
مجھ کو یہ ڈر ہے کہ پھر اس تک خبر ہو جائے گی
تجھ سے اے آہ سحر مجھ کو توقع تھی بڑی
یہ نہ جانا تھا کہ تو بھی بے اثر ہو جائے گی
بیکسی پر رحم آتا ہے کہ گر میں اٹھ گیا
پھر کہاں اس کا ٹھکانا در بدر ہو جائے گی
وصل کی شب کو میں اپنے دل میں سمجھا تھا دراز
یہ نہ جانا تھا کہ باتوں میں سحر ہو جائے گی

سیلاب اشک، میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا
کوئی کدھر سے رو کے کوئی کدھر سے باندھے

نسیم صبح ' چمن سے ادھر نہیں آتي
هزار حیف کہ گل کی خبر نہیں آتی

اتھتے ہوئے بالیں سے مري' رات مسیحا
بولا کہ خدا کے ھے یہ بیمار حوالے

دل دو دو ھاتھہ سینے میں اچھلا کیا مرا
کیا کیا شب فراق میں صدمے گذر گئے

تنہا نہ آسمان کي متي خراب ھے
عالم میں اک جہان کی متي خراب ھے
لیلی کي جستجو میں ھے کتنا تباہ قیس
صحرا میں اس جوان کی متي خراب ھے

خدا یا صبر دے دل کو کہاں تک راہ میں اس کي
دھرے زانو پہ سر بیتھا رھے دو دو پہر کوئی

از بس کہ ترے حسن میں تھا مہر کا عالم
دم بھر نگہہ طالب دیدار نہ تھہری

دیکھا اسے آہ هم نے کرلي   حسرت کی نگاہ هم نے کرلي
نخوت سے جو کوئي پیش آیا   کج اپنے کلاہ هم نے کر لی

کھاتا ہوں میں غم، پر مری نیت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

کارواں دور ہوا، پاؤں تھکے، جی ہارا
کون اب منزل مقصود کو پہنچائے مجھے

خار صحرائے جنوں! دست درازی سے تری
چاک جاتے ہیں گریباں کو مرے داماں کے

غم میں تیرے، راحت و آرام سے جاتے رہے
گھل گئے ایسے کہ ہم ہر کام سے جاتے رہے

دریا میں کل نہا کر، اس نے جو بال باندھے
ہم نے بھی دل میں اپنے کیا کیا خیال باندھے

نہ پہنچو گے منزل پہ تم "مصحفی"
گیا دور اب کارواں، بیٹھئے!

شب اٹھ کے محفل جاناں سے اپنے گھر کو چلے
مگر یہ کچھ نہیں معلوم ہم کدھر کو چلے

اے دیدہ ! شرط گریہ ہے ابر بہار سے
اتنا تو کیجیو کہ مری آبرو رہے

فغاں، میں جاں گسل کرتا ہوں لیکن
نہیں سنتا مرا صیاد، میری

خفتگان خاک کی مجھ کو فراغت پر ہے رشک
سوتے ہیں کیا چین سے یہ، پاؤں پھیلائے ہوئے

کس ناز کا آنا ہے کس قہر کا جانا ہے
صدقے ترے آنے کے قرباں ترے جانے کے

بس کہ سر رگڑا کیا میں آستان یار پر
ماہ نو کی طرح صرف سجدہ پیشانی ہوئی

مقتل میں تم جو آئے ہو کشتوں کو دیکھنے
اپنے شہید ناز کو پہچان لیجئے
مشکل نہیں ہے یار کا پھر وصل "مصحفی" !
مرنے کی اپنے جی میں اگر ٹھان لیجئے

اے "مصحفی" دل جس نے اٹھایا ہے جہاں سے
اٹھتے ہوئے وہ یہاں سے سبکبار اٹھا ہے

تیری محفل میں انھیں دخل نہیں ہے ورنہ
مہر و مہ آ کے یہاں آئینہ داری کرتے

دل کو دھڑکا ہے ' کہاں چین سے خواب آتا ہے ؟
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

کوئی اے "مصحفی" اس سے یہ کہہ دے
دعا دیتا تجھے سائل گیا ہے

اہل بصر کی جلوۂ خالق پہ ہے نظر
صورت پرست ' محو تماشائے خلق ہے

مدت ہوئی کہ بیٹھے ہیں ہم انتظار میں
کیا جانے آتے آتے قیامت کہاں رہی
وہ تیر غمزہ ' دل سے مرے پار ہوگیا
جان ستم رسیدہ سلامت کہاں رہی

اچھے وہی رہے جو گلستاں میں مرگئے
حسرت نصیب ہم تھے کہ زنداں میں مرگئے
پہنچا نہ کام چشم کی گردش تلک دریغ
ہم اس کے ایک جنبش مژگاں میں مرگئے
نسبت درست کیجئے اب کس سے "مصحفی"
جو منتخب تھے گبرو مسلماں میں' مرگئے

یہي حسرت رهی دل میں که کبھي ساقي نے
اپنے هونٹوں سے لگا کر نه دیا جام مجھے

اے ''مصحفی'' سمجھیں هیں هم اس شوخ کو غافل
آگاہ هے وہ خوب وفاداري دل سے

او دامن اٹھا کے جانے والے — هم تو بھي تو خاک سے اٹھالے
حلقے زلفوں کے تیرے رخ پر — اک ماہ هے اور هزار هالے
دل نے تو مجھے بہت ستایا — دشمن کے پڑے نه کوئي پالے

اس تامل کا هوں کشته که ترا وقت خرام
پاؤں پڑتا هے کہیں، آنکھ کہیں پڑتي هے

هر اک رگ میں جو زخم نیشتر معلوم هوتا هے
مژہ کا تیرے رخ کچھ تو ادهر معلوم هوتا هے

افسانۂ عشق کس سے کہئے — اس بات میں درد سر بہت هے

اول تو قفس کا مرے در باز کہاں هے
اور هو بھی تو یاں طاقت پرواز کہاں هے

روک لو هاتھ، آپ یہ بسمل کام اپنا تمام کرتا ہے

قصۂ غم کیا لکھوں دم بھر میں میں
اس کے لکھنے کو زمانہ چاہئے

اے عشق اب کي وہ تري تاثیر کیا ہوئي
شور جنوں کدھر گیا زنجیر کیا ہوئي
دیوانہ پن کا میرے جو کرتے نہیں علاج
تدبیر کرنے والوں کی تدبیر کیا ہوئی

نہ جھپکي، نہ جھپکی، ذرا آنکھ میري
یہ شب مجھ کو اختر شماري میں گذري

آتے ہوئے گلي سے تري، مثل گرد باد
ہم اپنی خاک آپ ھي برباد کرگئے

میں مرگیا پر اس نے میری طرف نہ دیکھا
ہاں جرم عاشقي کي تعزیر ہے تو یہ ہے
فرقت میں تیري اب تک جیتا رہا یہ محزوں
ہاں سچ ہے ''مصحفي'' کي تقصیرہے، تو یہ ہے

خاک بھی میری نہ پہونچی اس کے کوچے میں صبا
یوں گیا برباد میں مُشت غبار افسوس ھے
ھم صفیران چمن نے باغ کی لوتی بہار
ھم قفس ھی میں رھے فصل بہار' افسوس ھے

عاشق سے اپنے' قطع مروت نہ کیجئے
یہ بھی نہ کیجئے جو محبت نہ کیجئے

سلوک عاشق و معشوق کوئی کیا جانے
کسی کی هاتھہ سے آفت کسی کی جی پر ھے

آئے جو تیرے کوچے میں سوداگران عشق
تیرا تو کیا گیا وھی کچھہ ایذا کھوگئے

گرم سخن تھے جن کی زباں ساری ساری رات
سو وہ چراغ صبح سے خاموش ھوگئے

کچھہ خوب نہیں یہ خود نمائی
ھاں اے بت شوخ! ڈر خدا سے

ھمیشہ "مصحفی" ھم راہ راہ جاتے تھے
کل اس گلی میں جو پہونچے تو راہ بھول گئے

اس زلف کا اینٹھنا تو دیکھو
بے چہرے بھی پیچ و تاب میں ہے
اوٹھ "مصحفی" آفتاب نکلا
تو وقت سحر بھی خواب میں ہے

جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے   درد بے اختیار اٹھتا ہے
"مصحفی" کو یہ ہے خیال ترا   سوتے سوتے پکار اٹھتا ہے

کاہے کو تیرے دام سے آزاد ہو کوئی
کیوں یاں سے اڑئے ? کس لئے برباد ہو کوئی ?
قاصد کوئی تم' کاہے کو بھیجوگے مرے پاس
نامہ تو وہ لکھے کہ جسے یاد ہو کوئی

اے صید فگن ! تیر نہ سینے سے مرے کھینچ
پیکاں کے ہمراہ کہیں دل نہ نکل جائے

قد قیامت' خرام آفت ہے   وہ چھلا وہ تمام آفت ہے

کس نے دکھلائی انہیں چشم غضب کیا جانیئے
وہ جو جی اٹھے تھے پھر روز قیامت مر گئے

بیٹھ کر وہ جہاں سے اٹھتا ہے　　ایک فتنہ وہاں سے اٹھتا ہے
کشتۂ عشق یوں نہیں ہلتا　　مر کے کوئے بتاں سے اٹھتا ہے

خدا کے واسطے ہمدم ہمیں نہ چھیڑ اس وقت
کہ بیٹھے ہیں دل اندوہ گیں پہ ہاتھ دھرے

اے دل تہ خنجر، نہ تڑپ اتنا بھی دم لے
کیا کرتا ہے؟ قاتل کا کہیں ہاتھ تو تھم لے

لوگ کہتے ہیں محبت میں اثر ہوتا ہے
کون سے شہر میں ہوتا ہے، کدھر ہوتا ہے؟
نہیں معلوم کہ ماتم ہے فلک پر کس کا؟
روز کیوں چاک گریبان سحر ہوتا ہے

مانگی ہزار بار دعا پر نہ کچھ ہوا
ناچار اب دعا ہی سے ہم ہاتھ اٹھائیں گے

جوش گل سے ساکنان باغ کا، عرصہ ہے تنگ
دیکھئے بلبل کا اس میں آشیاں کیوں کر رہے

سراغ قافلۂ رشک کیجئے کیوں کر
نکل گیا ہے یہ کوسوں دیار حرماں سے

ہے ماہ کہ آفتاب، کیا ہے؟
دیکھو تو نقاب کیا ہے؟
سینے میں جو دل نہیں ٹھہرتا
یارب اسے اضطراب کیا ہے؟

جب جدا ہم سے یار ہوتا ہے   دل بہت بے قرار ہوتا ہے

فراغت میں بتوں کی صورت دل خواہ یاد آئے
پڑے جب کچھ مصیبت تب ہمیں اللہ یاد آئے

صاف بگڑا ہوا آتا ہے مرا آئینہ رو
آج کچھ اور ہی صورت ہے خدا خیر کرے

مگر بہار کے دن ہیں کہ خود بہ خود صیاد
قفس چمن کو اڑے جاتے ہیں اسیروں کے

طاقت گئی فغاں کی، دل اب آہ کیا کرے
کیا جانے رفتہ رفتہ تری چاہ کیا کرے

نگہ ناز پسیں کی بھی ہوس مٹ جائے
دل کم بخت میں ارمان نہ ہو اتنا بھی

——

کب بھلا کوچۂ قاتل میں گذر ہے سب کا
وہی جاتا ہے وہاں، جس کی قضا آتی ہے

——

آیا ہوں پھرتے پھرتے غنیمت مجھے سمجھو
کیا جانے پھر کدھر مجھے تقدیر پھینک دے

——

زندانئی الفت نے دھرے تیغ گلے پر
زنداں سے نکلنے کی یہ تدبیر نکالی

——

مقابل ہو یہ خورشید اس کے، کب اس کا یہ زہرا ہے
مگر دل سخت کرکے اک ذرا آئینہ ٹھہرا ہے

——

اک ذرا جنبش مژگاں کی روا دار نہیں
کس کی تصویر مرے دیدۂ دیدار میں ہے

——

تھی گرفتاری میں بھی اک لذت آسودگی
کیا کہیں ہم، کیسے پچھتائے نکل کر دام سے

——

ڈرتا ہوں' خوشامد سے وہ مغرور نہ ہوجائے
قتال اس کو کہیں غیر کا منظور نہ ہوجائے

مجنوں کو بہت ضعف ہے صحرائے جنوں میں
یہ جامہ دری سے کہیں معذور نہ ہوجائے

اس سے بڑی محبت ہے مجھے دل سے زیادہ
رونے سے کہیں داغ جگر دور نہ ہو جائے

جہاں مجنوں پکارا بس وہیں در تک نکل آئی
صدا پہچانتی ہے آپ لیلیٰ اپنے سائل کی

ذرا خوابیدہ گان خاک کی بے ہوشیاں دیکھے
نہ کی ہو گر کسی نے سیر بدمستوں کی محفل کی

ہستی کو مٹا اپنی جو ہے وصل کا طالب
پایا ہے پیمبر نے خدا بت شکنی سے

اسباب طرب جتنے تھے موجود تھے لیکن
ہمت مری سایل نہ ہوئی چرخ دنی سے

جان آنکھوں سے شب ہجر بہ دقت نکلی
بعد اک عمر کے نکلی تو یہ حسرت نکلی

شکر کی جا ہے کہ منھ سے مرے مرتے مرتے
نزع کے دم بھی نہ اس بت کی شکایت نکلی

ایک نے حشر کے دن بھی نہ جگایا ہم کو
ہم نہ سمجھے کہ کدھر صبح قیامت نکلی

اس کي تصوير کو چهاتي سے لگايا هم نے
آہ کچھ طرز نگه سے وہ محبت نکلی

گرچه سوبار مسيحا نے بلايا هے همیں
آپ هم درد کا اپنے نہیں درماں کرتے

بندۂ خاکی جهکائے رکهه سر تسلیم کو
طوق بار زندگي جب تک تري گردن په هے
جاؤ اپنے اپنے گهر جو هو چکا وہ هو چکا
حشر کا هنگامه يارو کيوں ميرے مدفن په هے

جو ياں هے وہ پهيلائے هوئے پاؤں پڑا هے
کيا گور غريباں بهي اک آرام کي جا هے
کيوں آج هلا جاتا هے دل بانگ جرس سے
کيا قافلے کے پیچھے کوئی آبله پا هے

اس وقت تو چونک اُٹهتے جو تو قبر په آتا
رخصت همیں اتنی بهي نه دي خواب عدم نے

دست جنوں سرک که جب آئی هے فصل گل
خود چاک هوگئے هیں گريباں سئے هوئے

اک روز تیرے کوچے سے هم مرکے اتھیں گے
بیتھے هیں مصیبت کے یہ دن بھر کے اُتھیں گے
چل چل کے جو رہ جاتا ھے هر بار گلے پر
یہ ناز نہ هم سے ترے خنجر کے اُتھیں گے
جس وقت وہ دیکھے گا تری چشم کا فتنہ
آگے نہ قدم فتنۂ محشر کے اُتھیں گے

آبادي فضاے عدم هم سے خاک هو
کچھہ ساتھہ لے گئے نہ جہان خراب سے
تھوکو نے تیرے پاؤں کی اے فتنۂ زماں
چونکا دیا ھے فتنۂ محشر کو خواب سے

نظر بد کا گماں مجھہ کو سوئے کو کب ھے
شب کو منھہ کھول نہ اپنا کہ یہ آخر شب ھے

اشک رنگیں کے سوا اور نہ کچھہ هاتھہ آیا
پھول هم چن کے یہ لائے چمن حرماں سے

پتھر میں بن گیا ستم روز گار سے
توتے گا آبلہ نہ مرا نوک خار سے
اس شعلہ رو سے گرم ھے شاید کنار غیر
آتی ھے بوئے یاس دل داغ دار سے

نہ غنچہ لائی، نہ گل، ارمغاں ہزار افسوس
ہمیں قفس میں نسیم بہار بھول گئی

واں باد صبا جائے، نہ قاصد کا گذارا
یاران عدم رفتہ کی کیوں کر خبر آئے

اے "مصحفی" کچھ یاں سے نہ لے جائے گا کوئی
حسرت ہی فقط سوئے عدم ساتھ چلے گی

ہوائے کوچۂ قاتل پہ جان جاتی ہے
بہار خلد بریں ہم کو کب خوش آتی ہے
دکھایا ہم کو جو پیری نے نیک و بد دیکھا
اب آ کے دیکھیئے تقدیر کیا دکھاتی ہے

جو کچھ شکستہ قفس کی بھی تیلیاں ملتیں
تو ہم انہیں کو خس و خار آشیاں کرتے
نہ دی فلک نے ہمیں فرصت اس قدر ورنہ
کسی طرح تو ترے دل کو مہرباں کرتے

مرے تو دل میں نہیں کچھ، پر اس میں ہوں مجبور
اگر زبان قلم سے گلا ٹپکتا ہے

لیلی نے کہا دیکھ کے مجنوں کی نگاہیں
عاقل ہے یہ، دیوانہ تو مجذوب نہیں ہے

ہے کچھ تو سبب اس کا کہ مجھ تک نہیں آتی
وابستۂ زنجیر ہیں کیا پاؤں اجل کے

خواص دور بیں آئینہ دل میں ہے عشق کے
نظر نزدیک ہی آتا ہے جو ہے دور آنکھوں سے
کہا تونے ''نہ دیکھا کر مجھے'' کیا عذر ہے مجھ کو
بجالاؤں گا تیرا حکم تا مقدر آنکھوں سے

شانہ اک لحظہ نہ ہوتا تھا جدا گیسو سے
چند دن، ربط تھا واں آئینہ و زانو سے
ساتھ پیکاں کے مری جاں نکل آئی تھی
تیر بے درد نے کھینچا جو مرے پہلو سے

''مصحفی'' ہجر کبھی وصل کبھی ہوگا نصیب
یار باقی ہے تو تا زیست ہے صحبت باقی

''مصحفی'' کو بھیک اگر دیتے نہیں تو دو جواب
دیر سے کوچے میں وہ خانہ خراب اِستادہ ہے

"مصحفي" عون جواني تو هے مشکل لیکن
آپ کو وصل کی شب هم نے جواں دیکھا هے

وا حسرتا نصیب نے چونکا دیا وهیں
آئی نظر جو خواب میں صورت وصال کي
محتاج سے نہ پوچھو کہ کیا تجھ کو چاهئے
مرد فقیر آپ هے صورت سوال کي

کچھ ایسا آنکھ لگتے هی آرام آگیا
جو صبح حشر کو بھی نہ بیدار هم هوئے

شکل امید تو کب هم کو نظر آتی هے
صورت یاس بھي بن بن کے بگڑ جاتی هے

شب' طبق میں آسماں کے بگڑے آھے میرے جو اشک
کچھ ثوابت بن گئے کچھ ان میں سیارے هوئے
زخم سینه پر نمک چھڑ کا کئے تا صبح دم
هجر کی شب دشمن اپني نیند کے' تارے هوئے

هم کب سے چمن زار میں بے هوش پڑے هیں
معلوم نہیں گل هے کدھر؟ خار کدھر هے؟

پیچھے پھر کر دیکھتا هوں بھاگتا هوں آپ سے
اپنے سائے سے بھي مجھ کو اب تو وحشت هوگئی
هائے کعبے سے پھرا اب تک نه هرگز "مصحفي"
اس کو کیا جانے وهاں کس بت سے صحبت هوگئی

تو آکے بیٹھے دم نزع جس کی بالیں پر
وہ مر بھي جائے تو آنکھیں کبھی نه بند کرے

کر سلوک اب تو گریبان سے اے دستِ جنوں
چاک اک جھٹکے میں تا دامن محشر پہنچے

اے " مصحفي " هجراں میں کیا دل کو اذیت هے
نے یار هی ملتا هے نه جاں نکلتي هے

مانی اُن ابروؤں کی تصویر کھینچتا هے
خورشید پر دو دستي شمشیر کھینچتا هے
رهنے دے، تا هو ' دل کو میرے ذرا تسلی
پہلو سے میرے ظالم کیوں تیر کھینچتا هے

میں وہ نہیں هوں که اس بت سے دل مرا پھر جائے
پھروں میں اس سے تو مجھ سے مرا خدا پھر جائے

شب فراق میں بچنا بشر کا ہے مشکل
یہ بات اور ہے آئی ہوئی قضا پھر جائے

جگر پہ صدمہ ہے غم کے مارے' تو دل میں جوش ملال بھی ہے
تپ جدائی ترا برا ہو نہ چھیڑ! کچھ مجھ میں حال بھی ہے

شمع و شراب و شاہد و ساقی ہے رو بہ رو
کیا چاہے اور طالع بیدار سے کوئی
میں تم سے پوچھتا ہوں بھلا اس کا کیا علاج
پھر جائے وعدہ کر کے جو اقرار سے کوئی

مخمس بر غزل "آصفی"

جب سے ہوا ہے مجھ سے وہ پیماں شکن جدا
آتش میں تن جلے ہے جدا اور من جدا
ہو وے کسی طرح سے یہ رنج و محن جدا
صورت گراں! ہلاکم ازاں سیم تن جدا
سازید صورتے کہ نہ باشد زمن جدا
ہے بس کہ میری جان کو' تجھ سے جو اتحاد
تیرے سوا کسی کی نہیں میرے دل میں یاد
جب تک کہ میں ہوں اور ہے تو ہے یہی مراد
دور از رخت مباد مرا دیدہ بلکہ باد
مردم زدیدہ' دیدہ ز سر' سر تن جدا

کی زندگی میں تجھ سے وفا میں نے گل بدن
ایسي که گل سے کر نه سکے بلبل چمن
مرنے کے بعد بھي جو مرا خاک ہوگا تن
پیوند بگسلند سگت ز استخوان من
روزے که بند بند شود از کفن جدا

قصیدہ در معذرت اتہام انشا به جناب مرشد زادہ شہزادہ
مرزا سلیماں شکوہ بہادر

قسم بذات خدائے که هے سمیع و بصیر
که مجھ سے حضرت شہ میں ہوئی نہیں تقصیر
سوائے اس کے که حال اپنا کچھ کیا تھا میں عرض
سو وہ به طور شکایت تھي آنند کے تقریر
گر اس سے خاطر اقدس په کچھ ملال آیا
اور اس گنه سے ہوا بندہ واجب‌التعزیر
عوض رپوں کے ملیں مجھ کو گالیاں لاکھوں
عوض دو شالہ کے خلعت به شکل نقش حصیر
سلف میں تھا کوئی شاعر نواز ایسا کب
جو هے تو شاہ سلیماں شکوہ عرش سریر
مزاج میں یه صفائی که کر لیا باور
کسي کے حق میں کسي نے جو کچھ که کي تقریر
مصاحب ایسے اگر کچھ کسي سے لغزش ہو
تو اس کے رفع کی ہرگز نه کرسکیں تدبیر

اگر کریں تو پھر ایسي که نار طیش و غضب
مزاج شاہ میں ہو مشتعل بصد تشویر
سو تاب ذرہ کہاں نور آفتاب کہاں
کہاں وہ سطوت شاهی کہاں غرور فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہئے
کہاں دمیقي و دیبا' کہاں پلاس و حصیر
میں اک فقیر غریب‌الوطن مسافر نام
رهے هے آٹھ پہر جس کو قوت کي تدبیر
مرا دهن هے که مدح حضور اقدس کو
الٹ کے پھر میں به حرف ذمیمه دوں تغیٹر
یه افترا هے بتایا جو منحرف مجهه کو
یه چاهے هے که کروں شکوہ اس کا پیش وزیر
اگر وزیر بھي بولے نه کچھ خدا لگتی
تو جاؤں پیش محمد که هے بشیر و نذیر
شفیع روز جزا بادشاہ او ادنی
نه کر وہ جرم په جس نے لکھی نہیں تعزیر
کہوں یه اس سے که اے جرم بخش هر عاصي
تیري غلامي میں آیا هے داد خواہ فقیر
خطا هو میری جو پہلے ' تو کر اسیر مجھے
و گر عدو کي ' پہنا اس کو طوق اور زنجیر
اگر چه بازي " انشا '' کے بے حمیت کو
رہا خموش سمجھ کر میں بازئی تقدیر
و لے غضب هے بڑا یه که اب وہ چاهے هے
خیال میں بھي نه کھینچوں میں هجو کی تصویر

کیا میں فرض کہ میں آپ اس سے در گذرا
پھرے گا مجھ سے کوئي کرم و منتظر کا ضمیر
اور ان پہ بھي جو کیا میں نے تازیانہ منع
تو ھو سکے ھے کوئی ان کي وضع کي تدبیر
ھزار شہدوں میں بیٹھیں ھزار جا پہ ملیں
پھریں ھمیشہ لئے جمع ساتھ اپنے کثیر
نہ مانیں تیغ سیاست ' نہ قہر سلطاني
نہ سمجھیں قتل کا وعدہ نہ ضربت شمشیر
مزاج ان کا تتھول اس قدر پڑا ھے کہ وہ
ھنسي سمجھتے ھیں اس بات کو نہ جرم کبیر
پھر اس پہ یہ بھی ھے یعني کہ اس مقام کے بیچ
جو ھو وے منشي تو کچھ نثر میں کرے تسطیر
فکیف جن کو خدا نے کیا ھو موزوں طبع
اور اپنے فضل سے بخشي ھو شعر میں توقیر
یہ کرئي بات ھے سو سن کے وہ خموش رھیں
ھوا ھے مصلحتاً گو کہ تصفیہ بہ اخیر
مگر یہ بات میں مانی کہ سوانگ کا باني
اگر میں ھوں تو مجھے دیجے بدترین تعزیر
میں آپ فاقہ کش' اتنا مجھے کہاں مقدور
کہ فکر اور کروں کچھ بغیر آش شعیر
مرے حواس پریشاں بہ ایں پریشانی
ھو جیسے لشکر بہ شکستہ کی خراب بھیر

گر اس پہ صلح کی ٹھہری رہے تو صلح سہی
اگر ہو پھیر شرارت، بشر ہوں میں بھی شریر
جو اب ایک کے یاں دس ہیں اور دس کے سو
نگاہ کرنی تھی اول بہ این قلیل و کثیر
حصول یہ ہے کہ جب کوتوال تک قضیا
گیا ہو از پے تہدید شاعران شریر
تو کوتوال ہی بس ان سے اب سمجھ لے گا
یہ دم بہ دم کی شکایت کی ہے عبث تحریر
یہ وہ مثل ہے کہ جس طرح سارے شہر کے بیچ
بلند قامتی اپنی سے متہم ہو بعیر
سو مہتمم مجھے ناداں نے ہجو شہ سے کیا
قباحت اس کی جو سمجھے شہہ اس کو دے تعزیر
ولے مزاج مقدس جو لاابالی ہے
نہیں خیال میں آتا خیال حرف حقیر
جو کچھ ہوا سو ہوا "مصحفی" بس اب چپ رہ
زیادہ کر نہ صداقت کا ماجرا تحریر
خدا پہ چھوڑ دے اس بات کو وہ مالک ہے
کرے جو چاہے جو چاہا کیا بہ حکم قدیر

افسوس

شیر علي نام ، دهلي میں پیدا هوئے - گیارہ برس کے سن میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ گئے اور وهیں رہ پڑے ''میر حسن'' یا ''میر حیدر علي'' حیراں یا دونوں کے شاگرد تھے ، عالم ، فاضل خلیق ، اهل دل اور منکسر مزاج آدمي تھے -

ڈاکٹر گلکرسٹ کی نظر انتخاب نے صاف اور سلیس اُردو نثر کی کتابیں لکھوانے کے لئے زبان دانان ریختہ ، کي جو جماعت مقرر کي تھي اس میں ''افسوس'' ایک ممتاز درجہ رکھتے هیں افسوس صاحب دیوان شاعر هیں ان کے کلام میں عاشقانہ رنگ نمایاں هے ان کی زبان صاف اور شستہ هے اور بیان میں درد و اثر بھي هے -

''افسوس'' نے سنہ ۱۸۰۹ ھ میں انتقال کیا -

— —

انتخاب

ملے ہے پانوں سے اپنے، وہ لالہ رو ہردم
یہ مرتبہ تو دل داغ دار کا پہونچا
قفس سے چھٹنے کی امید ھي نہیں "افسوس"
حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہونچا

رات محفل میں ہر اک مہ پارہ گرم لاف تھا
صبح وہ خورشید رو نکلا تو مطلع صاف تھا

وہ بےوفا مجھے تو ٹک ایک آج مل گیا
ہر اپنے اختیار سے "افسوس" دل گیا

جس کو تیر نگہہ لگا ہوگا   ایک دم میں وہ مرگیا ہوگا

اس شعلہ وش کو دیکھ کے بےتاب ہوگیا
یارو یہہ دل تو تھا ھی یہ سیماب ہوگیا

دل تری بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار

بے وفاؤں سے رہی ہے تجھ کو یاری بشیتر

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر

روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

پاؤں یہ گڑے کہ جوں نقش قدم پھر نہ اٹھے

خاک میں مل گئے بیٹھے جو ترے در پر ہم

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب، لیکن

بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں

سچ ہیں یہ خود نمائیاں، حق ہیں یہ لن ترانیاں

شعلۂ طور بجھ گیا، دیکھ کے اس کے نور کو

ہنستے ہیں شب وصل میں ہم اب تو، پر اک دن

اس شب کو بہت روئیں گے اور یاد کریں گے

صلاح جانے جو کچھ اس سے کہیو اے قاصد

پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں اُمید
جیتا پھر آ کے مجھ سے مرا نامہ بر ملے
کچھ بات تم سے کہہ نہیں سکتے ہزار حیف
مدت میں تم ملے بھي تو غیروں کے گھر ملے

سینہ و دل کو ابھي رکھ دوں نشانے کے عوض
گر لگائے وہ ستم گر تیر اپنے ھاتھ سے
شکل اس میں کس کي ھے سچ سچ بتا "افسوس" تو
کیوں نہیں رکھتا ھے تو تصویر اپنے ھاتھ سے

عبث ھے سوچ تجھ کو نامہ بر' دے شوق سے مجھ کو
کوئي جھڑکی کوئی گالي' اگر اس کي زبانی ھے

نہیں جائیں گے اس مجلس سے ھم بے اس کے لے جائے
قسم اب کب اٹھا تے ھیں کہ ھم نے پانوں پھیلائے

اس کے اٹھتے ھی جي پہ آن بنی
دیکھئے آگے آگے کیا ھو وے

نصیر

نام شاہ نصیرالدین ' دھلي کے رھنے والے ' ان کا خاندان فقر و تصوف میں مشہور تھا ' لیکن ان کی شہرت محض شاعری کی بنا پر ھے -

شاہ " نصیر " شاہ محمدي مائل کے شاگرد تھے ' طبیعت میں زور تھا ' چند دنوں کي مشق نے استاد بنا دیا ' شاہ عالم بادشاہ کے دربار میں رسائي تھی دربار شاھي سے کچھ علاقے جاگیر میں ملے تھے - اس لئے فراغت بھي حاصل تھی ' طلب مزید ان کو دوبار لکھنؤ لے گئی پہلي بار " مصحفی " اور " انشا " کا دور دورہ تھا ' دوسری بار " ناسخ " اور " اتش " کے نام کا ڈنکا بج رھا تھا اس لئے ان کو وھاں فروغ نہ ھوا - لکھنؤ سے سیدھے حیدرآباد گئے ' یہ دیوان چندولال کي شہرت کمال پرستی کي کشش تھي ' وھاں اُن کی خوب قدر ھوئي -

چار مرتبہ حیدرآباد کا سفر کیا - آخر سنہ ۱۲۵۴ھ میں وھیں کي خاک کے سپرد ھو گئے -

شاہ نصیر کے یہاں الفاظ میں جس قدر شان و شوکت ھے معاني میں اتنی بلندی نہیں - ان کي طبیعت اس درجہ مشکل پسند تھي کہ سخت سے سخت زمین اور مشکل سے مشکل قافیہ اور ردیف اختیار

کرتے تھے اور اپنی قادرالکلامی سے ہر خار زار کو گلزار بنا دیتے تھے - ان کے کلام میں ال شیں استعارے اور نادر تشبیہیں کثرت سے ملتی ہیں -

شاہ نصیر فن شعر کے مسلم‌الثبوت استاد تھے - ان کے تلامذہ میں " حیا " " معروف " - اور " ذوق " مشہور ہیں - ایک " ذوق " ہی ان کی اُستادی کی ایسی یادگار تھے جو دنیاے شاعری میں ہمیشہ باقی رہیگی -

---

اِنتخاب

بے کلی کیوں کر نہ ہووے اُس کی فرقت میں "نصیر"
عشق میں اس گل‌بدن کے دل تھکانے لگ گیا

دیر کیوں کرتا ہے پھر کیا جانئے کس کا ہو دور
ساقیا لب سے ہمارے تو لب ساغر لگا
آپ سے آئے نہیں ہم سیر کرنے باغ میں
لائی ہے باد صبا گلشن میں لپٹا کر لگا

نہیں اس دور میں ڈر ساقیا سنگ حوادث کا
بغل میں ہے بہ‌رنگ شیشہ تصویر، دل میرا

ہر جا متجلی ہے وہی پردۂ غفلت
اے معتکف دیر و حرم اٹھ نہیں سکتا

وائے اے شیشۂ دل سینے میں مانند حباب
تھیس سے اس نفس سرد کے تو ٹوٹ گیا

کعبہ سے غرض اُس کو، نہ بت‌خانے سے مطلب
عاشق جو ترا ہے نہ ادھر کا نہ اودھر کا

صبا کیا آبرو ہو اُس کی جو ہو وے تنک مایہ
چمن میں قطرۂ شبنم در مکنون نہ ٹھہرے گا

کیا ہوا، گر چشم تر سے خوں ٹپک کر رہ گیا
بادۂ گلگوں کا ساغر تھا چھلک کر رہ گیا

ساقیا دیکھ تو کیا عالم کیفیت ہے
جام گرداب ہے، میناے مئے ناب، حباب

موج صبا کہاں ہے یہ فصل بہار میں
مجنوں کے واسطے ہے سلاسل کا اضطراب

رات اس بت کا ہوا بوسۂ رخسار نصیب
جھوٹ بولوں تو خدا کا نہ ہو دیدار نصیب

دیکھا نہ تجھے، رہ گئی دیدار کی حسرت
تا مرگ نہ نکلی ترے بیمار کی حسرت

صیاد قفس کو نہ اتھا صحن چمن سے
باقی ہے ابھي مرغ گرفتار کی حسرت

مہر ہاے داغ سے معمور ہے سینۂ تمام
رو برو اللہ کے جائیں گے ہم محضر سمیت

دیوانہ میں وہ ہوں کہ سدا پاؤں سے میرے
سر اپنا اتھاتي نہیں زنجیر لگا کر

سو مردے جلا دے ہے وہ اک جنبش لب سے
منکر کوئي اعجاز مسیحا سے ہو کیوں کر
حسن رخ دل دار ہے ہر جا متجلي
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیوں کر
فردا تري فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مجھے وعدۂ فردا سے ہو کیوں کر

خیال زلف میں ہر دم "نصیر" پیتا کر
گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیتا کر

دل صید ہوا تیري پریشان نظري سے
کرتا ہے خطا ہو وے اگر تیر کو جنبش

کیوں نہ رکھے دانہ انگور کی تسبیح شیخ
لے گیا دامن کشاں مسجد سے میخانے کا شوق
حلقۂ چشم غزالاں خانہ زنجیر ہے
کھینچ کر لے جائے ہے صحرا کو دیوانے کا شوق

نہ تھا اشک کے قطروں سے کچھ زیب گریباں ہے
یہ موتی ٹانکتا ہے دیدۂ غم ناک دامن تک
مکدر ہو کے وہ آئینہ رو جھٹکے ہے دامن کو
ہماری خاک پہونچی اڑ کے بھی کیا خاک دامن تک

کیا عدم کو سفر موسم بہار نے حیف
خزاں کے دوش پہ ہے آج گاہوارۂ گل

جو بات پیش آئی تھی سو پیش آ گئی
کیا دیکھیں تیرے کشتوں کے پیشانیوں میں ہم

کیوں نہ آنکھوں سے لگا کر میں پیوں اے ساقی
ہے رقم ساقی کوثر کا لب جام پہ نام
والہ و شیفتہ و زار و حزین و مجنوں
ہم کو کیا کیا تری الفت میں ملے نام پہ نام

اے باد صبا هم تو هوا خواہ هیں تیرے
مشتاق هیں گل کے نہ طلب گر گلستاں

تجھ سے کیا دیدہ و دانستہ محبت کیجئے
آنکھ لڑتی هے کہیں، نامہ و پیغام کہیں

آپ کا کون طلب گار نہیں عالم میں
ایک بندہ هی گنہگار نہیں عالم میں

برقعۂ آب رواں میں یہ ترے، جالی نہیں
پڑ گئے هیں ناوک مژگاں سے روزن آب میں

پوچھے هے وہ کہ کس طرح شیشہ و جام کا هے ساتھ
کہہ دے ملا کے چشم سے چشم کو ساقیا کہ یوں

چھلنی کانٹوں سے هوئے گو، مرے تلوے لیکن
دشت وحشت کی ابھی خاک چھنی خوب نہیں

" نصیر " دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی هے
هسارے اس بت خانہ خراب کے گھر میں

کیا کہوں تیرے بغیر اے ساقئی پیماں شکن
حلقۂ ماتم یہاں تھا دور ساغر رات کو

رکھتا ہے اور کیا دل ناشاد آرزو
ملنے کي ہے ترے ستم ایجاد آرزو

دم غنیمت ہے کوئي دم کي یہ صحبت هم نشیں
تجھہ سے پھر ملنا خدا جانے همارا هو نہ هو

کر ذبح اسیران قفس کو کہیں صیاد
پرواز کی طاقت نہیں تا بام کسی کو
انصاف تو کر دل میں تک اے ساقی کم ظرف
خالی کوئي دیتا ہے بھلا جام کسی کو

وہ حسن بے حجاب اُس کا ہے هر جا جلوہ گر لیکن
تري آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہے بے خبر پردہ

رفتہ رفتہ یار کے زانو تلک پہونچا دیا
آفریں ہے تجھہ کو اے تدبیر پشت آئینہ

جب رشتۂ محبت ساقی سے جوڑ بیٹھے
شیشے کو پھوڑ ڈالا ساغر کو توڑ بیٹھے

چشم سے پردۂ غفلت جو اٹھا دیکھیں گے
سب سے باھم تجھے اور سب سے جدا دیکھیں گے

اس قدر ھم نے کیا ہے تجھ کو یاد
ایک عالم کو ھماری یاد ھے

دیکھ لیتی جو اٹھاکر ترے کیا ٹوٹتے ھاتھ
لیلی ایسا تو نہ تھا پردۂ محمل بھاری

" نصیر " زیب مکان رونق مکیں سے ھے
فروغ خانۂ انگشتری نگیں سے ھے

راسخ

شیخ غلام علی نام ' آبا و اجداد دهلی کے رهنے والے تھے ' عظیم آباد (پٹنہ) ان کا مولد ہے ' اسی نسبت سے راسخ عظیم آبادی مشہور تھے - سنہ ۱۱۶۲ ھ میں پیدا ہوئے ' سنہ ۱۲۲۱ ھ تک مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے رہے - سنہ ۱۲۲۲ ھ میں اپنے وطن عظیم آباد میں واپس آئے ' عظیم آباد اس وقت مرجع اهل کمال تھا ' راسخ کی کافی عزت ہوئی ' راسخ نے پہلے میر "گھسیٹا" عشق ' فدوی ' شرر سے اصلاح لی لیکن کچھ دنوں کے بعد جب خمخانۂ میر سے جرعہ نوشی کی تو آخر تک اسی رنگ میں مست رہے ' "میر" کی شاگردی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے ' جا بجا مقطع میں اس کا ذکر کیا ہے ' مشہور ہے کہ "میر" نے "راسخ" کے اس شعر پر اصلاح دی تھی -

راسخ—مرتے دم ان کا ذکر جب آیا زبان پر

نیند آ گئی ہمیں تب اسی داستان پر

میر—تا خواب مرگ ذکر تھا ان کا زبان پر

نیند آ گئی ہمیں تو اسی داستان پر

راسخ کے کلام میں تصوف کا عنصر غالب ہے ' وہ خود سراپا کیف اور ان کا دیوان خم خانۂ کیفیات ہے " راسخ " صوفی منش ' بزرگ صفت سوز و گداز رکھنے والے شخص تھے ' موسیقی میں بھی دخل تھا ' کہا جاتا ہے کہ موسیقی سے متاثر ہو کر بیشتر غزلیں کہی ہیں ' تمام اصناف سخن پر قادر تھے - " راسخ " نے ۷۶ برس کی عمر پاکر وفات پائی -

انتخاب

تمہارے آشنا کب خلق سے رکھتے ہیں آمیزش
انہیں تو آپ سے بھي ہم نے بیگانہ سدا پایا
دل بلبل نہ تنہا چاک ہے اس عشق کے ہاتھوں
یہ وہ ہے جس سے گل کے بھي گریباں کو قبا پایا

جب تجھے خود آپ سے بے گانگی ہو جاے گي
آشنا تب تجھ سے وہ دیر آشنا ہو جاے گا

لاگ اس پلک کي اتني ہے معلوم ہے کہ آہ
کانٹا سا کچھ جگر میں ہے اپنے چھپا ہوا

شہادت گاہ خوں ریز محبت طرفہ جا دیکھي
کہ جو مقتول تھا یاں خنجر قاتل کا مسلوں تھا

جواني ہنس کے کاٹي اب پلک پر اشک چمکے ہے
جو رات آخر ہوئي نکلا ستارہ صبح پیري کا

تھا جي ميں کہ دشواری هجر اس سے کہيں گے
پر جب ملے کچھ رنج و محن ياد نہ آيا

بےمدعا هوں يہ بهی هے اک مدعائے دل
اس قيد مدعا سے نہ کوئی رها هوا

انتہائے عاشقي هے شان معشوقي کہ هم
صيد جس صياد کے تھے وہ شکار اپنا هوا

دور ميں اس کي مست آنکھوں کے
محتسب بهی شراب خوار هوا

بگڑي جب سب سے، تب کچھ اُن سے
اسلوب بنا موافقت کا

رخ زيبا ديا گل کو، دل بےصبر بلبل کو
اسے خنداں کيا پيدا، اُسے نالاں کيا پيدا

مدعا عالم سے اپنا هي فقط ديدار تھا
ديد کو اپنے يہ آئينہ اسے درکار تھا
دل سے آگے کيوں بڑھا تو اے طلب گار وصال
پھر ادھر هی جا وهی گھر جلوہ گاہ يار تھا

شوق کی باتوں کا کس نامہ میں اظہار نہ تھا
ہم نے کب خط انہیں لکھا کہ وہ طومار نہ تھا

برسوں رہا ہے صدمہ کش اشک و آہ دل
یہ نسخہ ہے کچھ آب زدہ کچھ جلا ہوا

ہوا دیوانہ ہر فرزانہ تیرا بہت فرزانہ ہے دیوانہ تیرا

مت پوچھئے مجھ سے حال میرا حیرت زدہ کیا بیاں کرے گا
جاں جسم پہ اب گراں ہے اے غم کتنا مجھے ناتواں کرے گا

معمور طرب رکھے دل، دوست نے دشمن کے
آنکھوں کو محبوں کی آنسو سے بھرا رکھا

عقل والوں کے نہ آیا پیچ میں "راسخ" کبھو
یہ بھی اس کی ذی شعوری تھی کہ سودائی رہا

پیشتر تم تھے جہاں اب سبب تسکیں ہے
اس مکاں کے درودیوار کو دیکھا کرنا

وے تھے خواہاں مرے خرابی کے میں اسی واسطے خراب رہا

دشمنی در پردہ کي، اے واے تم نے کیا کیا
آپ تو پردے میں بیٹھے اور ہمیں رسوا کیا

کب میرا خریدار ہو موجد وہ جفا کا
بندہ تو ہوں، ہے عیب ولے مجھ میں وفا کا

سونپا ہوا داغ ان کا تازہ ھي سدا رکھا
ہم نے اس امانت کو چھاتي سے لگا رکھا

گذرے جو وہ خیال میں تو ناز کي سی ھائے
یہ رنگ ہو کہ پھول ہو جیسے ملا ہوا

ہو ضبط آب، ٹوٹے ہوئے ظرف میں کہاں
دل چاک ہو گیا ہے جو آنسو رواں ہے اب

صورت ہمارے حال کی بگڑي سے دیکھ کر
قاصد نے ان کے آنے کي دل سے بنائي بات

زندہ ہے نام " میر" "راسخ" سے کوئی ہے شاعروں میں ایسا آج

کہاں کا دام فقط ہے تري نظر صیاد
جو چاہے صید ہوں ہم دیکھ تک ادھر صیاد

فلک تجھ سے خواہاں شاہي نہیں ہم
ہمیں کوچۂ یار کا تو گدا کر

اپنا بھی ماجراے دل اک مرثیہ سا ہے
بےاختیار روتے ہیں لوگ اس بیان پر

ضبط گریہ تو ہے پر دل پہ جو اک چوٹ سي ہے
قطرے آنسو کے ٹپک پڑتے ہیں دو چار ہنوز
شیخ اس بت شکني پر نہ ہو اتنا مغرور
تو نے توڑا نہیں اپنا بت پندار ہنوز

بازار جہاں میں کوئی خواہاں نہیں ہے تیرا
لے جائیں کہاں اب تجھے اے جنس وفا ہم

عموماً کاہی محو جلوہ فرمائي نہ ہوتے تم
جگہہ دل میں مرے کرتے جو ہرجائي نہ ہوتے تم
تمہاري التفات خاص ہي وجہہ جنوں تھی یاں
تماشا ہم نہ بنتے گر تماشائي نہ ہوتے تم

جز داغ ہے کیا ؟ دل حزیں میں لالہ ہی اُگے ہے اس زمیں میں

اب اور لگا ہونے ایجاد گلستاں میں
راتوں کو لگا رہنے صیاد گلستاں میں

گھر سے کہو کر در پہ اپنے بیٹھنے دیتے نہیں
تم جو کہتے ہو کہ جاؤ یاں سے میں اب جاؤں کہاں

اس کا ہر برگ آئینہ روے چمن آرا کا ہے
دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کریں
باوجود دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ
آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کریں
کچھ بھی کیفیت گراں میں ہو تو یہ سب خرقہ پوش
سبحہ و سجادہ رہن ساغر و صہبا کریں

"راسخ" علاقہ دل کا نہ ہو دلبروں کے ساتھ
تم اہل دل ہو حق میں مرے یہ دعا کرو

گردوں نے طرفہ قلب درد آشنا دیا ہے
یعنی ہمیں یہ شیشہ ٹوٹا ہوا دیا ہے
کتنی گراں بہا ہے پاؤں کی ان کے ٹھوکر
قیمت میں اس کی سر کو ہم نے جھکا دیا ہے

آہ عالم کي هم اس وضع سے حیران هوئے
دشت یاں شهر هوئے شهر بیابان هوئے
دم میں آزاد کیا قید سے هستي کي همیں
تیغ قاتل کے تو هم بندہ احسان هوئے

هوئے هیں هم ضعیف اب دیدني رونا همارا هے
پلک پر اپني آنسو صبح پیري کا ستارا هے

غم شریف حرم کو یہ هے کہ حیف نہ گدائے شر اب خانہ هوئے

خواهشیں جمع تهیں دل میں سو کیا ان کو وداع
کوچ سے آگے هي سامان لٹایا هم نے

هوئے مغلوب شوق کار فرما آخر آخر هم
همیں تها اختیار آگے پر اب بےاختیاري هے
اُٹها سکتے نهیں بے طاقتي کا بار بهي اب هم
هوئے هیں ناتواں ایسے کہ جینا تک بهي بهاري هے

اگر باب اجابت تک رسا اپني دعا هوتي
تو جي میں تها کہ خواهان دل بے مدعا هوتے

مثنوی "عشق"

اے عشق امام ھے تو میرا   دین و اسلام ھے تو میرا

تو جان ھے جسم ناتواں میں   ھووے جو نہ تو تو پھر کہاں میں

کپڑوں کے نہ بند میں رھا میں   اس قید سے ھو گیا رھا میں

پوشش سے تو میں نے ھاتھ اٹھایا   عریانی کو پیرھن بنایا

ھے طرفہ مزا تری جفا کا   جی جانتا ھے مری وفا کا

شاھوں کی تباھی تونے چاھی   کشکول بنائے تاج شاھی

تو عقل کے ھوش کھو سکے ھے   جو چاھے سو تجھ سے ھو سکے ھے

بیدار

نام میر محمدی ' دهلی کے رهنے والے مولانا فخرالدین کے مرید اور مرتضی قلی خاں کے شاگرد تھے - اپنے استاد سے زیادہ مشہور هوے -

دهلی سے اکبرآباد چلے گئے تھے وهیں وفات پائی - صاف شعر کہتے هیں ' اور مضمون آفرینی کی کوشش کرتے هیں ان کی غزلوں میں جا بجا تصوف کی جھلک بھی دکھائی دیتی هے - فارسی کی دل آویز ترکیبیں استعمال کرتے هیں -

---

انتخاب

اشک سے سوز غم عشق مٹایا نہ گیا
شعلہ اس آگ کا پانی سے بجھایا نہ گیا

ایک بھی تار نہیں تا سر دامن ثابت
اس طرح چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
نظر آتی ہی نہیں صورت جاناں دل میں
عکس آئینے میں پنہاں نہ ہوا تھا سو ہوا

جو کچھ کہ تھا وظائف و اوراد، رہ گیا
تیرا ہی ایک نام فقط یاد رہ گیا
کس کس کا دل نہ شاد کیا تونے اے فلک
اک میں ہی غم‌زدہ ہوں کہ ناشاد رہ گیا
"بیدار" راہ عشق کسی سے نہ طے ہوئی
صحرا میں قیس، کوہ میں فرہاد رہ گیا

طلب میں تیری اک تنہا نہ پائے جستجو ٹوٹا
کہ نایابی سے تیری تار تار آرزو ٹوٹا

کیا ہنگامۂ گل نے مرا جوش جنوں تازہ
اودھر آئی بہار، ایدھر گریبان کا رفو ٹوٹا

ہم خاک بھی ہوگئے پر اب تک جي سے نہ ترے غبار نکلا

کروں ہوں شاد دل اپنا ترے تصور سے
اگر یہ شغل نہ ہوتا تو کیا کیا کرتا

اس نے یاں تک کبھي گذر نہ کیا تونے اے آہ کچھہ اثر نہ کیا

ہو گیا گرتے ھي تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا "بیدار" یہ یا آگ کا پرکالہ تھا

نہیں رہا ھے کسي کے اب اختیار میں دل
کیا ھے قصد مگر تونے دل ربائی کا
جہاں ہو نقش قدم اُس کا دیکھ لو "بیدار"
کہ واں نشان ھے میری بھي جبہہ سائي کا

تھي جو رسوائي ہو چکی "بیدار"
پاس ناموس و ننگ کیا ھے اب

پھر سرنو سے بیاں کر ! اس کو تو اے قصہ خواں
بوئے درد آتي ھے مجھہ کو تیرے آفسانے میں آج
پھونک دی یہ آگ کس کے حسن بزم افروز نے
بحث جینے کي ھے باھم شمع و پروانے میں آج

ھوں میں پا بند الفت صیاد کب مجھے باغ و بوستاں ھے یاد

نہ تاب ھجر کی رکھتا ھوں نا امید وصال
خدا ھی جانے کہ کیا ھوگا اس کا آخر کار

آخر اے دل تونے دیکھا کیا ستم تجھہ پر ھوا
ھم نہ کہتے تھے کہ ظالم اس سے مت کر اختلاط
آتش حسرت میں ھو جاتے ھیں لخت دل کباب
اُس لب مے گوں سے جب کرتا ھے ساغر اختلاط
دل سے اپنے وہ خبر دار اُس کي باتوں پر نہ بھول
بے سبب کرتا نہیں ھے وہ ستم گر اختلاط

اے شیخ تو اُس بت کے کوچے میں تو جاتا ھے
ھو جائے نہ یہ سبحہ زنار خدا حافظ

دے تو اس ابر سیہ میں جام جلدی سے مجھے
دل بھرا آتا ھے میرا دیکھہ کر صہبا کا رنگ

اس آئینہ رو کے ہو مقابل معلوم نہیں کدھر گئے ہم
گو بزم میں ہم سے وہ نہ بولا باتیں آنکھوں میں کر گئے ہم
پاتے نہیں آپ کو کہیں یاں حیران ہیں کس کے گھر گئے ہم

فتراک سے باندہ خواہ مت باندہ
اب تیرے شکار ہو گئے ہم

تیرے حیرت زدگاں اور کہاں جاتے ہیں
کھوئے گر آپ سے جاتے ہیں تو واں جاتے ہیں

ایک دم بھي نہیں قرار مجھے
اے ستمگار کیا کروں تجھ بن

انجمن ساز عیش تو ہے یہاں
اور پھر کس کي آرزو ہے یہاں

کون ہے کس سے کروں درد دل اظہار اپنا
چاہتا ہوں کہ سنو تم سو کہاں سنتے ہو

منھ نہ پھیرا کبھی جفا سے تري
آفریں دل کو، مرحبا دل کو

ہے زمانے سے جدا روز و شب سوختگاں
شام کہتے ہو جسے ہے سحر پروانہ

اپنے اوپر تو رحم کر ظالم   دیکھ مت بار بار آئینہ

"بیدار" چھپانے سے چھپتے ہیں کوئی تیرے
چہرے سے نمایاں ہیں آثار محبت کے

درپہ اے یار تیرے آ پہنچے   طپش دل نے رہ نمائی کی

اب تک مرے احوال سے واں بے خبری ہے
اے نالۂ جاں سوز ! یہ کیا بے اثری ہے
تیرا ہی طلبگار ہے دل، دونوں جہاں میں
نے حور کا جویا ہے نہ مشتاق پری ہے

ساقی نہیں ہے ساغر مے کی ہمیں طلب
آنکھیں ہی تیری دیکھ کے بے ہوش ہوگئے

تو نہ ہووے تو اے مہ تاباں
چاندنی رات خوش نہیں آتی

ربط جو چاهے هے "بیدار" سو اُس سے معلوم
مگر اتنا کہ ملاقات چلي جاتي هے

رخ تاباں سے تمہارے کہ هے خورشید مثال
در و دیوار سبھي مطلع انوار هوئے

نذر میں اُس شہہ خوباں کے کروں کیا "بیدار"
دل هے سو داغ هے' جاں هے سو غم اندوختہ هے

سجاد

نام میر محمد " سجاد " اکبرآباد کے رهنے والے تھے - علم طب فن انشا ور طلسمات کے ماهر تھے " میر " نے ان کا شمار استادان فن میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے کلام میں الفاظ کي بندش کا اهتمام زیادہ ہے تاهم معني کی دل‌نشیني بھي موجود ہے - ایک شعر کي نسبت کہتے هیں کہ جی چاهتا ہے اس کو سو مرتبہ لکھوں وہ شعر یہ ہے :—

عشق کي ناؤ پار کیا هووے
جو یہ کشتی تري تو بس ڈوبی

ان کے اشعار میں آمد کا رنگ نمایاں ہے - جہاں آورد ہے وهاں بھی بے ساختگی پیدا کرنے کی کوشش کي ہے - محاورہ بندی ان کی خاص شان معلوم هوتی ہے - بعض جگہہ پوری مثل مصرعہ کی صورت میں باندھی ہے -

انتخاب

ساقي ! بغير جام کے جيو کا نهيں بچاؤ
جوں فيل مست آوے هے ابر سيه بلا

کيوں مشت گل بهی دل کی نه رونے ميں بہہ گئي
" سجاد " مجهه کو باقي هے چشموں سے یه گلا

تجهه کو اے "سجاد" غير از خنجر بيداد کے
اور بهي کچهه ظالموں کي دوستي نے پهل ديا

جو دل هے گلوں سے اٹکتا هوا وہ کانٹا هے جی میں کهٹکتا هوا

بتاں تو چاهتے " سجاد " تجهه کو
کریں پر کیا ؟ خدانے جو نه چاها

آتش غم نے هم کو سرد کیا
دل پهپهولا هوا وہ درد کیا

بتوں کي بھي يہ ياد دو روز ھے　　　ھميشہ رھے نام اللہ کا

اب جلائے تک آن کر ساقي　　　عمر کا بھر چکا ھے پیمانا

عشق میں جائےگا کہیں مارا　　　بے طرح دل ھوا ھے آوارا

" سجاد " کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی
ھے زندگی ھماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی　　　نہ دل اپنا ھوا نہ یار اپنا

لائے ھو تم میرے آگے کیا دوا　　　خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

میں نے جانا تھا قلم بند کرے گا دو حرف
شوق کے لکھنے کا " سجاد " نے دفتر کھولا

مرے دیکھ کر حال داماں کا　　　پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر اک دم میں پست ھو جا
گر مےکشوں میں آیا زاھد تو مست ھو جا

کوئی جا کے قاتل کو سمجھائے گا
کہ عاشق کا جی کھو کے کیا پائے گا

شتابی پلا لے کہ جاتا هے ابر   جو کچھہ باقي ساقی رهي هو شراب

دل آبادي میں تنہا کھینچ مت رنج
کہ ویرانے میں دیوانوں کا هے گنج

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل
وہ بات هے کہ سانچ کو هرگز نہیں هے آنچ

بند میں مت رہ دوانے عقل کے
کر گریباں چاک چھاتي کھول کر

اس فصل گل میں جوش جنوں کا هوا وہ قہر
جنگل میں آ بسا هے نکل کر تمام شهر

سب هی جلتے تھے شمع و پروانہ
رات یہ دن تھے اهل مجلس پر

دوانے کا نہیں مطلب دوانا   تو کیوں نامے پہ هے سطروں کي زنجیر

شوق جنوں میں تیرے عوض، خاک چھب کی
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

میرے تمام حال کی تقریر ہے یہ زلف
روز سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب سے وہ رہتا ہے بیشتر
تنگ اس قدر ہے منھ کو نکلتا نہیں ہے حرف

جس خوب رو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حسن اتفاق

گلی میں تری، بیٹھتے ہی سجن
ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

" سجاد " فکر ہم نہ کریں کیونکہ شعر کی
لگتے ہیں جاکے یار کے منھ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جائے اسے
خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مزے در کنار ہوتے ہیں

تا خدائي تک ایک کر ساقي ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

کس طرح کوہ کن پہ گذرے گی ہجر کي یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیاری بھری ہوئي
آنکھیں نشہ کے بیچ تمہاری گلابیاں

میں جو اس کی گلي میں جاتا ہوں
دل کو کچھہ گم ہوا سا پاتا ہوں

دیکھوں طبیب دریئےدارو ہے کب تئیں
مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں
منھہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جاے سر
جاں! اتنا کوئی جی رکھتا نہیں

صیتِ شعر اب مرا ہوا ہے بلند
شاعروں سے کہو کہ فکر کریں

لب شیریں پہ اس کے مرتا ہوں
زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ "سجاد" کے دل کی جلنے کی قدر
نہیں بوجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق
اس آبلے کو کیوں تم کانٹوں میں کھینچتے ہو

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز یوسف اپنا پیرہن تہ کر رکھے

رات اس زلف کا وہ افسانہ قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

اپنے ہے خدا سے پیری ، میں بت پرستی ہے اور جوانی ہے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے جو یہ کشتی تری تو بس ڈوبی

بتوں کے تئیں کس قدر جانتا ہے
یہ کافر مرا دل ، خدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہونچتے ترے آستاں تلک
تب تک ہماري خاک کی مٹي خراب ہے

کچھہ یہ "سجاد" کے جی پر ہي عجیب حالت ہے
ورنہ دیکھے ہیں میں اس درد کے بیمار کئي

اے صنم زنار پہنی تجھہ وفا کے واسطے
ورنہ کافر کون ہوتا ہے خدا کے واسطے

ماہ رو بن، یہ شمع، محفل میں   جیسي روشن ہے سب پہ روشن ہے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں
کیا پھپھولوں نے سر اٹھایا ہے

کیسے جنگل اجاڑ کو دیکھیں   یہي "سجاد" دل میں بستی ہے

اس زمانے کی دوستي کا رنگ   آن میں کچھہ ہے آن میں کچھہ ہے

محسن

محمد محسن نام ' " حسن " خان آرزو کے بھانجے اور " میر " تقي میر کے شاگرد تھے ' بہ قول " قائم " نوجواني هي سے شعر و شاعري کی طرف مائل تھے ' کلام کا نمونہ یہ ھے :—

انتخاب

" محسن " مروں نہ میں تو بھلا ' جی کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا سو میں وہ بھي کھو چکا

جس دن تري گلی سے میں عزم سفر کیا
ہر یک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا

طبع نازک کو مري ھاتھ میں رکھیو تو کہ میں
قیس و فرھاد سا دھقانی و مزدور نہیں

کیا جانے وہ شوخ کدھر ھے کدھر نہیں
مجھ کو تو تن بدن کي بھی اپنی خبر نہیں

کب تلک نزع کي حالت میں رهوں میں اس بن
هو بهي اے مردن دشوار تک آسان کهیں

دورے گئے وہ کوہ کن و قیس کے جو تھے
میرے جنوں کا اب تو زمانے میں شور هے

اگر شیخ دوزخ میں گرمي هے زور
مرے پاس بهي اک دم سرد هے

دل مرا وابستۂ هر تار زلف یار هے
هے تو دیوانہ پر اپنے کام میں هشیار هے
اور یہ عاجز تمہارا کچھہ نہیں رکھتا مگر
جان بر لب آمدہ حاضر هے گر درکار هے

قائم

نام شیخ قیام‌الدین ' چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے تھے '
ملازمت کی وجہ سے دہلی میں قیام رہا - اس وقت دہلی کی فضا پر
شاعری چھائی ہوئی تھی' " قائم " کو بھی دہلی میں آکر مشق سخن
کا شوق ہوا - ابتداء " میر درد " کو اپنا کلام دکھاتے رہے ' اس کے
بعد مرزا " سودا " کے شاگرد ہو گئے - دہلی کی تباہی کے بعد "قائم"
اپنے وطن میں چلے آئے ' کچھ دنوں رہ‌کر رام پور گئے - وہاں نواب احمد
یار خاں نے ان کی تنخواہ مقرر کردی جو ان کے لئے ناکافی تھی لیکن
کچھ دنوں اسی پر قناعت کی ' آخرکار لکھنؤ پہونچے ' اور ان کی
جو جائدادیں ضبط ہوگئی تھیں ان کی بحالی کے لئے مہاراجہ ٹکیت‌رائے
کی تحریر لے کر وطن واپس ہوئے - وطن سے پھر عازم رام پور ہوے اور
سنہ ۱۲۱۰ھ میں وہیں سپرد خاک ہوے -

" قائم " با کمال اور نازک خیال سخن‌ور تھے - ان کی فکر رسا
فطرت بلند اور طبیعت معنی یاب تھی - مضمون آفرینی اور قادرالکلامی
میں " میر " اور " سودا " کے قریب پہنچ جاتے ہیں - اِن کا شمار
اُن لوگوں میں ہے جنھوں نے اردو شاعری کا پایہ بلند کر دیا اور ثابت

کر دیا کہ اردو زبان بھی باریک خیالات اور نازک جذبات کے اظہار کی قدرت رکھتی ہے - ان کا یہ دعوی ہے اور صحیح ہے :—

قائم میں غزل طور کیا ریختہ ورنہ
اک بات لچر سی بہ زبان دکنی تھی

زبان کی اصلاح میں '' قائم '' اپنے استاد '' سودا '' سے زیادہ کوشاں نظر آتے ہیں ' حتی الوسع الفاظ ثقیل سے پرھیز کرتے ھیں' اور ترکیب کی خوبی اور بندش کی چستی سے مضمون کو دل نشیں بنانے کی کوشش کرتے ھیں -

انتخاب

پھر کے جو وہ شوخ نظر کر گیا
تیر سا اک دل سے گذر کر گیا
چھپ کے تیرے کوچے سے گذرا میں لیک
نالہ اک عالم کو خبر کر گیا

اے ابر! اپنے گریئے میں جس وقت جوش تھا
جو قطرہ اشک کا تھا سو طوفاں خروش تھا
" قائم " تو اپني هستی نہ سمجھا کہاں تلک
اے خانماں خراب کوئی یہ بھی هوش تھا

عار ھے ننگ کو مجھ نام سے، سبحان اللہ
کام پہونچا ھے کہاں تک مری رسوائي کا

عہدے سے تیرے، یار! بر آیا نہ جاے گا
یہ ناز ھے تو هم سے اٹھایا نہ جائے گا
دل کو نہ صرف گریہ کر اے چشم اشک بار
ایسا رفیق ڈھونڈھے بھي پایا نہ جائے گا

ٹوٹا جو کعبہ ' کون سی یہہ جائے غم ہے شیخ
کچھہ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
"قائم" خدا بھي ہونے کو جو جانتے ہیں ننگ
بندا تو اُن کے پاس کہایا نہ جائے گا

سلے کو دیکھے پہ ہم دیویں کس طرح ترجیح
خدا کو ہم نے سنا ہے تمہیں بتاں دیکھا

غرور مجھ کو نہیں شیخ بےگناہی کا
امیدوار ہوں میں رحمت الہی کا
ہمیشہ خوف میں رہ دل تو گو ہے بے تقصیر
مباد جرم کہیں تجھ پہ بے گناہی کا
فلک جو دے تو خدائی تو اب نہ لے " قائم "
وہ دن گئے کہ ارادہ تھا بادشاہي کا

بے دماغي سے نہ اُس تک دل رنجور گیا
مرتبہ عشق کا یاں حسن سے بھي دور گیا
آہ پہلو میں سے میرے دل رنجور گیا
تا کجا ضبط نفس کیجئے کہ مقدور گیا

مرے نزدیک دل سے درد پہلو اور بہتر تھا
عوض اُس چشم کے ہوتا اگر ناسور ' بہتر تھا

هریک سے راز دل کہہ کے تو یاں رسوا ہوا "قائم"
بھلا اے بے خبر یہ بھی کوئی مذکور بہتر تھا

کب میں کہتا ہوں کہ تیرا میں گنہ گار نہ تھا
لیکن اتنی تو عقوبت کا سزاوار نہ تھا
لے گیا خاک میں ہمراہ دل اپنا "قائم"
شاید اس جنس کا یاں کوئی خریدار نہ تھا

عوض طرب کے گذشتوں کا ہم نے غم کھینچا
شراب اوروں نے پی اور خمار ہم کھینچا
طریق عشق میں کہہ بوالہوس سے جائیں ہیں سر
بھلا ہوا کہ تو اس راہ سے قدم کھینچا
خلش تھی مد نظر ہم سے حرف گیروں کو
سو ہم نے ہاتھ ہی لکھنے سے یک قلم کھینچا

درد دل کچھ کہا نہیں جاتا — ہائے چپ بھی رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم — کیا کروں پر رہا نہیں جاتا

ہم بھی ہر طرح تری دوری میں دل شاد کیا
ہچکی گر آئی تو سمجھے ہیں کہ تیں یاد کیا
کوہ اور دشت میں بھی ہم نہ رہے آسودہ
ماتم قیس کیا یا غم فرہاد کیا

وہ حال سے مرے اتنا نہ بے خبر ہوتا
اگر مرا اثر آہ ' نامہ بر ہوتا

ظالم تو میري سادہ دلي پر تو رحم کر
روٹھا تھا تجھ سے آپ هي اور آپ من گیا

اے نزع پھر قریب ہے شام شب فراق
یہ مرحلہ تو اب تئیں یک سو نہیں کیا

جب تک هی مثل آئینہ امکان دیکھنا
دکھلائے جو فلک سو مري جان دیکھنا
سر سے کفن کو باندہ کے آیا ہے تجھ تلک
عاشق کا اپنے تک سر و سامان دیکھنا

قدم تو کس کا ترے کو میں پھر گیا ہوگا
گیا بھي ہوگا کسي کا ' تو سر گیا ہو گا
گلے سے اس کے جو ''قائم'' کو لائے هم تو کہا
یہ دل پہ نقش ہے اب تک کہ پھر گیا ہوگا

گو تغافل سے میرا کام ہوا　　پر بھلا تو تو نیک نام ہوا

مرے دماغ سے مانوس ہے شمیم صبا
کسی کے کوچے سے آئی مگر نسیم صبا
گل شگفتۂ دیروزہ ہوں میں گلشن میں
زیادہ باد خزاں سے ہے مجھ کو بیم صبا

جب سنگ آستانہ ترا تکیہ گاہ تھا
ہم کو بھی کوئے عشق میں اک عز و جاہ تھا

قسمت تو دیکھ ٹوٹی ہے جا کر کہاں کمند
کچھ دور اپنے ہاتھ سے جب بام رہ گیا
نے تجھ پہ وہ بہار رہی اور نہ یاں وہ دل
کہنے کو نیک و بد کے اک الزام رہ گیا

موج گرداب کی طرح ہم نے گھر سے باہر کبھو سفر نہ کیا

ہم سے بےچاروں کا کچھ چرخ نے چارا نہ کیا
سب کیا ان نے پہ کچھ فکر ہمارا نہ کیا

رات کو چین ہے نہ دن کو تاب
دل ہے یا رب کہ پارۂ سیماب
دل گنوانا تھا اس طرح "قائم"
کیا کیا تونے ہائے خانہ خراب

نکلی اُدھر زباں سے ادھر جی نکل گیا
کیا جانے کیا بلا تھی کچھ آواز عندلیب

دیکھئے اب کی تپ عشق سے کیوں کر بیتے
غالب آیا ہے طبیعت پہ یہ آزار بہت
" قائم " آتا ہے مجھے رحم جوانی پہ تری
مر چکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

رہا میں اس سے گرفتہ اک عمر تک لیکن
کیا جو خوب تامل تو کچھ نہ تھا باعث

اے وہ کہ تو کرے ہے ہر آزار کا علاج
جز مرگ کچھ بھی ہے ترے بیمار کا علاج
اے ضبط گریہ روئیے کیوں کر نہ اب لہو
کچھ ہو سکا نہ دیدۂ خوں بار کا علاج

بیکسی اپنی کس کو سونپ مروں
میں تو رکھتا تھا اس کو جاں کی طرح

گردش میں ہوں میں رات دن ایام کی طرح
یہ چال ہے تو کون ہے آرام کی طرح

کچھ آج دل پہ یہ وحشت کا رنگ ہے صیاد
ترے قفس سے چمن مجھ پہ تنگ ہے صیاد
گئی بہار خزاں آئی ' گل ہوئے پامال
مری رہائی میں اب کیا درنگ ہے صیاد

نے غم اُس کے نے لیا دل کو نہ کی جان پسند
اور کیا چیز ہے گھر میں جو ہو مہمان پسند

ہم نشیں ! کہہ لے قصہ مجنوں   ہم کو بھی دل کی داستاں ہے یاد

بے شغل نہ زندگی بسر کر
گر اشک نہیں تو آہ سر کر
دے طول امل نہ وقت پیری
شب تھوڑی ہے قصہ مختصر کر
کچھ طرفہ مرض ہے زندگی بھی
اس سے جو کوئی جیا تو مرکر

تھی وفا اس مرتبہ یا بے وفائی اس قدر
آشنائی اس قدر نا آشنائی اس قدر

میں بعد مرگ بھی " قائم " چھٹتا نہ گردش سے
ہے میری خاک سے اس بزم میں ایاغ ہنوز

گو یاں نہ کسی کو آئے افسوس   حالت تو ھے اپني جائے افسوس

صحت کا جي میں چاؤ نہ آزار کی ھوس
نا گفتنی ھے کچھہ ترے بیمار کی ھوس
طوبیٰ کي چھاؤں تجھہ کو مبارک ھو زاھدا
ھے اپني دل میں سایۂ دیوار کی ھوس

گستاخ نہ ھو خاک نشینوں سے کہ " قائم "
دیکھي ھے چھپی راکھہ میں ھم بیشتر آتش

وعدہ جھوٹا بھی وہ نہیں کرتا
بس ھمیں انتظار سے کیا حظ
پونچھے آنسو نہ آستیں جو تري
دیدۂ اشک بار سے کیا حظ

شب میں چاھا کروں کچھہ اُس سے سوال
بن سنے ھی کیا جواب شروع
نام سنتے ھی اس کا کہوں " قائم "
پھر کیا تونے اضطراب شروع

جان بہ لب ھے دل، نہ کھاؤں کس طرح سینے میں داغ
نزع میں رنجور کی بالیں پہ لازم ھے چراغ

کس بات پر تری میں کروں اعتبار ھاے
اقرار اک طرف ھے تو انکار اک طرف

سو دیکھي جفا پہ منہ نہ موڑا
رحمت ھے تجھے وفائے عاشق
ھجراں میں بھی مر گیا نہ "قائم"
بس بس تو اور کھائے عاشق

دل دے کے دیا میں تجھ، کو جاں تک
اب اور جگر کروں کہاں تک

" قائم " جہاں کے بیچ تو آسودگي نہ ڈھونڈہ
ھر خار گلستاں میں ھمیشہ ھے پائے گل

اب کي جو یہاں سے جائیں گے ھم
پھر تجھ کو نہ منھ دکھائیں گے ھم

جب موج پہ اپني آگئیں چشم
دریا دریا بہاگئیں چشم

لے پہنچیو تو صحن چمن تک ہمیں نسیم
آمادۂ سفر ہیں بہ رنگ غبار ہم

جوں شمع جلتے مرتے ہی گذری تمام عمر
رکھتا ہے کوئي ایسے بھی شام و سحر کہ ہم
"قائم" یہ کہتے تھے کہ نہ مل اِن بتوں سے گرم
اب سنگ آستاں سے تو مارے ہے سر کہ ہم

شب اس سے لگ چلا تھا میں سو ہنس کر یہ لگا کہنے
کہ ہیں باتیں یہی اس جبہ و دستار کو لازم

اچھا تو ہے "قائم" کو دبا دیں جو اسی طرح
یہ آگ کا شعلہ نہیں رکنے کا کفن میں

اب تک بھي جنوں ہاتھ اُٹھاتا نہیں مجھ سے
ہر چند گریباں کے کئی تار رہے ہیں
دیکھا ہے جنھوں نے تجھے اے یوسف خوبی
سو جان سے تا زیست خریدار رہے ہیں
پوچھ ہم سے تو احوال خرابات کہ "قائم"
یک عمر ہم اس گھر میں بھي مختار رہے ہیں

سمجھ کے شیشہ دل کو پٹکیو اے بت مست
بہ جائے بادہ لہو ہے اس آبگینے میں
یہ جانتا میں نہیں ہوں کہ دل ہے کیا "قائم"
پر اک خلش سے رہے ہے مدام سینے میں

"قائم" اس باغ میں بلبل تو بہت ہیں لیکن
دل کھلے نالے سے جس کے ہے وہ آواز کہاں

کوئی مختار کہو یا کوئی مجبور ہمیں
ہم سمجھتے ہیں جہاں تک کا ہے مقدور ہمیں

جتنے اسباب تھے دنیا کی سو دیکھے "قائم"
اب وہ ہو فکر کہ ہم ترک سب اسباب کریں

دیکھا میں نہ جز سایہ بازوئے شکستہ
حرماں زدہ جوں حسرت بے بال و پری ہوں

اپنا قصور سعی ہے ملتا جو تو نہیں
کیوں کر ملے وہ جس کی ہمیں جستجو نہیں

جـور سپہر ، دوري ياران و روئے غير
جو کچھ نہ دیکھتا تھا سو اب دیکھتا ہوں میں

" قائم " یہ جي میں ہے کہ تقید سے شیخ کي
اب کی جو میں نماز کروں بے وضو کروں

رھنے دو میرے نقش کو ہو جائے تا غبار
لے جـائیگـي اڑا کے نسیـم سحـــر کہیں
روتے ھي تو گلوں ھی کو شبنم ! ادھر تو دیکھ
ٹکـڑے ھے اس طرح سے کسي کا جگر نہیں

"قائم" ھو کس طرح سے بہم ربط و اختلاط
وہ اس غرور ناز میں ہم اس حجاب میں

شام شب مزار ھوئي ، صبح زندگي
لیکن شب فراق کو اب تک سحر نہیں

ایک جاگہ پہ نہیں ھے مجھے آرام کہیں
ھے عجب حال مرا ، صبح کہیں ، شام کہیں

آنا ہے تو آو ورنہ پیارے
ہم آپ سے آج جارہے ہیں

گریبان کی تو "قائم" مدتوں دھجی اڑائی ہے
یہ خاطر جمع اس دن ہوئے جب سینے کو ہم چیریں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں
کہیئے ہم اعتبار کرتے ہیں

نت ہوں "قائم" خموش کیا جانے
کس تہي دست کا چراغ ہوں میں

میں اس اخفا سے تیري یاد میں دل شاد کرتا ہوں
کہ خود واقف نہیں اب تک میں کس کو یاد کرتا ہوں

"قائم" اک بات میں جیتا ہے تمہاري' لیکن
پرسش حال تم اوس خستہ کی کب کرتے ہو

جانے دو جو نصیب میں ہونا تھا سو ہوا
یارو خدا کے واسطے تکرار مت کرو

رہ جا کہ کہوں کا حال دل کا
آ جائیں تنک حواس مجھ کو
حیرت نے کیا ہے اک جہاں کا
جوں آئینہ روشناس مجھ کو

مری نظر میں ہے "قائم" یہ کائنات تمام
نظر میں گو کوئی لاتا نہیں یہاں مجھ کو

یہ کون طرز وفا ہے جو ہم سے کرتے ہو
میاں خدا نہ کرے تم خدا سے ڈرتے ہو

اک ہمیں خار تھے آنکھوں میں سبھوں کے سو چلے
بلبلو خوش رہو اب تم گل و گلزار کے ساتھ

شمع تک جاتے ہوئے دیکھا تھا اُس کو "قائم"
پھر نہ معلوم ہوئی کچھ خبر پروانہ

جوں موج، مرا قافلہ غافل ہے سفر سے
کیا جانے کہاں جائے گا آیا ہے کدھر سے

ساقیا دور کیا کرے ہے تمام آپ ہی آپ دور چلتا ہے

عذر ستم عبث ہے کہ گذرا جو کچھ ہوا
منظور گر ہے لطف تو آئندہ کیجئے

شب کو تو شغل گریہ ہے اور دن کو مشق غم
اوقات اس طرح کوئی کب تک بسر کرے
پہلے ہی سوجھتی تھی ہمیں اے شب فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے
کہتے ہیں لوگ گالیاں "قائم" کو دے گیا
اے کاش یہ سلوک وہ بار دگر کرے

مجھ سا بھی تری چشم کا بیمار ہے کوئی
جینے کی بھی جو شکل سے بیزار ہے کوئی

مر جائیے کسی سے الفت نہ کیجئے
جی دیجئے تو دیجئے پر دل نہ دیجئے

شب، غم سے مری جان ہی پر آن بنی تھی
جو بال بدن پر تھا سو برچھی کی انی تھی

روز و شب ہے حالت انجام مےنوشی مجھے
کس کی آنکھوں نے کیا پیغام بے ہوشی مجھے
منحصر ہے شرح سوز دل پہ میری زندگی
شمع ساں مرتا ہوں گر اک دم ہو خاموشی مجھے

دامان گل تئیں ہے کہاں دسترس مجھے
تکلیف سیر باغ نہ دے اے ہوس مجھے
ساقی نہ کھینچ مجھ کو تو مستوں کے دور میں
تک گردش نگاہ ہی تیری ہے بس مجھے
"قائم" میں عندلیب خوش آہنگ تھا پہ حیف
زاغ و زغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

کہتے ہیں خوش دلی ہے جہاں میں، یہ سب غلط
رنج و تعب ہی ہم نے تو دیکھا جدھر گئے
بھٹکا پھروں ہوں یاں میں اکیلا جو ہر طرف
اے ہم رہان پیش قدم، تم کدھر گئے

دو چیزیں ھیں یادگار دوراں تیرا ستم، اپني جاں فشاني

کس کس صورت سے جلوہ گر ھے اللہ رے نمود بے نشاں کي

دل ڈھونڈھے ھے سینے میں مرے، بوالعجبي ھے
اک ڈھیر ھے یاں راکھہ کا اور آگ دبي ھے
کیا پوچھتے ھو موجب آزردگي یار
دل لے چکے مدت ھوئی اب جاں طلبی ھے

جنوں کے ھاتھہ سے گو ناتواں ھوں
گریباں تک مري تو دسترس ھے
نہ پوچھو مجھہ سے گلشن کی حقیقت
برس گذرے کہ میں ھوں اور قفس ھے

صدموں سے یاں طپش کے نے بال ھے نہ پر ھے
اے شوق پر فشاني! کہہ تیری کیا خبر ھے

آج اے گریہ خبر لے مرے دیوانے کی
کچھہ رکا جاے ھے جي گرد سے ویرانے کی
آج کی رات میسر ھو جو اس گل کا وصال
شمع روشن کروں میں خاک پہ پروانے کي

مرا پیغام بر طرز ادائے ناز کیا سمجھے
خدا جانے یہ کیا بھکے وہ مست ناز کیا سمجھے

عوض امید کے اب دل کو یاس آئی ہے
عجب زمانے نے جی سے خلش مٹائی ہے

پھرے زمانہ جہاں تک ہے ہم سے یا نہ پھرے
کسو کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا؟ خدا نہ پھرے

نیا ہر لحظہ ہر داغ کہن ہے
بہار سینہ رشک صد چمن ہے
یہ صحرا ہے بھلا دیکھیں تو بارے
جنوں کیسا ترا دیوانہ پن ہے

صبر و قرار و ہوش و دل و دیں تو واں رہے
اے ہم نشین یہ تو بتا ہم کہاں رہے
دل میرا دیکھ دیکھ جلتا ہے
شمع کا کس پہ دل پگھلتا ہے

اے گریہ یہ دعا کر کہ شب غم بسر آوے
تا چند ہر اک اشک کی تہہ میں جگر آوے

نے ناز و نہ عشوہ ہے نہ تقطیع نہ چھب ہے
دل کو جو لبھائے ہے وہ کچھ اور سبب ہے

نہ پوچھو کیونکہ میری ان دنوں اوقات کٹتی ہے
کہ دن گر رو کے گذرے ہے تو مرکر رات کٹتی ہے

ہنوز شوق دل بے قرار باقی ہے
بجھی ہے آگ تو لیکن شرار باقی ہے

سحر ہے ' رات بیتی' مئے ہے شیشے میں' ابھی باقی
ادر کاساً و نا ولہا الا یا ایہا الساقی

لبریز شوق میرا از بسکہ مو بہ مو ہے
سمجھا نہ میں یہ اب تک یہ میں ہوں یا کہ تو ہے

" قائم " شباب ہی کے مناسب تھا شور عشق
جانے دے اب یہ کام کہ وہ ولولے گئے

بیتاب

سنتهوکهہ راے نام ' " قائم " کے معاصر تھے ان کے کلام میں پختگی ' سوز و گداز اور بے ساختگی پائی جاتی ھے -

اِنتخاب

نہ رھے باغ جہاں میں کبھو آرام سے ھم
پھنس گئے قید قفس میں جو چھٹے دام سے ھم

اپنے مذھب میں ھے اک شرط طریق اخلاص
کچھہ غرض کفر سے رکھتے ھیں نہ اسلام سے ھم

گو کہ تجھہ لطف کے قابل دل رنجور نہیں
پر تیری بندہ نوازی سے یہ کچھہ دور نہیں

محبت کی بھی کچھہ ھوتی نہیں کیا ھم نشیں راھیں
کہ خوباں یوں ھمیں دکھہ دیں ھم ان کو اس طرح چاھیں

آہ دی سینے میں آتش کون سی بے درد نے
دل سے لے کر منھہ تلک امڈا ھوا اک دود ھے

مدت سے انتظار میں اپنی کٹتی ہے یاں
اب تک جو ہم نہ آئے الٰہی کہاں رہے

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تا ثیر مجنوں کی
کہ بن لیلے نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی

عشق میں کاہے وصل گہ نہیں ہے
نت نیا یاں ماجرا درپیش ہے

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے
نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے

(رباعی)

یاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے
ہل مل غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر
اِس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

مجذوب

مرزا غلام حیدر نام ' دهلي کے رهنے والے مرزا رفیع سودا کے (متبنٰے)
اور شاگرد هیں غزل میں " سودا " کا رنگ نمایاں هے ' صفائي
میں " سودا " سے زیادہ' درد اور گداز میں کم هیں -

انتخاب

چمن میں حسن کی مے جب وہ گل اندام لے آیا
ادهر غنچه صراحي اور ادهر گل جام لے آیا
عجب قسمت هے اپنے دل کی بازار محبت میں
جو کوئي صبح اس کو لے گیا تو شام لے آیا

خوباں سے جو دل ملا کرے گا
دهر کا هے یهي ' که کیا کرے گا

پهرتا تجهے خورشید جو دیکهے به سر بام
گردش کو کرے اپني ' فراموش فلک پر

بد کہنے کو کسی کے معیوب جانتے ہیں
اپنے تئیں کو یارو ہم خوب جانتے ہیں
خاطر میں کون لاوے میرا سخن کہ مجھ کو
"سودا" کا بیٹا مجھ کو "مجذوب" جانتے ہیں

عداوت سے تمہاری کچھ اگر ہووے تو میں جانوں
بھلا تم زہر دے دیکھو اثر ہووے تو میں جانوں
تمہارا ہم سے جو عہد وفا ہے، اُس کو تم جانو
مرا پیمان کچھ نوعِ دگر ہووے تو میں جانوں
نہ اندیشہ کرو پیارے! کہ شب ہے وصل کی تھوڑی
تم اپنی زلف کو کھولو سحر ہووے تو میں جانوں

آوے بھی مسیحا مری بالیں پہ تو کیا ہو
بیمار یہ ایسا تو نہیں جس کو شفا ہو
"مجذوب" ترے عجز و تکبر سے ہوں نالاں
بندہ کبھی ہو بیٹھے ہو، گاہ خدا ہو

گزرے ہے یوں خیال وطن جوں کرے ہے یاد
خو کردۂ قفس گل و گلزار گاہ گاہ
طاقت کہاں کہ حال کہے یہ طبیب سے
تھنتی بھرے ہے سانس یہ بیمار گاہ گاہ

زلفوں کو گرہ دینے سے کچھ فائدہ اے یار
ناحق تو مری عمر کو کوتاہ کرے ہے

اشک آنکھہ میں ہو' عشق سے تا' دل میں غم رہے

یہ گھر ہے وہ خراب جو آتش سے تھم رہے

چھوٹے اگر قفس سے تو خاموش ہم صفیر

صیاد نے سنا یہ ترانہ تو ہم رہے

شکر ہم اس طرح جہاں سے چلے

یاد بھی کچھہ نہیں کہاں سے چلے

طوبے کے نیچے بیٹھہ کے روؤں گا زار زار

جنت میں تیرے سایۂ دیوار کے لئے

ماهر

فخرالدین خاں نام ، آباو اجداد دهلی کے رهنے والے تهے ، مگر ماهر نے لکهنؤ میں قیام کر لیا تها - اشرف علي فغاں کے بیٹے اور "سودا" کے شاگرد تهے -

---

انتخاب

چشم اس سے تر حم کی نه رکهه! رو رو کے " ماهر "
کب پونچهے هے وہ دیدۂ خوں‌بار کسو کا

جو اُس کے درپه بیٹهے هیں ، سمجهتے هیں وہ در کس کا
هوے جو اُس کے آوارہ وہ کهتے هیں که گهر کس کا

میں تو مانوں ترا سخن ناصح
پر ، نهیں دل په اختیار اپنا

مدت هوئي که دل کی مجهه تک خبر نه پهونچي
ملتا نهیں نشاں کچهه اس بے نشاں سے مجهه کو

تو تو کب اعتبار مانے ہے　　جس پہ گذرے ہے سو ہي جانے ہے

سبز و خرم تر و تازہ ہے گلستاں ہر چند
تو ہی جب پاس نہ ہو کیوں کہ یہ شاداب لگے

کوئي نہ بھلا کام ہوا عمر میں ہم سے
اُمید ہے بخشش کي مگر تیرے کرم سے

ممتاز

حافظ فضلو نام، سودا کے شاگرد تھے ان کا وطن دھلی تھا مگر کچھہ دنوں دکھن میں بھی قیام کر لیا تھا -

ممتاز کي زبان میں صفائي اور رواني، بیان میں درد و اثر اور تشبیہات و تمثیلات میں جدت و ندرت ھے -

---

انتخاب

ھزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ھنوز حوصلہ باقی ھے آشنائی کا

ڈروں میں کس لئے رنجش سے پیار میں کیا تھا
میں اب خزاں کو جو روؤں بہار میں کیا تھا
جفائے یار نے کس طرح کردیا مایوس
اور ان کی خاطر امید وار میں کیا تھا
ترے ھی واسطے آئے عدم سے ھم یہاں تک
و گر نہ ھستئی نا پائیدار میں کیا تھا

کیوں کہ سر سبز ھو شاھی و گدائي کی ھوس
رہ گئي آہ مرے دل میں خدائی کي ھوس

بال و پر توڑ کے جب تونے قفس کو سونپا
وہیں آخر ہوئی صیاد رہائی کی ہوس

گذرا کبھی شاید کہ وہ بے باک چمن میں
آتا ہے نظر جامۂ گل چاک چمن میں

جو کیفیت نہ ہو مستی میں کیا خمار میں ہو
جو رنگ و بو نہ ہو گل میں تو کیا بہار میں ہو
نہ کر تو صبر نصیحت کا ہم پر اے "ممتاز"
سخن تو کہتے ہیں اس سے جو اختیار میں ہو

بے نیازی عشق کی وہ کچھ تمہارا ناز یہ
اُس کا کیا انجام ہو گا جس کا ہے آغاز یہ

عشق کے غم سے کوئی عیش مقدم نہ سمجھ
یہ عجب طرح کی شادی ہے اسے غم نہ سمجھ

ہمارے رونے میں دل سے بخار اٹھتا ہے
کہ جیسے پانی کے چھڑ کے غبار اٹھتا ہے

عشق میں عرض تمنا مانع دیدار ہے
میرا ہی دست دعا منھ پر مرے دیوار ہے

ھدایت

ھدایت‌اللہ نام، شاہ جہاں آباد کے رھنے والے، خواجہ میر درد کے شاگرد اور معتقد تھے، غزلوں کے علاوہ رباعیاں، اور بنارس کی تعریف میں ایک مثنوی بھی لکھی ھے - شاعري کی طرح طبابت میں بھي مشہور تھے میر قدرت‌اللہ قاسم ان کے ارشد تلامذہ میں تھے -

ھدایت اعلیٰ درجے کے غزل گو شاعر ھیں، انساني فطرت کا انھوں نے گھري نظر سے مطالعہ کیا ھے - دلي حالت کے وہ نازک تغیرات جو عام نظروں سے اوجھل رھتے ھیں اُن کی باریک بیں نگاھیں اُن کو دیکھ لیتي ھیں اور وہ ان کو عام فہم اور پر اثر انداز میں بیان کر سکتے ھیں - اُن کے منتخب کلام میں " میر " کی شاعري کا لطف ملتا ھے -

ھدایت نے سنہ ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا -

انتخاب

نہ رحم اس کے ہے جی میں نہ دل میں اپنے صبر

ہماری گزرے گي کیوں کر الهي کیا ہوگا

دیکھہ اس کي چشم مست کو دل تو بہک گیا

بس میري جان! دوهی پیالوں میں چھک گیا

دیکھا نہیں ہے هم نے " هدایت " کو ان دنوں

شاید کسي جگهہ یہ دل اس کا اتک گیا

ہے آدمي کو بھي قید حیات ان دنوں

کسي نے خوب کہا ہے موا سو چھوت گیا

آیا ہوں تنگ کشمکش دام زلف میں

یارو میں کس بلا میں گرفتار ہو گیا

کچھہ ان دنوں ہے حال " هدایت " ترا تباہ

کیوں میري جان! کیا تجھے آزار ہو گیا

اک دن بھي مہربان نہ وہ بے وفا ہوا
اے آہ و نالۂ سحری تم کو کیا ہوا ؟

رہا مرتے مرتے مجھے غم اسي کا
نہیں بعد میرے کوئي بیکسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
میں منہہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا

روے ہے کیا جواني پہ اپني کہ بے خبر
شب کیا گذر گئي ہے کہ اب دن بھی ڈھل گیا
لب پر ہزار حرف شکایت کا تھا ہجوم
مکھڑے کو دیکھتے ہی پہ کچھہ دل بہل گیا

ہر لخت دل گلے کا مرے ہار ہو گیا
گل تھا پر اپني چشم میں یہ خار ہوگیا
ہے کس کے جي میں خواہش سیر چمن یہاں
سینہ تمام داغوں سے گلزار ہو گیا

جاتا رہا ہوں آپ بھي میں اپني یاد سے
کیا جانئے کہ کس نے فراموش کر دیا
مجلس میں رات اس کي " ہدایت " نے سوز دل
یاں تک کہا کہ شمع کو خاموش کر دیا

نے جم رہا، جہان میں ، نے جام رہ گیا
مردوں کا اس جگھہ میں مگر نام رہ گیا
کوئي پھرا نہ ملک عدم سے تو اب تلک
پایا جہاں کسو نے کچھہ آرام رہ گیا

نہ صحن باغ میں لگتا ہے جی نہ صحرا میں
ہوا ہوں آہ میں یارب کس انجمن سے جدا

نہ ملے کارواں سے ہم اے وائے گرچہ کتنا جرس پکار رہا

جس دم زباں پہ یارا ترا نام ہو گیا
کچھہ دل کو چین ، جان کو آرام ہوگیا

ناتوانی کا بھی احساں ہے مری گردن پر
کہ ترے پاؤں سے سر مجھہ کو ہٹانے نہ دیا

یار ، ہم میں ہے "ہدایت" جلوہ گر
جس طرح ہو گوہر یکتا میں آب
یہ نہیں معلوم ہرگز آپ کو
آب میں دریا ہے یا دریا میں آب

تیری زلفوں کی کچھہ چلی تھی بات
روتے ہی گزری ساری رات

دل تو سمجھائے سمجھتا ہے کبھو پر "ہدایت" چشمِ تر کا کیا علاج

کتنی ہی نہیں یہ ہجر کی شب یارب کیا آج سوگئی صبح

تونے گر قتل کیا ہم کو صنم خوب کیا
ہاں میاں سچ ہے کہ ایسے ہی گنہ‌گار تھے ہم

تم نہ فریاد کسی کی نہ فغاں سنتے ہو
اپنے مطلب ہی کی سنتے ہو جہاں سنتے ہو

کس دل جلے کی خاک سے گزری چمن میں آج
دیکھا عرق فشاں میں نسیم بہار کو

تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو
لگتی ہے ٹھیس، نکہتِ گل سے دماغ کو

کرتا نہیں ہے جانے کو دل، کوئے یار سے
گو اس میں جی رہے نہ رہے ہم تو یاں رہے

کیا خاک کو کہیں مری، گلشن میں جا نہ تھی
پر چشم تجھ سے ہائے مجھے یہ صبا نہ تھی

ضعف سے بیٹھا ہوں جوں نقش قدم تو کیا ہوا
گرد باد آسا مری طینت میں ہے آوارگی

موجب صد عیش و عشرت ہم کو تیرا دید ہے
مل گئے جس دن گلے تیرے اسی دن عید ہے

دل مرا کیونکر ہو غافل گور سے
گھر نظر آتا ہے اپنا دور سے
آنکھ سے آنسو کبھی تھمتا نہ تھا
چشم بھی کیا کم ہے یہ ناسور ہے

گو نت یہی جور اور جفا ہے بندے کا بھی اے بتاں خدا ہے

غرض یہی ہے مجھے اشک کے بہانے سے
کہ مہرباں ہو وہ یارب کسی بہانے سے
وہ کہا کرے کہ محبت کا اقتضا ہے یہی
وگر نہ فائدہ اس کو مرے ستانے سے
میں چھوڑتا ہوں کوئی اس کو مثل حلقۂ در
یہ سر لگا ہے مرا ' اس کے آستانے سے

آنکھوں نے تری جس کے تئیں مست کیا ہو
وہ شورقیامت سے بھی ہشیار نہ ہووے

کیا کہوں تجھ سے "ھدایت" کہ مری شام و سحر
یاد میں زلف و رخ یار کے کیوں کر گزری
دن گزرتا ھے مجھے روز قیامت سے دراز
رات گزری تو شب مرگ سے بدتر گزری

پختہ مغزان جنوں سے ھر کسی کو جنگ ھے
جو ثمر پکا سو پامال جفائے سنگ ھے
عشق نے تیرے، مجھے یاں تک کیا ھے ناتواں
تا بہ لب آنا نفس کو راہ صد فرسنگ ھے
ان دنوں کچھ تو "ھدایت" ھو گیا ھے زرد سا
ظاھراً عاشق کسی پر ھے، ترا کیا رنگ ھے؟

صدقے ترے گل عذارا جی سے   اک جی سے نہیں ھزار جی سے

گھر سے نکلے ھے تو جی ساتھ نکل جاتا ھے
کوئی قامت ھے کہ یہ آہ دل محزوں ھے

چشمۂ خوں ھے ، دامن دریا   آستیں کس نے یاں نچوڑی ھے؟

ایک وہ ماہ رو غائب ھے نظر سے ورنہ
وھی تارے ھیں، وھی ماہ، وھی گردوں ھے

خدا جانے صدم آوے نہ آوے
بھروسا کیا ھے؟ دم آوے نہ آوے

غنیمت ہے کوئی دم سیر گلشن
پھر اپنا یاں قدم آوے نہ آوے

گویا کہ تیرے ھجر میں، میں مر گیا ھوں رات
تعبیر جز وصال نہیں میرے خواب کی

صبا کوچے سے اس کے، مت اٹھانا خاک کو میری
مبادا گرد اس کے چہرۂ گل فام پر بیٹھے

شب ھجراں میں تری، صبح کے ھوتے ھوتے
استخواں شمع صفت بہ گئے روتے روتے

ھمیں نشیب و فراز زمانہ سے کیا کام
جو سر بلند ھیں ان کو ھے فکر پستی کی

جی تو گلشن میں بھی نہیں لگتا
کس کی مجلس سے ھم اداس گئے

ھوس

مرزا محمد تقی خاں نام ، " ھوس " تخلص نواب مرزا علی خاں کے بیٹے اور نواب اصف الدولہ کے قریبی عزیز تھے - وطن فیض آباد اور مسکن لکھنؤ تھا - نہایت فارغ البال اور خوش حال تھے " ھوس " " مصحفی " کے شاگرد تھے مگر اُستاد کے طرز کی تقلید نہیں کی - اپنا راستہ الگ بنایا ان کے یہاں آمد کم آورد زیادہ ہے پھر بھی ان کلام لطف سے خالی نہیں - عبارت کی چستی اور فارسی ترکیبوں کی کثرت میں اپنے اکثر ہم عصروں سے بڑھے ہوئے ھیں -

انتخاب

مہر معنی میں نے جب کاغذ پہ نور افشاں کیا
مطلع صبح قیامت مطلع دیواں کیا
اک تبسم کو نہ فرصت لب تک آنے کی ملی
کس قدر اس گل نے پاس خوبی دنداں کیا

اے عشق قدم اب تو تری راہ میں ڈالا
الان توکلت علی اللہ تعالی
آنکھوں سے لہو آنے لگا اشک کی جاگہ
نیرنگئی الفت نے عجب رنگ نکالا

خواہش نہ بقا کی تھی نہ خوف فنا ہم کو
ہستی سے "ہوس" اپنی بہتر تھا عدم اپنا

تم نے ظاہر میں گلے لگنے سے انکار کیا
خواب میں ہم نے تمہیں دیر تلک پیار کیا
عدم کی اوٹ ہے سب کام بنا جاتا تھا
ذوق بے پردہ نے رسوا سر بازار کیا

بیچ ڈالا ہے مجھے ہاتھ، خوش اسلوبوں کے
اس کا بندہ ہوں انہیں جس طرح سے دار کیا

ے دست جنوں کچھ تو موئے پر بھی مدد کر
بد نامی وحشت ہے گریبان کفن کا

حسن کو ہوتی ہجوم عاشقاں کی گر خبر
تو جلوہ خانہ کو صحرائے قیامت مانگتا

جو اڑتا تو گماں طاقت کا ہوتا ہم صفیروں کو
ہجوم ضعف نے چہرے پہ میرے رنگ ٹھہرایا
زباں طاعناں سے اے "ہوس" کیونکر بچیں کیا ہو
جنوں عشق نے ہم کو حریف ننگ ٹھہرایا

پائے تلاش پہلے ہی منزل میں رہ گیا
جی اشتیاق خنجر قاتل میں رہ گیا
کام اپنا تو تمام کیا یاس نے "ہوس"
شوق خراش خار مرے دل میں رہ گیا

ہم سے وا رفتۂ الفت ہیں بہت کم پیدا
ہاتھ سے کھو نہ ہمیں ہونگے نہ پھر ہم پیدا

میں بھی ہوں باعث ایجاد "ہوس" اک شے کا
میری خاطر مرے خالق نے کیا غم پیدا

اگرچہ آج ہے بالیں سنگ و بستر خاک
کبھی تو سر مرا آغوش یار میں بھی تھا

بلبل نے کڑھایا! نہ غم گل نے رلایا
ہم کو تو فقط اس کے تغافل نے رلایا

جگر پہ داغ ہوا یار کی جدائی کا
یہ داغ جی سے نہ جاوے گا آشنائی کا

شمع ' پروانے پہ مصروف ہے ' گل ' بلبل پر
حسن ہر رنگ میں پاتا ہے خریدار اپنا

سینے کے داغ ' دیکھ لئے میرے ' خلق نے
وحشت میں پھاڑ کر میں گریباں خجل ہوا

جی اس کے در سوا ' نہیں لگتا کہیں ذرا
فرصت دے ناتوانی تو جاویں وہیں ذرا

منزل میں جہاں کي ' نہ ہوا دل سے جدا غم
اس راہ میں کیا یار سفر ہم کو ملا تھا
کہتا تھا اُسے کوئي " ہوس '' اور کوئی مجنوں
کل دشت میں اک خاک بہ سر ہم کو ملا تھا

ایسے آنے سے تو قاصد تو نہ آیا ہوتا
کیسي امید میں تونے مجھے مایوس کیا

سینے میں تڑپتا ہے پڑا ' .برق کے مانند
کچھ حال نہ پوچھو دل بے صبر و سکوں کا

آتی نہیں چمن سے یہ' سوئے قفس کبھی
روکا ہے بخت بد نے نسیم رواں کو کیا

کسي کا روکنا وحشت میں جو مجھ کو نہ بھاتا تھا
جنوں میں میں نے سر ہر خار دامن گیر کا توڑا

نقش پائے رفتگاں کا سلسلہ جاتا رہا
ہم تو تھک کر رہ گئے اور قافلہ جاتا رہا
ہم گئے تھے اس سے کرنے شکوۂ درد فراق
مسکرا کر اس نے دیکھا سب گلا جاتا رہا

عہد طفلي سے غم عشق ہے دمساز اپنا
قیس وارفتہ کا انجام ہے آغاز اپنا
پاس ناموس محبت سے کبھو آہ نہ کي
تادم مرگ کسی پر نہ کھلا راز اپنا

غفلت ھي میں ہم خوش تھے' بیداری کا اک غم تھا
ھنگام شباب' اپنا کیا خواب کا عالم تھا

مشت پر بلبل نالاں کے جو برباد ھیں سب
ہاتھ پر ہاتھ دھرے سوچ میں صیاد ھیں سب

ستا نہ ہم کو دم نزع اے تصور یار
چلے ھیں ہوکے ہم اپنے دیار کو رخصت

نہیں ''ہوس'' ! وقت جوش مستی' قد خمیدہ سے کچھ حیا کر
بتوں کا بندہ رہے گا کب تک؟ خدا خدا کر؟ خدا خدا کر
کہاں کی نیند آگئي الہی مسافران رہ عدم کو
کچھ ایسے سوے کہ پھر نہ چونکے تھکے ہم ان کو جگا جگا کر

طفلی کو یاد کرلے! جنازے کو دیکھ لے
آغاز بھی ہے دوش پر' انجام دوش پر

ہمارے شہر میں ہے عام راہ و رسم خود داری
نہ ہویاں جذب مقناطیس، دست انداز آہن پر
زمین مزرع الفت، بہار ستان آتش ہے
یہاں پروانہ کرتا ہے شرر کا کام خرمن پر

دیدنی ہے حسن اس بت کا کہ کیا کیا صنعتیں
خرچ کی ہیں صانع قدرت نے اس تصویر پر

کوڑا جو اس پہ، موج نسیم سحر کا ہے
جاتا ہے مثل آب رواں توسن بہار

ہر ساعت و ہر لحظہ فزوں ہے الم عشق
ہم سے تو اتھائے نہیں جاتے ستم عشق

کس سوختہ کی خاک سے اتھا ہے بگولا
اک شعلہ جوالہ ہے پہونچا پس محمل

یہی کہتی تھی لیلیٰ سوختہ جاں، نہیں کھاتی ادب سے خدا کی قسم
غم قیس سوا مجھے غم نہیں کچھ، اُسی کشتۂ ناز و ادا کی قسم

دل نے کی ہے مشق ضبط آہ و زاری ان دنوں
طایر بے آشیاں ہے بیقراری ان دنوں

ناز پرورد چمن تھے ' اب اسیر دام ھیں
کچھ تو اے صیاد کر خاطر ھماري ان دنوں

وصل کا دن ھے ' ولے آنکھوں کے میري سامنے
ھے کھڑے شب‌ھاے ھجراں کي سیاھي کیا کروں
ٹکڑے ٹکڑے دل ھوا جاتا ھے پہلو میں "ھوس"
ذبح کرتی ھے بتوں کي کم نگاھي کیا کروں

ھے جو نالاں ھم صفیران چمن کی یاد میں
اک مزا ھے عندلیب زار کي فریاد میں

لے گئي ھے دور از خود رفتگي اُن سے ھمیں
مدتیں گذریں کہ اب ھم آپ میں آتے نہیں
اس کے جاتے ھی ھوا ھے مضطرب کیسا "ھوس"
ھجر بھي ھوتا ھے لیکن اتنا گھبراتے نہیں

سوا غم کے نہ کچھ دیکھا' بہ جز حسرت نہ کچھ پایا
عدم سے ساتھ اپنے ھم عجب تقدیر لائے ھیں
ھمیں پرسش سے تھا کیا کام؟ ھیں ھم لوگ دیوانے
صف محشر میں ھم کو یار بے تقصیر لائے ھیں

خواہ وہ قید رکھیں خواہ وہ آزاد کریں
ھم کو طاقت نہ رھي اتنی کہ فریاد کریں

گل سے کہہ جاکے اسیروں کی طرف سے یہ صبا
قید سے چھوٹیں تو پھر ہم چمن آباد کریں

نام لینے سے ترے ہم کو حیا آتی ہے
رو بہ رو کس کے؟ ترا شکوہ بیداد کریں

گر کوئی مانع نہ ہو واں سجدہ کرنے کا مجھے
آستاں یار پر برسوں جبیں سائی کروں

محمل نشیں ناز کو مطلق خبر نہیں
کس کس کی خاک ہوتی ہے پامال کارواں؟

اے باد صبا ہوئے گی بلبل کو ندامت
لے جا نہ تو خاکستر پروانہ چمن میں

بھرے گلشن سے میں نے پھول کب چن چن کے داماں میں
یہاں تو عمر بھر جھگڑا رہا دست و گریباں میں

بلبل کو ترنم نے گرفتار کیا ہے
ہر تار نفس ہے اسے زنجیر قفس میں

گئی ہے عفو کی امید، گاہ قتل کا بیم
کھڑے ہیں تیرے گنہ گار دیکھئے کیا ہو

نہ آشنا ہیں موافق ' نہ دوست ہیں غم‌خوار
فلک ہے درپے آزار دیکھئے کیا ہو

لطف شب وصل اے دل! اس دم مجھے حاصل ہو
اک چاند بغل میں ہو' اک چاند مقابل ہو

صحرا میں جنوں کے مجھے نخچیر بناؤ
دل کو مرے ' اس کا ہدف تیر بناؤ
اے منعمو کیا قصر و محل کرتے ہو' تم طرح
ٹوٹے ہوئے دل کی مرے ' تعمیر بناؤ

دیکھو نہ پریشانی مری' آئینہ لے کر
آشفتگی زلف پریشاں کو تو دیکھو

میں چراغ سر رہ ہوں نہیں صر صر در کار
قتل کرنے کو ہے بس جنبش داماں مجھ کو

دکھائے رنج پیری کے ' اجل تیرے تغافل نے
تجھے آنا تھا پہلے ' آہ تو انجام کار آئی
نہ پایا وقت اے زاہد کوئی میں نے عبادت کا
شب ہجراں ہوئی آخر تو صبح انتظار آئی

اللہ رے بد مزاجی! کرتا ہے عاشقوں سے
وہ گفتگو کہ جس میں لفت کی بو نہ آوے

دل میں اک اضطراب باقی ہے
یہ نشان شباب باقی ہے

ہوے آج بوڑھے جوانی میں کیا تھے
جب اتھتے تھے زانو سے ہاتھ آشنا تھے
جہاں کی تو ہر چیز میں اک مزا تھا
نہ سمجھے کہ کس شے کے ہم مبتلا تھے
بنا کر بگاڑا ہمیں کیوں ؟ جہاں میں
یہ سب حرف کیا سہو کلک قضا تھے
خدا جانے دنیا میں کس کو تھی راحت
"ہوس" ہم تو جینے سے اپنے خفا تھے

مرگیا غصے میں حاجت بھی نہ تلوار کی تھی
کیا مری موت بھی مرضی میں مرے یار کی تھی
یاد ایام توانائی و آغاز جنوں
وہ بھی کیا دن تھے کہ طاقت مری رفتار کی

کبھی زلف دن کو جو کھول دی ' تو نمود ہے شب تار کی
جو نقاب شب کو الٹ دیا تو سحر ہے فصل بہار کی

توبۂ مے کا چلے ھیں داغ ھم دل پر لئے
سامنے آئیں نہ حوریں ھاتھہ میں ساغر لئے

ھو حکم باغباں ، تو پڑے بلبل اسیر
پژ مردہ پھول باغ سے دو چار توڑئیے

نیند بھر کوئی نہ سویا مرے زنداں میں کبھی
صلح اک دم نہ ھوئی دست و گریباں میں کبھی
قیس و فرھاد نہیں ھائے میں کس سے پوچھوں
نیند آتی ھے کسی کو شب ھجراں میں کبھی
باغباں باقی ھے اب بھی کوئی تنکا کہ نہیں
آشیاں ھم نے بنایا تھا گلستاں میں کبھی

رونے میں رات ھجر کی ساری گذر گئی
گذری بری ، پہ یوں ھی ھماری گذر گئی

تم جو غافل رھے الفت کے گرفتاروں سے
سر پٹک مرگئے زنداں کی دیواروں سے
زینت پائے جنوں اس سے زیادہ کیا ھو
آبلے سب گھر سفتہ بنے خاروں سے
داغ دل ، سوز جگر ، کاوش غم ، درد فراق
بیشتر مرتے ھیں عاشق انھیں آزاروں سے

کیا کیا نہ رنج ہم پہ ' ترے بن گزر گئے
اب جلد آ کہیں کہ بہت دن گزر گئے
رخصت کے وقت ہم نے "ھوس" آہ تو نہ کی
صدمے ھماری جان پہ ممکن گزر گئے

دامن میں رکھا بھر کر یوں لخت جگر ہم نے
یہ باغ محبت کے پائے ھیں ثمر ہم نے

قفس سے چھوٹنے کی ھے خوشی' پر ساتھ یہ ڈر ھے
ھماری ناتوانی پھر نہ ہم کو دام ھو جاوے

قدوی

مرزا محمد علي نام اور عرف پھجو تھا - شاہ جہاں آباد کے رھنے والے تھے ' آخر میں ترک وطن کر کے عظیم آباد میں سکونت اختیار کرلی تھي - مشہور بزرگ شاہ گھسیتا کے معتقد اور شاگرد تھے علم موسیقی میں بھي مہارت رکھے تھے -

اشعار میں بندش کي چستی اور زبان کي شیرینی ھے ' محاورہ بندی اور معانی و مضامین کی تلاش میں الفاظ کي چنداں پروا نہیں کرتے ھیں - بعض اشعار میں ترنم خاص طور پر نمایاں ھے -

انتخاب

هم کو تو وفا سے نہیں اے یار ! گزرنا
پر تو بھي جفا سے نہ ستم گار ' گزرنا

تجھ سے ہوتے ہیں درد مند جدا ؟
گو کرے کوئي بند بند جدا

کچھ تو دل میں ترے نفاق پڑا
جو اب آنا اِدھر کا شاق پڑا

دل میں کس بات سے ملال گیا
یار تیرا کدھر خیال گیا

گلا آپس میں آگے بھي کبھو تھا
تکلف بر طرف ایسا ھي تو تھا ؟

بہ رنگ آئینہ جو آب جو تھا
وہ پاني پانی اس کے رو بہ رو تھا

تک اثر ہو زبان میں پیدا
پھر سبھی کچھ ہے آن میں پیدا
زندگی کا نہ کچھ مزا پایا
کیوں ہوئے ہم جہان میں پیدا

کیا تسلي کر گیا تھا یار اس دل کو مرے
یہ تو کچھ جاتے ہی اس کے اور گھبرانے لگا

کون اس سے یہ کہے، "کیوں قتل عالم کو کیا"
کیا کسي کا ڈر پڑا ہے جی میں آیا سو کیا

دل سے یہ دور رہے آج کی شب ہوگئي صبح
شب فرقت ہے خدا جانے کہ کب ہوگی صبح

بیگانگي ہمیں نہیں تجھ سے تري طرح
ہم سب طرح ترے ہیں، سمجھ تو کسی طرح

مجھ سوختہ دل کو نہ کہہ پیکر طاؤس
جلتے ھیں مرے داغوں کے آگے پر طاؤس

ہر طرح ھم اس کے ھیں دل و جان سے "فدوی"
وہ خواہ ھمیں یاد کرے خواہ فراموش

عاشق کي کچھ نہیں ھے دل و جاں سوا بساط
اے دوست امتحان نہ کر اس کی کیا بساط

گیا وہ زمانہ ، ھوا اور عالم
نہ وہ دن، نہ وہ دل، نہ وہ تو، نہ وہ ھم

چشم بد دور ، عجب آنکھیں ھیں
قتل کرتی ھیں غضب آنکھیں ھیں

کچھ خوش آتا نہیں بغیر ترے
زندگانی عذاب ھے تجھ بن

وہ کافر ھماري شب تار ھے جسے دیکھنا مہر کا عار ھے

گو تجھ کو نہ اعتبار ہو وے
کافر ہو جسے قرار ہو وے

جوں شمع گو کہ سر سے بلا رات ٹل گئی
دیوانے فکر آج کی کر کل کی کل گئی

ٹک ساتھ ہو حسرت دل مغموم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

دزدیدہ نگہ نے تری بندہ کیا مجھ کو
اِس آن کے ' اس ڈھب کے' اس انداز کے صدقے

دل ہے ازل سے تختہ مشق ستم گراں
تقدیر کے لکھے کو کوئی کب مٹا سکے

کس دل جلے کی تیری تئیں بد دعا لگی
اے شمع اب تو آہ ترے سر پہ آ لگی

ملے وہ غیروں سے مہروش جو ' ہمیں کب آتا ہے رشک اِس کا
یہ ڈھلتی پھرتی ہے چھاؤں "فدوی" کبھی ادھر ہے کبھی اُدھر ہے

تری ' هم نے تاثیر بس آہ دیکھی

نہ آیا وہ کافر بہت راہ دیکھی

میں دل اور جان حاضر هوں ' پر تو اس کو کیا جانے

مرے دل میں تو یہ کچھہ ہے ترے دل کي خدا جانے

همیں تو عیں راحت ہے جو کچھہ تري عنایت ہے

گرفتار جفا هو وے جفا کو جو جفا جانے

محسن

مرزا حسین علي نام ، جرأت کے شاگرد تھے ، لکھنؤ میں تعلیم اور تربیت پائي تھي ان کي غزلوں میں آورد زیادہ ھے --

---

انتخاب

اپنا تو درد عشق سے بس کام ھو چکا
گر غم یهي ھے تو ھمیں آرام ھو چکا

ناصح تو نصیحت نہ سنا ! میں نہیں سنتا
بک بک کے مرا مغز نہ کھا ! میں نہیں سنتا

اس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
مجھ سے نہ کہو بہر خدا ، میں نہیں سنتا

بیماریٔ غم سے کوئی جیتا ھے طبیبو!
کیوں مجھ کو بتاتے ھو دوا ، میں نہیں سنتا

کیوں پہلے نہ آنے کی خبر اس کے سنادي
پیغام بر اب کچھ نہ سنا ! میں نہیں سنتا

کیا حرف ? یارب! اس کے دھن سے نکل گیا
سنتے ھی جس کے جي مرا، سن سے نکل گیا
چھوڑا قفس سے تب ھمیں صیاد تونے آہ
جب موسم بہار چمن سے نکل گیا
تیرے جلے بلے کو، رکھیں خاک قبر میں
شعلہ سا ایک تھا سو کفن سے نکل گیا

مت اپنا سنا غم دل افگار کسي کو
مرجائیں گے ورنہ ابھی دو چار تڑپ کر

سیر گل کو وہ بھی آیا تھا، ھوا مجھ کو یقیں
ٹکڑے ٹکڑے باغ میں گل کا گریباں دیکھ کر

آ گیا غش میں وہ افراط نزاکت کے سبب
سخت محجوب ھوئے ھم تو اسے مار کے پھول

اس سے یہ روٹھنا میرا نہ ستم لائے کہیں
نہ دل اس یار کا اغیار سے مل جا کہیں
نشۂ مے میں، نہ دیکھ آئینہ لے کر پیارے
غـرہ حسـن تجھے اور نـہ بھکائے کہیں
ٹکٹکي اس کی طرف اس لئے میں باندھے ھوں
کہ دم نزع مری آنکھ نہ پھر جائے کہیں

دم کسي شکل تھہرتا نہیں اب اے "محنت"

تھہرے جینے کي جو ملنے کي وہ تھہرائے کہیں

کیا اس کی کہوں حالت دشوار ہے اب صحت

خاموش ہے کچھ تیرا بیمار کئی دن سے

ہو رقیبوں سے ملاقات اس بت گمراہ کي

اور ترستے ہم رہیں قدرت ہے یہ اللہ کی

ہے انکھڑیوں میں نیند تو اک کام کیجئے

یہ بھي تو گھر ہے آپ کا ' آرام کیجئے

اس زندگي سے کھینچئے "محنت" کر اپنا ہاتھ

پھیلا کے پاؤں ذوق سے آرام کیجئے

مت اتھا ان کو جو ہیں ظلم اتھانے والے

جیتے جي واے ترے ہم نہیں جانے والے

کل شب وصل میں کیا جلد کٹي تھیں گھڑیاں

آج کیا مرگئے گھڑیال بجانے والے

غضنفر

غضنفر علی خاں نام ' لکھنؤ کے رهنے ولے جرآت کے شاگرد تھے -
کلام میں صفائی اور روانی هے - محاورہ بندي کا خیال زیادہ هے - واردات
عشق کے علاوہ دوسرے مضامین بہت کم نظم آتے هیں -

انتخاب

حال کہنے کي بھی اب طاقت نہیں اے همدمو!
کیا کہیں؟ کیا حال وہ ظالم همارا کر گیا

نام سے جس مرنے والے کے تمہیں اب تک هے ننگ
سچ تو یہ هے نام وہ سب میں تمہارا کر گیا

آغاز محبت هی میں دنیا سے اتھے هم
صد شکر اتھایا نہ کچھ احسان کسی کا

دیکھنے کو ترے بیمار کے لوگ آئے هیں
ایسے میں آکے ذرا تو بھی نظارا کرنا

شکوا کروں آہ کیا کسي کا　　کوئي نہیں آشنا کسی کا
مذکور جو رات تھا کسی کا　　کچھہ ھوش نہ تھا بجا کسی کا
محتاج کسي کو اے "غضنفر"　　ھرگز نہ کرے خدا کسي کا

تا دم زیست نہ اس شوخ کا در چھوڑوں گا
آخر اک روز میں اپنا اسے کر چھوڑوں گا
جب تلک اس کے بھی دو چار نہ آنسو نکلیں
آہ رونا نہ میں اے دیدۂ تر چھوڑوں گا

غالباً مرگ ھی آئي ھے اب اپني کہ جو آہ
نظر آتا نہیں تصویر سحر کا نقشا

جاتے ھیں وھاں سے گر کہیں ھم
ھر پھر کے پھر آتے ھیں وھیں ھم
صد حیف کہ کنج بیکسی میں
کوئي نہیں اور ھیں ' ھمیں ھم
خاموشي کي مہر ھے دھن پر
ھیں حلقۂ غم میں جوں نگیں ھم
آیا نہ وہ شوخ اور گئے آہ
حسرت ھي بھرے تہ زمیں ھم
تکتے رھے جانب در اے وائے
مر مر کے بہ‌وقت واپسیں ھم

قسمت میں تو ہجر ہے " غضنفر "
اب وہ ہے تو آپ میں نہیں ہم

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے اب اپنا آزار
ہیں تو چنگے بھلے، پر لگتے ہیں بیزار سے ہم

بے توقع ہوئے از بسکہ ہر اک بات سے ہم
دست‌بردار ہیں اب سب کی ملاقات سے ہم
اب تو ہم بیٹھے ہیں خاموش " غضنفر " گویا
آشنا تھے ہی نہیں حرف و حکایات سے ہم

تصور میں ہو اس سے دو بدو ہم
کیا کرتے ہیں پہروں گفتگو ہم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مجنوں
تو گویا بیٹھے تھے بس ہو بہ ہو ہم

نہ کاٹے کٹیں اور نہ مارے مریں
تمہیں پر یہ عاشق تمہارے مریں
مریضوں کو تیرے ہے چارہ یہی
چھٹیں دکھ سے گر، یہ بچارے مریں

میں نے مانا تو مجھ سے کام نہ رکھ
پر مجھے عاشقوں میں نام نہ رکھ
قاصد جو کہا ہو اس نے ، کہدے
اس کا باقی کوئی پیام نہ رکھ

سونا فراق یار میں خواب و خیال ہے
جب دل لگا تو آنکھ کا لگنا محال ہے

میری ایذا کے جو رہتا ہے وہ درپے دن رات
کچھ تو اس کو بھی ستانے سے ہے حاصل میرے

نالہ و شور و فغاں تھا ، آہ و زاری رات تھی
کنج تنہائی میں کیا کیا بے قراری رات تھی
بے کلی سے کل نہ تھی کل شام سے لے تا سحر
ایک سی حالت دل مضطر کی ساری رات تھی
فکر دینا و غم دیں دونوں بھولے تھے اُسے
اک فقط دل کو تمہاری یادگاری رات تھی
تار رونے کا نہ ٹوٹا جب تلک ٹوٹا نہ دم
شدت غم سے یہ حالت مجھ پہ طاری رات تھی
تیرے آنے کی توقع تھی جو دل کو بعد مرگ
نا امیدی میں عجب امید واری رات تھی

جس میں تری طلب ہو اس جستجو کے صدقے
ہو جس میں ذکر تیرا اس گفتگو کے صدقے

جائیے واں تو کہیں کوچۂ دلبر والے
اس طرف راہ نہیں او دل مضطر والے

جس کے بن دیکھے نہیں زیست کا اسلوب کوئی
بد تو کیا اس کو کہوں' ہے وہ غرض خوب کوئی

مطلوب نہ ہاتھ آئے تو طالب کی ہے خامی
دیکھیں تو بھلا ہم سے وہ کیوں کر نہیں ملتے
بے دید ہیں کیا ملک عدم کے بھی مسافر
جاتے ہیں تو برسوں میں پھر آکر نہیں ملتے

نصرت

نصرت تخلص تھا ، جرأت کے شاگرد تھے - الفاظ ثقیل سے پرھیز کرتے ھیں ان کي طبیعت کا میلان سلاست اور محاورہ بندی کي طرف معلوم ھوتا ھے -

انتخاب

ھر برگ شجر کو ھے ترے نام کی تسبیح
ھر رنگ میں عالم کو ترے دھیان میں دیکھا
اول تو تجھے کعبہ و بتخانے میں ڈھونڈھا
دیکھا تو پھر آخر دل حیران میں دیکھا

ھوس کسی کو جو دیکھنے کي ھو موج بے انتہاے دریا
تو آکے چشموں کو دیکھے میري که یاں سے ھے ابتدائے دریا
دروں گرداب اب تو جاکر پھنسي ھے کشتي ھماري یارب
سرشک یاس اب نہیں ھیں آنکھوں سے کیا کہیں ماجرائے دریا

بات وہ حق کے سوا اور نہ کچھہ کہتا تھا
کیوں سر دار پہ ناحق سر منصور کیا

بن ترے آئے پریشاں ھیں سبھی سامان عیش
مے کہیں، مطرب کہیں، ساقي کہیں، ساغر کہیں
کارواں عشق سے بچھڑا میں اب جاؤں کدھر
گم صدائے زنگ ھے اور چل بسے رھبر کہیں

ھو صبر کو کیا قرار دل میں ھے ھم سے خفا وہ یار دل میں

جس کو غم عشق گل‌رخاں ھو کب اسکو ھوائے بوستاں ھو
وہ دوست جو مہرباں ھو کیا غم گو دشمن جاں مرا، جہاں ھو

طبیبوں نے جو دیکھا نبض کو میري تو یہ بولے
یہ جاوےگا تمہارے جی کے ساتھہ آزار دیکھو گے
نہ دوگے شربت دیدار گر بیمار کو اپنے
تو جي دیگا تمہارا طالب دیدار دیکھو گے

لچھمي نرائن صاحب و شفیق

لچھمي نرائن نام ' صاحب و شفیق تخلص' اورنگ آباد دکن کے رهنے والے تھے - ان کے والد لاله منسا رام عرصے تک سلطنت دکن میں صدرالصدور کے پیشکار تھے سنه ۱۸۵۸ ھ میں پیدا ھوے ' مولوي شیخ عبدالقادر سے کتب درسی پڑھیں ' فن شعر مین علامه میر غلام علي " آزاد " بلگرامی کے شاگرد ھوے' پہلے " صاحب " تخلص کیا جب میر محمد مسیح " صاحب " کا شہرہ ھوا تو آزاد کے مشورے سے شفیق تخلص اختیار کیا چنانچه پہلے دیوان میں صاحب اور دوسرے میں شفیق تخلص ملتا ھے -

ان کي زبان ان کے دکن ھمعصروں کے مقابلے میں بہت صاف ھے لیکن یه شاعري میں کوئی خاص درجه نہیں رکھتے ان کے بہت سے شعروں کي بناء لفاظی پر ھے ایسے شعر انتخاب میں نہیں لے گئے ھیں -

انتخاب

شمع پر پروانہ جل کر راکھ ہو
عاشقي کا نام روشن کر گیا

قباحت ھے بڑے غمزے سے آکر پھر کے ھٹ جانا
جھجک کر مسکرا کر دیکھ کر ھنس کر لپٹ جانا

ان وفاؤں کا یہ بدلا ھےملا یا قسمت
ھم چلے ' تم کو تو اب کر کے دعا یا قسمت

باغباں ھم کو نہیں واللہ کچھ گل سے غرض
ھیں گے مشتاق صدا' ھے شور بلبل سے غرض

کم رکھے جی دل میں اپنے گل رخاں کا اختلاط
جي میں لے چھوڑے گا چنکی ان بتاں کا اختلاط

بہار آئی جنوں نے سر اٹھایا ھے خدا حافظ
نسیم صبح نے دل کو ستایا ھے خدا حافظ

جیوں جلا آگ کا، آتش ستی ہوتا ہے بھلا
عشق کے درد کو تحقیق دوا ہے گا عشق

مرا دل لینے ہی تک آشنا تھا
تری آنکھیں پھرانے کے تصدق

دل الجھتا ہے مرا جیوں جیوں کہ سلجھے ہیں وہ بال
کیا مچے گی دیکھئے کاکل کے کھل جانے میں دھوم

کس طرح بیمار دل کی ہم شفا چاہیں کہ آج
پڑ گئی ہے اس کی آنکھوں سیتی مے خانے میں دھوم

کیا کریں عرض حال تیرے پاس
ہم کو دل نہیں تجھے دماغ نہیں

اب حیات حق میں سخن گو کے ہے سخن
باقی ہے میرے بعد یہی یاد گار کچھ

اس طور تھج گئے ہیں نین کس کی یاد میں
نرگس کو ہے چمن میں مگر انتظار کچھ

مت کوئی روشن کرو تربت پہ مجنوں کے چراغ
روح جل جاوے گي ديوانے کي پروانے کے ساتھہ

کہو باتیں بنا تم اب و لیکن تمہارا دل کہیں جاتا رہا ھے

ھمیں کنج چمن میں چھوڑ کر صیاد جاتا ھے
خدا جانے کہ ھم سے خوش ھے یا ناشاد جاتا ھے

اگر وہ شعلہ خو تک پردہ منھہ سے دور کر دیوے
پتنگے جل مریں اور شمع کو بے نور کر دیوے

خاک سے اس کي نرگس اگتی ھے
جو ترا منتظر ھو مرتا ھے

ھر جہت باد صبا سے یہ قدم کا فیض ھے
مرقد بلبل پہ گل جو یوں چراغاں ھو گئے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رھنے کے صدقے

چکوریں ماہ کے اور بلبلیں گلزار کے صدقے
کوئی قربان کس کا ھے میں اپنے یار کے صدقے

خدا کسي کو کسي ساتھہ آشنا نہ کرے
اگر کرے تو قیامت تلک جدا نہ کرے

کیا ھوا ھے کس طرح کا ابر ھے
جس کو دل چاھے نہ ھو کیا جبر ھے

اختر

محمد صادق خاں نام ' بنگال کے رہنے والے تھے مگر ترک وطن کر کے لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا ' مرزا قتیل کے شاگرد تھے - اردو اور فارسي دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - ان کی شاعری کا اس قدر شہرہ ہوا کہ غازي‌الدین حیدر فرما نروائے اودھ نے ان کو ملک‌الشعرا کا خطاب دیا ' عالم و فاضل شخص تھے - اختر عالم فاضل نکتہ رس دقیق نظر اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے - شعبدہ بازی میں بھي کمال رکھتے تھے -

خیالات کي بلندي ' مضامین کا تنوع بندش کي چستی' فارسي ترکیبوں کی دل‌آویزي اور بیان کي متانت " اختر " کی شاعری کے خصوصیات ھیں -

اختر نے "مصحفي" اور ' انشا ' سے لے کر " وزیر " اور " صبا " تک کا زمانہ دیکھا تھا - انھوں نے سنہ ۱۸۵۸ع میں اِنتقال کیا -

اِنتخاب

تھی کرم سے چشم بخشش قہر سے خوف عقاب
دل میں اپنے عمر بھر حشر امید و بیم تھا

اگرچہ روز جاں کاہ اجل بھی تیرہ ہے لیکن
ترقی پر ہے کچھ بخت سیہ شب ہاے ہجراں کا

شب جو اپنا نالہ دل بسکہ سیر آہنگ تھا
زندگی کا عرصہ یاروں پر نہایت تنگ تھا
زندگی میں دیکھتے کیا خاک ہم اس کو یہاں
عمر بھر آئینہ دل پر ہوس کا زنگ تھا

کوثر سے بھی نہ اس کے بجھی سوزالعطش
مشتاق ہے گلو ترے خنجر کی آب کا
رو تھرا درمیاں ہے کروں کیا؟ خموش ہوں
ورنہ میں ایک بند نہ رکھتا نقاب کا

لطف بےحد سے ترے سب دشمن جاں ہوگئے
ابر رحمت ہائے میرے حق میں طوفاں ہو گیا

دل مجھ کو ھائے بےکس و بے چارہ کر گیا
اپنی تلاش میں مجھے آوارہ کر گیا
برسوں میں آیا تھا جو وہ دم بھر کے واسطے
آنکھوں کو وقف حیرت نظارہ کر گیا

پاے بند زینت دنیا دل روشن نہیں
رنگ گل مانع ھوا شبنم کی کب پرواز کا

طمع سے آبرو برباد یوں ھوتی ھے دنیا میں
جلا دیتا ھے جیسے آب گوھر شعلۂ آتش

آئینۂ اندیشہ نمائے دل "اختر"
ھے پیچ و خم حلقہ گیسو سے ترے داغ

کس چشم کی گردش کا تھا مارا ھوا "اختر"
خاک اس کی بگولے سے جو ھے ھم سفر اب تک

کھینچے لئے جاتا ھے مجھے ساتھ جو اپنے
شاید کشش یار ھے اب راہ بر دل

کشور عشق میں بیکار ھے اعجاز مسیح
لوگ یاں مرگ سے امید شفا رکھتے ھیں

جان دے بٹھیں تو دیکھے نہ کبھي آنکھ اتھا
ایسے بے دید سے ہم چشم وفا رکھتے ھیں

خرام یار سے اسودگان خاک اتھہ بیتھے
یہ چلنا کیا ھے ؟ آشوب قیامت اس کو کہتے ھیں

قتل عاشق سے ھے تیغ یار منھہ موڑے ہوئے
کون گردن سے اُتارے آہ بار عاشقاں

خون ناحق کا دکھا دیتے تجھے محشر میں رنگ
پر کریں کیا تیرا فریادي ' کوئی بسمل نہیں
تاب کیا فریاد کي اس کو جفائے یار سے
اس قدر ھے مضمحل سینہ میں گویا دل نہیں

آتش گل سے تو بلبل جل گئی گلشن میں آہ
رہ گیا اس سے نشان آشیان سوختہ
عمر جو گذري سو گذري فکر باقی کیجئے
ھے یہ آتش ' یادگار کاروان سوختہ

دوري سے تري' ھر صحراے رشک گلستاں
آنکھوں میں مري باد صبا شعلہ فشاں ھے

کیا تاسف سے تڑپتے ہیں اسیران قفس
کچھ جو اڑتی سی سنی ہے کہ بہار آئی ہے

لبوں تک آہ کا آنا ہے دشوار یہ زوروں پر ہے اپنی ناتوانی
کیا ہے امتحاں ہم نے جہاں میں کہ ہے بے قدر عہد زندگانی

الفت اس کی ہر جگہہ میرے لئے تعمیر ہے
جاؤں صحرا کو تو واں بھی خانۂ زنجیر ہے
جو مقدر ہے وہی ہوتا ہے ظاہر، سعی سے
صورت تدبیر یاں در پردۂ تقدیر ہے

ہے رگ جاں تک جو اپنی موج زن، خون جنوں
یہ بہار نشتر مژگاں کا کس کے جوش ہے

عجب ڈھب کی یہ تعمیر خراب آباد ہستی ہے
کہ پستی یاں بلندی ہے، بلندی یاں کی پستی ہے
تردد کیوں تمہیں اے ساکنان ملک ہستی ہے
عدم کی راہ سیدھی ہے بلندی ہے، نہ پستی ہے
وصال اس کا عوض مرنے کے گر ٹھہرے، غنیمت ہے
متاع وصل جاناں، جان دینے پر بھی سستی ہے
حصول جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں
ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

سمجھ ہر ایک کو ہشیار ہم آئے تھے یاں "اختر"
بہ چشم غور جو دیکھا تو متوالوں کي بستي ہے

دوستی کا حال کیا پوچھے ہے اے ناکردہ کار
دیکھ میرا سینہ مالا مال داغ دوستی سے ہے

اُدھر قاصد گیا ہے ' اور اِدھر جاتا ہے جی اپنا
جواب نامہ تک کس کو امید زندگانی ہے
نہ پوچھو بے قراري کا مری' راتوں کو اب عالم
دل مضطر ہے' میں ہوں' اس گلی کي پاسبانی ہے

گو زر نہ ہو ' پر مایۂ ہمت کي بہ دولت
گنجینہ ارباب کرم خانۂ دل ہے

شہیدی

کرامت علی نام، شہیدی تخلص وطن بریلی تھا مگر لکھنؤ میں پرورش پائی - پہلے مصحفی سے اصلاح لی جب ان کا انتقال ہو گیا تو شاہ نصیر سے مشورہ کرنے لگے -

آدمی بذلہ سنج اور یارباش اور آزاد تھے، آزادی وارستگی تک پہونچ گئی تھی -

شہیدی، سرکار انگریزی کے محکمۂ کمسریٹ میں ملازم تھے، اس خدمت سے کنارہ کش ہونے کے بعد پھر کہیں ملازمت نہیں کی، وہ ایک بذلہ سنج - یار باش - آزاد منش اور وارستہ مزاج آدمی تھے - دھلی، اجمیر، پنجاب، بھوپال، گجرات میں ان کے احباب بہت تھے، وہ اکثر ان شہروں کا دورہ کیا کرتے تھے اور اپنے دوستوں کے یہاں مہمان رہتے تھے -

" شہیدی " کا دل سراپا درد و عشق تھا - ان کی طبیعت کا میلان عشق مجازی سے زیادہ عشق حقیقی کی طرف تھا - وہ سچے عاشق رسول تھے، اس لئے نعت میں جو کچھ کہتے تھے دل کی زبان سے کہتے تھے اور نئی نئی باتیں پیدا کرتے تھے، ان کی غزل میں سوز و

گداز کی کمی نہیں ہے - زبان صاف و شستہ ہے اور طبیعت دریا کی روانی دکھتی ہے - سنگلاخ زمینوں کو پامال کرکے چھوڑتے ہیں اور مشکل طرحوں میں سہ غزلہ اور چو غزلہ لکھ کر اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دیتے ہیں -

شہیدی نے ۴ صفر سنہ ۱۲۵۹ھ کو مدینہ کے راستے میں انتقال کیا -

انتخاب

تصویر ایک آئینۂ انواع مختلف
کس وجہ میں نہ محو رہوں ہر شکیل کا
جھوٹے پڑیں گے نامۂ اعمال روز حشر
جب عفو عام کام کرے گا وکیل کا

طلوع روشنی جیسے نشاں ہو شہ کی آمد کا
ظہور حق کی حجت ہے جہاں میں نور احمد کا
شب و روز اس کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنباں تھا
عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا
شب معراج چڑھ کر عرش پر دم میں اُتر آیا
بیانِ اس قلزم معنی کی ہو کیا جزر اور مد کا
اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

توارد کے یہ معنی، جب لکھا شعر اس کی مدحت میں
مرے مضموں سے مضموں لڑ گیا ہے نظم قرآں کا

شوق وصال، سینے میں آزار بن گیا
میں خواهش طبیب میں بیمار بن گیا
تیرے خیال نے مرے دل کو کیا فگار
طالع کے انقلاب سے گل، خار بن گیا

هر گل تف جگر سے مرے، مضمحل هوا
لے جا کے خلد میں مجھے رضواں خجل هوا

مجھے عذاب جهنم که بت پرست هوں میں
وہ بت، بهشت میں دعویٰ جسے خدائي کا

بتوں کا سجدہ مري سر نوشت میں کب تها
که عزم، کعبه کے در پر هو جبهه سائي کا

دیکھ کر مجھ کو پھڑک جائے نه صیاد کا دم
چهچهے کرتا هوا خود میں تہہ دام آیا
اب نه سن! گر میں کروں تیرے تغافل کا گله
بات کیا صبح کا بهولا هوا گهر شام آیا

قیس! هوتي کف لیلیٰ هي میں ناقے کی مهار
گر پري چهرہ مرا رونق محمل هوتا
سچ هے ناصح که ضرر دل کا هے خوں رونے میں
خوں نه روتا مرے سینے میں اگر دل هوتا

پڑي صورت سے تجھے عشق نہیں ہے ورنہ
در و دیــوار سے آئینــہ مقــابــل هــوتا

تصور عاشق بے تاب نے دل میں جہاں باندھا
نقاب اس شرمگیں نے اپنے چہرے پر وهاں باندھا

یہ عاصي رهے نار میں یا الٰہی
بہشت بریں میں وہ کافر نہ ہوگا

اب ''شہیدي'' سے تو هے ضبط جنوں بس دشوار
دامــن یــار هــي چھوٹتا تو گریباں کس کا

سن کے میري مرگ کا آوازہ' وحشت نے کہا
اُٹھ گیا دنیــا سے وارث خــانۂ زنجیــر کا
دیکھ لے جو چاهے میرے صفحۂ دل میں تجھے
فــرط حیرت سے هوں آئینہ تري تصویر کا
کر کے میں قطع تعلق سب میں دیوانہ بنا
وہ بــڑا عاقل هے جو بستہ هوا زنجیر کا

لاؤں گا زباں پــر تري بیداد نہ هرگز
بے رحم' تجھے خلق میں مشہور کروں کیا

ہو جائےگا چپ، سن کے مرا حرف تمنا
ناداں ہے اُسے اور بھي مغرور کروں کیا

عاشقوں میں قابل کشتن نہ تھا میرے سوا
میں ہوا قتل اور کسر سے یار کی خنجر کھلا

کرتے ہو نیم نگہہ پر، مرے دل کا سودا
نہ خریدو یہ ابھي اور بھی ارزاں ہوگا

مرے پہلو سے جاتے ہو یہ کہہ کر دم میں آتا ہوں
تمہارا وعدہ سچ پر یاں بھروسا کس کو ہے دم کا

صنم بہر خدا رہنے دے اپنا ہاتھ سینے پر
ہمارا زخم دل محتاج ہے ان روزوں مرہم کا

شکر ہے خانۂ زنداں کی شکایت نہ رهي
جاکے صحرا میں بھی دیوانہ ترا تنگ رہا
حیف صیاد نے گن گن کے گرفتار کئے
نہ گلستاں میں کوئی مرغ خوش آہنگ رہا
عار تھا ہر کس و ناکس سے مقابل ہونا
شکر صد شکر مرے آئینے پر زنگ رہا

اغیار کا منھہ تھا مجھے محفل سے اتھاتے
سچ یوں ھے تري رنجش بے جا نے اتھایا
بیمار محبت کو اب اللہ شفا دے
سنتے ھیں کہ ھاتھہ اُس سے مسیحا نے اتھایا

ھجر میں جینے سے مرنا وصل میں مجھہ کو قبول
یہ سخن پروانہ کہہ کر شمع سوزاں پر گرا

دن رھائی کے قریب آئے "شہیدي" شاید
خود بہ خود آج مرا طوق گلو توت پڑا

خود بہ خود آتا ھے گریہ ھر گھڑی عاشقی نے طفل خو ھم کو کیا
اُس کی بے رحمي کا شکوہ ھے عبث کب کسي نے رو برو ھم کو کیا
اے "شہیدي" شوق وصل یار نے جسم و جاں سب آرزو ھم کو کیا

بھروسا کس کو تھا فرقت کي شب میں زندگاني کا
ملایا تجھ سے پھر، ممنوں ھوں اپني سخت جاني کا
ذرا کاندھا تو دے لو تم بھی تا عالم میں شھرہ ھو
ھماري جاں فشاني کا، تمھاري قدر داني کا

آشیاں سے صحن گلشن تک بچھے ھیں لاکھہ دام
کاش ھو موج ھوا زنجیر پائے عندلیب

آئے تھے لے لے کے کوڑے محتسب
بن گئے مستوں کے گھوڑے محتسب
گر ہمارے میکدے میں ہو گذار
خم کے بدلے توبہ توڑے محتسب

چشم ساقی کے ہوئی دور میں یہ عام شراب
قاضی شہر کو ملنے لگی بے دام شراب

وعدہ رویت کا ہے موقوف ترا فردا پر
آہ کچھ چارا نہیں حسرت دیدار سے آج

ہوے عشاق نوازی کے وہ دل سے مصروف
ہائے مقبول ہوئی مری دعا میرے بعد

سیکھ لے ہم سے کوئی ضبط جنوں کے انداز
برسوں پابند رہے پر نہ ہلائی زنجیر

تونے اے دل! سینۂ پر داغ سے جنبش نہ کی
یار کی محفل میں گل پہونچا گلستاں چھوڑ کر

اس ایک پھول نے روشن کیا ہے گلخن کو
جہان تیرہ کو ہے عشق کے شرار سے فیض

مدت سے رزؤ ھے ترے پیرھن کی بو
اے کاش ایک صبح کرے وہ صبا غلط

چمن میں سبزۂ بیگانہ میں تھا
مرے اُٹھتے ھوئی وہ انجمن صاف
کدورت دل کی آتي ھے زباں پر
کہے انساں نہ رنجش میں سخن صاف

مجھ کو تو ھے پسند تجھ کو رقیب
میرے اور تیرے انتخاب میں فرق
سینہ پر سل دھری گئی پس مرگ
نہ ھوا دل کے اضطراب میں فرق
کم ھے میری وفا سے تیری جفا
روز محشر نہ ھو حساب میں فرق

ھمارے عشق کو تو اے جنوں نہ رسوا کر
کہ پیرھن کے سبب سینے کے ھیں پنہاں چاک

ھم نے دیکھا ھے تماشا آمد سیلاب کا
کب کسي کے روکے سے رکتا ھے جب آتا ھے دل
بے قراري دل کي میں کیوں کر جتاؤں یار کو
سینے پر جب ھاتھ رکھتا ھے ٹھہر جاتا ھے دل

خواهاں کام جاں هیں، تن آسانیوں میں هم
تا زندگی رهیں گے پشیمانیوں میں هم
اس خود نما کا آئینہ خانہ تھا دو جہاں
مرنے کے بعد بھي رهے حیرانیوں میں هم
دیکھا کبھی نہ خار کي دامن کشی کا لطف
صحرا کي سیر کو گئے عریانیوں میں هم
آب بقا خضر کو مبارک رهے همیں
کافی هے جام زهر که هیں فانیوں میں هم
ناخواندگي سے کہتے هیں نامہ کے میرے حرف
یارب نہ کیوں لکھے گئے پیشانیوں میں هم

فردوس کي گل گشت کو بھی چلتے هیں رضواں
دوزخ میں ذرا سینک لیں یہ دامن ترهم
یارب هو برا تفرقہ انداز فلک کا
مشتاق اُدھر یار هے بے تاب اِدھر هم

طالع خفتہ مرے کہتے هیں شور حشر سے
چونک اتھیں عالم کے مردے پر نہ هوں بیدار هم
انتہاے عشق میں هونا هے کافر ایک دن
تار تار جیب سے بنوا رکھیں زنار هم
گھر همارے آج وہ خورشید پیکر آئے گا
دیکھتے هیں شام میں کچھ صبح کے آثار هم

مے فروش اپنا سبو اب هم سے اتهواتا نہیں
ایک دن غفلت میں کہہ بیتھے تھے هیں هشیار هم
رو رهے هیں یه جو منهہ ڈهانکے سرهانے لاش کے
زندگی میں تھے انھیں کے طالب دیدار هم

هم نے آنکھیں موند لیں دنیا کا پردہ کھل گیا
بیتھے ارباب بصورت جام جم دیکھا کریں
طرفہ صحبت هے ' هماری شکل سے بیزار تم
اپنی یه خواهش تمھیں هم دم بدم دیکھا کریں

شیخ خلوت میں مریدوں سے کرے جو تلقین
رند چرچا سر بازار کیا کرتے هیں

ایک هے حسرت و امید مرے مذهب میں
جب سے طالب هوں ترا ' کچھ مجھے مطلوب نہیں

انداز ترک عشق عبث رو بروے یار
ناصح ! رفو کتاں کو نه کر ماهتاب میں

آیا تھا عیادت کے لئے یار کئی دن
میں کیوں نه رها اور بھی بیمار کئی دن

کیا ملاحت رخ جاناں میں ہے اللہ اللہ
آگیا جس کے تصور سے مزا آنکھوں میں
سات پردوں میں اگر رہنے سے ہے شوق تجھے
یہ بھی اک منظر پاکیزہ ہے آ آنکھوں میں

جا ہمرہ رقیب نہ سیر چمن کو تو
ظالم نہ تازہ کر مرے داغ کہن کو تو
مجنوں کسی کی چشم کا شاید بندھا ہے دھیان
پھروں سے تک رہا ہے کھڑا کیوں ہرن کو تو
حسرت کشوں کا اور ہی درجہ ہے عشق میں
پرویز آپ سا نہ سمجھ کوہ کن کو تو

جانب مسجد نہیں جاتا ہوں میں بہر نماز
صندل بت خانہ جب تک زیب پشانی نہ ہو

سرو سے قد پہ اٹھا ہاتھ جو انگڑائی کو
مستزاد اُس نے کیا مصرعہ رعنائی کو

فراق یار میں چنداں نہیں ہوں میں مجبور
ہر آن مرگ مری میرے اختیار میں ہے
پلٹ گیا وہ پری نیم راہ سے سو بار
عجب اثر دل وحشی کے اضطرار میں ہے

صبر کا ناصح نہیں یارا مجھے　　چارہ گوي نے تری، مارا مجھے

دل کے جانے کا "شہیدي" حادثہ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

نہ رکھ آنکھوں پہ میري، آستیں لطف اے ہمدم
کہ اشک سرخ کے ہمرہ دل کا غم نکلتا ہے
"شہیدي" سے نہیں واقف مگر اتنا تو واقف ہیں
کہ راتوں کو کوئی کرتا ہوا ماتم نکلتا ہے
جي چاہے گا جسکو اُسے چاہا نہ کریں گے
ہم عشق و ہوس کو کبھي یکجا نہ کریں گے

مرے گھر آکے یوں دامن کشاں وہ گل گذر جاتا
نہ میرا ہاتھ نکلا ضعف کے باعث گریباں سے

یار نے گوش "شہیدي" میں کہا وقت وداع
رو لے دو آنسو فراق جسم و جاں کا وقت ہے

اے دل! نکال اپنے سب ارماں شب وصال
ہنگام صبح تک مجھے مہلت اجل سے ہے

هم دل افسردوں کي تکليف "شهيدي" هے عبث
اور کر ديں گے دم سرد سے محفل ٹھنڈي

آکر غم صنم نے يہاں تک کيا هجوم
پائي نه ميں نے کعبے ميں فرصت نماز کی

کيا هي يه پيرهن کا بوجھ ' مجھ کو هے لاکھ من کا بوجھ
جاں کو گراں هے تن کا بوجھ ' جسم کو روح بار هے

ياد بندے کي اُسے هے يا نهيں کس کو خبر
ياد اُس کي تو خدا کا شکر هردم هے مجھے

قتل کرتا هے مجھے وه اپنا عاشق جان کر
هاتھ سے اسکے گلے پر ميرے ' خنجر کيا چلے

پھينک دي هاتھ سے احوال قيامت کي کتاب
سن کے واعظ نے بيان شب هجراں هم سے

اس پند سے دل ' ناصح ديں دار نه توٹے
بت توڑ نے ميں کعبے کي ديوار نه توٹے

اور غافل ہوئے سن سن کے ہمارا احوال
ان کو نیند آگئی عشاق کے افسانوں سے
تیرے خرقے نے چھپایا ہے ''شہیدی'' تجھ کو
یار بے عیب کو پردہ نہیں عریانوں سے

شکر دیدار صنم کی آرزو دونوں کو ہے
یاں زباں کو آنکھیں' آنکھوں کو زباں درکار ہے
مل چکا صندل جبیں پر درد سر جاتا رہا
اس مسیحا دم کی خاک آستاں درکار ہے

مشام بلبل میں رشک گل کی ہنوز بو بھی نہیں گئی ہے
ابھی وہ نام خدا ہے غنچہ ' نسیم چھو بھی نہیں گئی
"شہیدی" اتنی گماں پرستی کہ نشہ میں بھول بیٹھے ہستی
ہوئی ہے اس مے سے تم کو مستی جو تا گلو بھی نہیں گئی ہے

صوم و صلوۃ سے مجھے دن رات کام ہے
تیرے فراق میں مئے و نغمہ حرام ہے

بس تجھی پر ہے نگاہ اپنی پری خانے میں
اس قدر ہوش ابھی ہیں ترے دیوانے میں

رومال معطر ہے محبت کی جو بو سے
یہ ہمنے بسایا ہے " شہیدی " کے لہو سے

(نامہ)

سر دفتر اشتیاق کیشاں | شیدا زدہ خاطر پریشاں
تا زیست نہ ہو تمھیں کوئی غم | غم کھانے کو ایک ہم ہیں کیا کم
اپنی ہے یہی دعا خدا سے | تم خوش رہو ہم موے بلا سے
انجم سے جو شب شمار غم ہے | دن کو مجھے کاروبار غم ہے
کس سے کہیں آہ حال اپنا | فرقت میں ہوا وصال اپنا
سوز تپ غم سے ہوں بہ جاں میں | جلنے میں علم ہوں شمع ساں میں

قطعہ

اک روز وقت پاکے جو کی میں نے اُس سے عرض
آزردہ خاطروں کے ستانے سے فائدہ
بولے کہ واقعی بڑے بیدادگر ہیں ہم
ہم سے کسی کو دل کے لگانے سے فائدہ

امیر

محمد یار خاں نام ، رام پور کے رهنے والے خاندانی نواب اور صاحب جاہ تهے - آبائی جائداد کي آمدنی علاوہ پچاس هزار روپیہ سالانہ نواب شجاع الدولہ کي وراثت سے ان کو ملتا تها " امیر " ذهین ، ذی مروت ، سخي اور عالی حوصلہ امیر تهے ، فن موسیقي میں کمال رکهتے تهے اردو شاعري کي طرف توجہ کی تهوڑے هی دنوں میں اچها کهنے لگے ، "قائم" اور "مصحفی" دونوں سے تلمذ تها ، "مصحفی" سے آخر تک فیض حاصل کرتے رهے - شعرا کا هجوم رهتا تها - سنہ ۱۷۷۴ع میں وفات پائي -

" امیر " کے کلام پر " مصحفي " کا رنگ خاص هے ، غزل میں واردات اور اخلاقیات دونوں اچهے اسلوب سے نظم کرتے هیں -

---

انتخاب

بیٹھے بٹھائے کوچۂ قاتل میں لے گیا
یارب برا ہو اس دل خانہ خراب کا

جس سر میں ہے جیوں حباب دعوے
واں زیر کلاہ کچھ نہ نکلا

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

کہاں کي عمر؟ کس کی زیست؟ یہ سب
حباب آسا ہے جھگڑا اک نفس کا

داغ دل لے چلے گلي سے تري
چاہئے کچھ نشان کی خاطر

ہے فردا کا یہ وعدہ ' کیا قیامت
نہیں عاشق کو تیرے آج ہي کل

کیوں سیل کچھ تجھے بھی خبر ہے کہ مثل موج
جائیں گے کس طرف کو ہیں آئے کہاں سے ہم

ماہیت خلق خوب سمجھے
پر آپ سے بے خبر گئے ہم

اپنی ہستی پہ ہیں موقوف جہاں کے جھگڑے
مٹ گئے آپ ہی جس وقت تو پھر نام کہاں

جو حالت درد دل کی دل پہ گزرے ہے سو دل جانے
یہ دل کی بات ہے دلبر! کسی بے دل سے مت کہیو

گر وقت ذبح نالہ کیا میں نے کیا ہوا
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زباں چلے

بھول کر بھی نہ کبھی عشق کا لوں گا پھر نام
آج اگر جان سے چھوڑے ہے تری یاد مجھے

جوں نقش قدم نام کو ہستی ہے ہماری
اک باد کے جھونکے میں نہ ہم ہیں نہ نشاں ہے

مسرور

شیخ میر بخش نام ' شیخ " مصحفي " کے شاگرد کاکوری ضلع لکھنؤ کے رهنے والے تھے ' دهلي کی سیاحت بھي کی تھي - بلند مضامین پیدا کرنے کی کوشش کرتے هیں ' ایسا معلوم هوتا هے که ان کي خواهش کے مطابق الفاظ نهیں ملتے تغزل کا رنگ اچھا هے ' مضمون افید-ریدی میں " مصحفي " کا انداز نمایاں هے حتی‌الوسع کوئی لفظ بیکار نهیں لاتے ' زبان بھی شسته هے ترکیب صاف اور بندش چست هوتي هے ' بے ساختگی سے معلوم هوتا هے که دل چوٹ کھایا هوا هے -

انتخاب

گھونگھٹ کا شرم پر ھے حجاب اور دوسرا
پردے میں رخ ھے' رخ پہ نقاب اور دوسرا

تاثیر کي نہ آہ دل نار سا نے کیا
آنا تھا جلد دیر لگائي قضا نے کیا
دست جنوں کے ھاتھہ سے "مسرور" دیکھتا
پھلاے پاؤں اس مرے چاک قبا نے کیا

بزم خوباں سے جو میں رات بہ‌صد یاس اٹھا
درد بے ساختہ اک دل کے میرے پاس اٹھا

اس حسن کی داد اس دل دل گیر سے لوں گا
آنکھوں کا مزا میں تری تصویر سے لوں گا

بت خانہ کو اس بت کے جھکي ساری خدائي
اس سال بھلا طوف حرم کون کرے گا

بیٹھے تھے کس خوشي سے سنانے کو حال دل
وہ بھی بیان رات کو سارا نہ ہو سکا

قافلے والوں کي اللہ کرے خیر کہیں
گم ہے کچھ آج کے دن بانگ درا کیا باعث

پہلو سے لے گئے دل دل گیر کھینچ کر
اچھا سلوک تم نے کیا تیر کھینچ کر

تو مجھ سے دشمنی بھی فلک اس قدر نہ کر
کس نے کہا ہے ہجر کي شب کو سحر نہ کر
مرنے کو زندگي تو سمجھ درد عشق میں
"مسرور" اپني جان کا ہرگز خطر نہ کر

اے دل تو مے عشق کو ہشیاري سے پینا
گر پڑتے ہیں اس بزم میں مے خوار سنبھل کر

فرصت نہیں ہے درد جگر کو تو کیا کریں
مقدور بھي تو اس کي دوا کر چکے ہیں ہم

چمن میں زمزمہ سنجي کروں میں کیسے صبا
قفس میں قید مرے ہم صفیر کتنے ہیں

لگائیں کیوں نہ ہم آنکھوں سے ان کے ہاتھوں کو
جو چلتے دم ترا دامن سنبھال دیتے ہیں

بے اثر نالوں سے کچھ اب تو نکلتا نہیں کام
ہم انہیں گرد رہ بے اثری کرتے ہیں

دن وصل کے، رنج شب غم بھول گئے ہیں
یہ خوش ہیں کہ اپنے تئیں ہم بھول گئے ہیں
جس دن سے گئے اپني خبر تک نہیں بھیجی
شاید ہمیں یاران عدم بھول گئے ہیں
یا راحت و رنج اب ہے مساوات ہمیں کو
یا آپ ہی کچھ طرز ستم بھول گئے ہیں
کچھ ہوش ٹھکانے ہوں تو لیں نام کسي کا
ہم دے کے کہیں دل کي رقم بھول گئے ہیں

وہ کبھي بھولے سے ہم کو یاد بھی کرتے نہیں
جن کي خاطر ہوش کیا ہم جي گنوائے بیٹھے ہیں

اے جوش اشک وقفہ کوئی دم ضرور ہے
کب تک لگے ان آنکھوں پہ ہم آستیں رہیں

باهیں گلے میں ڈور کے کس طرح ڈال دوں
گر حکم ہو تو آپ کا دامن سنبھال دوں

طلوع ہو کہیں صبح مراد جلد کہ ہم
جگر کو تھامے شب انتظار بیٹھے ہیں

ہر تان پہ دل کھینچے نہ کس طرح وہ "مسرور"
اللہ نے بخشی ہے یہ تاثیر گلے میں

بے چین دل کرے ہے مرے تن کو ' کیا کروں
اے دوستو ! بغل کے میں دشمن کو کیا کروں

سر کو پٹک پٹک شب ہجراں کہوں ہوں میں
خنجر پہ رکھ دوں جاکے میں گردن کو کیا کروں

مل رہیں گے زیست گر باقی ہے پھر اے ہمدمو
اب تو جاتے ہیں' جدھر میرا خدا لے جائے ہے

اے دست جنوں اس کا لگادے تو ٹھکانا
دم تنگ مرا میرے گریباں کے تلے ھے

پڑھتا ھے کھڑا فاتحہ وہ فتنۂ دوراں
محشر کہیں برپا مرے مدفن سے نہ ھوے

سانولي دیکھہ کے صورت کسي متوالے کی
گو مسلمان ھوں بول اٹھتا ھوں جے کالی کي

ٹکڑے ٹکڑے کئے دامن کے تو اے دست جنوں
رحم کر اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئي

تدبیر بس اب اس کي ذرا ھم سے نہ ھوگی
اے درد جگر تیري دوا ھم سے نہ ھوگی

وہ اپنی جاں فشانیاں ساري نہ بھولئے
سب بھولئے پہ یاد ھماري نہ بھولئے

یہ گر کے شمع پہ پروانے رات کہتے تھے
سمجھہ لے دل میں کہ ھے گرم انجمن ھم سے

کس کام کي هے بے مئے و معشوق زندگي
افسوس دن شباب کے یوں رائگاں چلے

کهہ دو ! مجنوں سے که پهرتا هے تو کیا دل تهامے
ناقہ اتهتا هے ذرا لیلے کا محمل تهامے

عیشی

طالب علي خاں نام ' لکھنؤ کے رهنے والے " مصحفي " کے شاگرد تھے فارسي میں ' قتیل " سے اصلاح لیتے تھے - فارسي اور اُردو دونوں زبانوں میں صاحب دیوان تھے مگر دونوں دیوان نایاب هیں - بعض اور کتابیں بھي ان کی تصنیف سے تھیں مگر اب نہیں ملتیں- "عیشی" کے کلام میں آورد کا رنگ غالب هے مگر بیاں میں وہ زور اور بندش میں وہ چستي هے کہ معمولي خیالوں میں رفعت اور بے مزہ باتوں میں لذت پیدا هو جاتی هے - فارسی ترکیبیں ان کے کلام میں بہت ملتي هیں - کہیں کہیں " مصحفی " کا رنگ جھلک جاتا هے -

انتخاب

ہے قصور اے ہم نشیں سرتا سر اپنی دید کا
ورنہ ہر ذرے میں تاباں نور ہے خورشید کا

گر حصول مدعا ہو، ور نہ ہو ہم شاد ہیں
وقف برق یاس ہے خرمن یہاں امید کا

باغ فانی کے گلوں پر ہے یہ رنگ دل‌پذیر
ہوگا کیا عالم بہار گلشن جاوید کا

دل میں آتا ہے نظر وہ جس نے دل پیدا کیا
جلوہ پیرا ہے جمال اس جام میں جمشید کا

سب کو رقیب کہئیے کس کس سے رشک کیجے
خورشید دار اس کا جلوہ کہاں نہ ٹھہرا

دل گرفتہ ہوں کروں گا ہوکے میں آزاد کیا
مجھ کو یکساں ہے چمن کیا خانۂ صیاد کیا

ہچکیاں آتی ہیں ہم کو شیشۂ مے کی طرح
مے کشوں کو آج ساقی نے کیا ہے یاد کیا

رنگ تاثیر بھی نالوں کو وھی دیتا کاش
جس نے سوتے میں کیا یہ دل نالاں پیدا
داغ تنہائی سے جلنے کو ھوئے ھم ''عیشی''
صورت شمع سر گور غریباں پیدا

کون پا بند جنوں فصل بہاراں میں نہ تھا
اس برس ننگ جوانی تھا جو زنداں میں نہ تھا
چشم پوشی ھے عبث مجھ سے کہ مانند سر شک
دیکھتا مجھ کو کہ اک جنبش مژگاں میں نہ تھا
''عیشی'' اس مے کدے میں کب ھمیں لائی تقدیر
درد بھی جب کہ خم بادہ پرستاں میں نہ تھا

لذتیں چشم تماشا کو ملیں یاں کیا کیا
یاد آوے گا کوئی دل میں گلستاں کیا کیا
اول شام خبر موت نے لی ورنہ ھمیں
رنج کیا جانے دکھاتی شب ھجراں کیا کیا
آمد عشق ھی میں صبر نے رخصت مانگی
اس سے رکھتا تھا توقع دل ناداں کیا کیا

دشمن و دوست سے اُلفت ھے ز بس کام اپنا
محتسب تھامے جو ساقی سے کرے جام اپنا

تنہا میں اس جہان کی منزل میں رہ گیا
اور داغ ہم رہان سفر' دل میں رہ گیا
" عیشی " مشابہت رخ جاناں سی تھی اُسے
پر داغ عارض مہ کامل میں رہ گیا

گلچیں کا دل جلا نہ کبھی اس کے حال پر
تاثیر آہ بلبل نالاں سے دور تھا
دھویا نہ اس کے دامن دل سے غبار کیں
جوش سرشک دیدۂ گریاں سے دور تھا

مزرع امید کی خشکي تھی ہمت کو قبول
آسماں سے پر نہ میں باران رحمت مانگتا
گر دل دیوانہ کي مقبول کرتا حق دعا
میں لٹانے کے لئے گلزار جنت مانگتا

ناکامي قسمت ہمیں تب بزم میں لائي
خالی سر خم کرچکے جب بادہ کشان بلند
یاں صورت نے دم ھے تن زار میں "عیشی"
زنہار نہ ھوں گے لب فریاد و فغاں بلند

وفاداري مری کب اس جفا کاری کے قابل تھی
ستم گر تونے محبوبوں کا کھویا اعتبار آخر

یہ قسمت دیکھئے صیاد جب آزاد کرنے کو
لگا پر کھولنے میرے ' ہوئي فصل بہار آخر
اسیر دام ہستی کو نہیں طول امل لازم
کہ ہو جاتی ہے پل میں یہ حیات مستعار آخر

نے کبھي روئے نہ پٹکا سر کو گاھے سنگ پر
مفت اپنا خوں ہوا جرم شکست رنگ پر
کیسے مشتاق نوا ہیں گوش ہائے اہل بزم
کیا مصیبت پڑ گئی مرغان خوش آہنگ پر

ہیں زلف تابدار کے ' زندانیوں میں ہم
رہتے ہیں اُلجھے سخت پریشانیوں میں ہم
خون اس کے ہاتھ میں دم تکبیر بھر گیا
محشر تلک رہیں گے پشیمانیوں میں ہم

تبسم سے نہیں لب آشنا اپنے کبھو برسوں
ہنسے زخم نہاں گاھے ' سو روئے ہیں لہو برسوں
نہ اپنے نے ہمیں پوچھا نہ بیگانے نے وحشت میں
بہ رنگ گل رہا چاک گریباں بے رفو برسوں

یہی وحشت ہو تو اک دن لگاکر آگ گلشن میں
پڑے ہوں گے لپیٹے منھ کسی صحرا کے دامن میں

کرے کیا امتیاز کفر و دیں چشم حقیقت بیں
وہی تسبیح کا رشتہ ہے زنار برہمن میں

سخن اس کے عجائب لطف لکنت میں دکھاتے ہیں
نزاکت سے زباں پر حرف کیا کیا لڑکھڑاتے ہیں

فریاد کس کے ہاتھ سے کیجئے کہ جادۂ وار
راہ وفا میں ہم ہوئے پامال کارواں

اپنا کیا ذکر نیست و بود کریں بے نمودی کی کیا نمود کریں

گریہ نے فرصت نہ دی یار کے دیدار کی
ڈوب گئے لیکے ہم دل کی امنگ آب میں

زیست کی امید کیا رکھوں کہ سینے میں ترے
ایک بھی پیکان بے لذت جگر کھنچتا نہیں
سر گرانی اتنی بیمار محبت سے نہ کر
ایک دو دن سے اب اس کو بیشتر کھنچتا نہیں

رونقیں، آباد یاں، کیا کیا چمن کی یاد ہیں
بوے گل کی طرح ہم گلشن کے خانہ زاد ہیں

بھکا کدھر کدھر بھرا ' میں کہاں کہاں
افسوس مجھ کو چھوڑ گیا کارواں کہاں

تا چند سر کو پھوڑئے دیوار باغ سے
رونق چمن کی لے گئی باد خزاں کہاں

مانند سایہ نا فلک اپنا عروج ہے
اُفتادگی سے پھونچے ہم آخر کہاں کہاں

نالہ سو بے اثر ہے دعا ہے سو نا قبول
کیا جانے آگیا تھا وہ نا مہرباں کہاں

لانا ادھر نہ بوئے گل اے موج باد صبح
میں کم دماغ اور یہ بار گراں کہاں

بے رحم باغبان ہے اور بے وفا بہار
باندھا تھا ہم نے آ کے عبث آشیاں کہاں

جنوں نے پائے وحشت آشنا باھر نکالے ھیں
مرے دامن سے تانکو عرصۂ محشر کے دامن کو

گریباں گیر گردوں ہے غبار راہ محرومي
کسی کي خاک سے جھٹکا کسی ظالم نے دامن کو

نہ دیکھا ناز نیلان چمن کا سانحہ " عیشی "
جہاں سے اٹھ گیا میں چھوڑ کر آباد گلشن کو

گل گراں گوش و چمن صورت حیراني ہے
کس ,گلہ, کار , میں , ھمیں , حکم فزا , خواني , ہے

کف افسوس بہم ملتے ہیں مژگاں، یعنی

آخر اس دید کا انجام پشیمانی ہے

قطع کر رشتۂ احباب تعلق "عیشی"

ترک جمعیت دل بے سر و سامانی ہے

پر خطر راہ ہے اور رخت سفر بھاری ہے

خضر توفیق ازل وقت مدد گاری ہے

بختیاری ہے جسے ہو مرض عشق نصیب

لاکھ دردوں کی دوا ایک یہ بیماری ہے

نالۂ مرغ چمن سن کے، میں خوں روتا ہوں

بسکہ دل شیفتہ لذت غم خواری ہے

گو ہر اشک ہوں یکتا ہوں کہاں میں "عیشی"

نامرادی سے مجھے چشم خریداری ہے

نہ پہنچا ساتھ یاران سفر کے ناتوانی سے

میں سر پٹکا کیا اک عمر سنگ سخت جانی سے

مرید مرشد ہمت ہوں میں میری طریقت میں

کفن بھی ساتھ لاتا ننگ ہے دنیائے فانی سے

شراب عشق کا ساغر دیا ہے مجھ کو ساقی نے

نہ اٹھوں گا میں محشر کو بھی اپنی سر گرانی سے

همیں وہ راہ بتلائی ہے خضر عشق نے "عیشي"
نشان رفتگاں پیدا ہے جس میں بے نشاني سے

یہ تصور نے ترے جلوہ گري دکھلائی
کہ مرے اشک میں دیتی ہے پری دکھلائي

صلح کس سے تھی کہ دل وابستہ تھا آرام سے
کس سے اب بگڑی کہ ہر دم عافیت سے جنگ ہے

سر مژگاں پہ لگے لخت جگر دیکھ چکے
یہ بھی ہم نخل محبت کے ثمر دیکھ چکے
دیکھو "عیشي" کہیں بدنام نہ ہو بیٹھ کے یاں
بزم خوباں سے اٹھو ایک نظر دیکھ چکے

بے اثر نکلیں جو کیں ناصح نے تدبیریں کئي
رات توڑیں تیرے دیوانے نے زنجیریں کئي

وہاں صیاد ظالم سان پر خنجر چڑھاتا ہے
اسیر دام یاں پابند اُمید رہائی ہے
بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ہم گلشن میں رہتے ہیں
نہ الفت باغباں سے ہے نہ گل سے آشنائی ہے

اٹھایا اپنا سر بیمار نے کیوں اپنی بالیں سے
مگر شاید کسي کے پاؤں کی آواز آئي ھے

جب سے وہ رشک گلستاں پئے گلگشت آیا
ھر دم اک تازہ خلل رونق گلزار میں ھے

عشق کے رنج یہی ھیں تو ھم
ایک دن جي سے گذر جاویں گے
کم ھوئی بانگ جرس بھي یارب
ھم سے وا ماندہ کدھر جاویں گے
تنگ سے ھاتھ اٹھا کر آخر
نام ھم عشق میں کر جاویں گے
لوگ کیا سن کے کہیں گے دم نزع
آپ بالیں سے اگر جاویں گے
تا چمن دوش صبا پر صیاد
میرے اکھڑے ھوئے پر جاویں گے

چشم کس ترک کي شمشیر لئے پھرتی ھے
کہ قضا حسرت تکبیر لئے پھرتي ھے
کوئی اس فصل میں دیوانہ ھوا ھے شاید
کہ ھوا ھاتھ میں زنجیر لئے پھرتي ھے

بوئے گل ہوں میری عریانی کے درپے کیوں ہے چرخ
آپ کب رہنا مجھے منظور پیراہن میں ہے
ایک مجسم ناتوانی ہے یہاں سرتا قدم
لوگ کہتے ہیں، تن رنجور پیراہن میں ہے

تجھ کو اے رنج گراں‌جانی! خدا غارت کرے
عاقبت ہم بار دل ہائے عزیزاں ہو گئے
استخواں ہی کچھ فقط یاں خنجر پہلو نہیں
خوں کے قطرے بھی رگوں میں میری پیکاں ہوگئے

کبھی صیاد چھیڑے، ہاتھ گاہے باغباں ڈالے
چمن میں کیا سمجھ کر کوئی طرح آشیاں ڈالے
بنا کر مجھ کو سر سے تا قدم ایک ضعف کا پتلا
قضا نے دوش پر کیا کیا مرے بار گراں ڈالے
وفاداری وہ دکھلاؤں کہ خود کھینچے پشیمانی
خدا سے چاہتا ہوں تو بنائے امتحاں ڈالے
ہجوم ناتوانی کم نہیں تسخیر ''عیشی'' کو
کوئی کیوں پاؤں میں ایسے کے زنجیر گراں ڈالے

کاش اے رخنۂ دیوار چمن تیری طرح
دور سے ہم بھی تماشائے گلستاں کرتے
دی اجل نے نہ اماں ورنہ دکھاتے وہ وفا
کہ تجھے تیری جفاؤں سے پشیماں کرتے

هر گام‌ پائے سعی میں سو خار توڑئے
سر رشتہ جستجو کا نہ زنہار توڑئے

هر جام‌ رشک ساغر جمشید ہے ہمیں
آباد ساقیا! تری بزم طرب رہے

جلا دے طور او سوز نہانی
اوٹھائے کون ناز لن ترانی
کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی
شراب صاف کا دے جام ساقی
مکدر ہے ز لال زندگانی
نہ پیری میں ستا اے محنت عشق
اوٹھاتی تھی ترے صدمے جوانی
کیا خاک در مے خانہ مجھ کو
جز اک اللہ دور آسمانی
شب غم میں مواجل جل کے "شیشی"
ستا ہے شمع محفل کی زبانی

ہستی کا جو اپنی مجھے مختار بناتے
سو بار مٹاتا میں جو سو بار بناتے

غافل

منور خاں نام، فقیر محمد خاں گویا کے دوست، لکھنؤ کے رھنے والے - مصحفی کے شاگرد تھے - "غافل" ایک خوش گو شاعر ھیں ان کا کلام حشو و زوائد سے پاک ھے - اِن کی زبان میں شیرینی اور طرز ادا میں دل نشینی ھے، اُن کی شاعری درد سے خالی نھیں ھے مگر انبساطی کیفیت نمایاں ھے - اُن کی بعض غزلیں عوام تک میں مشھور ھیں -

---

انتخاب

آکے سجادہ نشیں قیس ھوا میرے بعد
نہ رھی دشت میں خالی مری جا، میرے بعد

دوستی کا بھی تجھے پاس نہ آیا، ھے ھے
تونے دشمن سے کیا مرا گلا، میرے بعد

گرم بازاری الفت ھے مجھی سے ورنہ
کوئی لینے کا نھیں نام وفا، میرے بعد

منھ پہ لے دامن گل روئیں گے مرغان چمن
باغ میں خاک اڑائے گی صبا میرے بعد

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

تجھ کو اے بلبل مبارک ہو یہ سامان بہار
دم کے دم مثل صبا ہیں ہم تو مہمان بہار
آب و رنگ گل ہمارے گریۂ خونیں سے ہے
دیدۂ پر خوں ہے اپنا ، میر سامان بہار

آتش جو ہمارے تن پر داغ کی بھڑ کی
دامن سے بجھائی تو گریباں میں لگی آگ

جلوہ برق کم نما ہیں ہم
ہے جو ہستی یہی تو کیا ہیں ہم
وصل میں بھی نہیں مجال سخن
اس رسائی پہ نارسا ہیں ہم
چتونوں میں وہ شوخ کہتا ہے
قہر ہیں، فتنہ ہیں ، بلا ہیں ہم
خوف محشر ہے کیا ہمیں "غافل"
پیرو آل مصطفی ہیں ہم

صدمۂ ہجر مری جان، اٹھانے کی نہیں
تو نہ آئے گا تو کیا موت بھی آنے کی نہیں
اپنے مجنوں کی ذرا دیکھ تو بے پروائی
پیرہن چاک ہے اور فکر سلانے کی نہیں

مبتلا رنج مکافات میں فرزانے ھیں
پرسش حشر سے فارغ ھیں' جو دیوانے ھیں

شب فراق میں بھلائیں کس سے دل اپنا
نہ ھم دموں میں کوئي ھے نہ ھم نشینوں میں
جہاں جہاں عرق افشاں وہ ماہ رو گذرا
چمک رھے ھیں ستارے سے اُن زمینوں میں

اللہ رے شرم حسن کہ مجنوں کو دیکھ کر
چھپ چھپ گیا ھے ناقہ لیلی غبار میں

تر اشک خوں سے گوشۂ داماں ھے ان دنوں
کیا آب و رنگ پر یہ گلستاں ھے ان دنوں
باھر ھیں اپنے جامے سے دیوانگان عشق
از بسکہ جوش فصل بہاراں ھے ان دنوں
بیدار بخت ھمسا زمانے میں کون ھے
بالین خواب ز انوے جاناں ھی ان دنوں

نگاہ یار ھم سے آج بے تقصیر پھرتی ھے
کسی کي کچھ نہیں چلتی ھي جب تقدیر پھر تي ھے
تري تلوار کا منھ ھم سے پھر جائے تو پھر جائے
ھماري آنکھ کب قاتل نہ شمشیر پھرتي ھے

کبھی تو کھینچ لائے گی اُسے گور غریباں تک
کہ مدت سے ہماری خاک دامن گیر پھرتی ہے
مقام عشق میں شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے
زلیخا ہر گلی کوچے میں بے توقیر پھرتی ہے

چمن کوچۂ جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو باد صبا آتی ہے
صبح کس طرح سے ہوگی شب دیجور فراق
نہ تو نیند آتی ہے مجھ کو نہ قضا آتی ہے

دورنگی ذرا باغ دنیا کی دیکھو
جو روتی ہے شبنم تو ہنستی کلی ہے
کہیں آنسوؤں سے نہ دھو ڈالیں آنکھیں
ابھی خاک اُس در کی منھ سے ملی ہے

مے خوردہ جو وہ نرگس شہلا نظر آئے
تو صبح گلستاں کا تماشا نظر آئے
اُٹھ جائے جو غفلت کا در چشم سے پردا
اس آئینہ دل ہی میں کیا کیا نظر آئے

مانع سیر عدم تار نفس ہیں اپنے
کٹتی زنجیر تو ہم قصد بیاباں کرتے

هم نے جو دل میں ٹھانی تھی وہ بات کر گئے
نام فراق سنتے ہی جی سے گذر گئے
کب اُن سبک رووں کا نشان قدم ملے
جو اس چمن سے مثل نسیم سحر گئے
"غافل" پہ مہرباں نہ ہوا وہ شباب میں
کہنے کو بات رہ گئی اور دن گذر گئے

منصور

محمد جعفر نام ، لکھنؤ کے رہنے والے ، مصحفي کے شاگرد تھے -
ان کے کلام کی سب سے نمایاں خوبی ان کي زبان کی صفائي اور روانی ہے -
ان کے یہاں ایسے الفاظ بہت کم ملتے ہیں جو بعد کو متروک ہوگئے -

---

انتخاب

یہ بے قراري ہوئی شب کہ کوئے جاناں میں
ہزار بار گیا اور ہزار بار آیا

وہ لب میگوں جو یاد آئے مجھے " منصور " رات
میں لب ساغر سے لب اپنا ملا کر رہ گیا

آیا دو چند مجھ کو نظر حسن روئے یار
عینک کا کام روزن دیوار نے کیا

سوجھتا ھی نہیں کچھ تیرے تصور سے مجھے
ایک سا حال ھے بے ھوشی و ھشیاری کا

کیا لخت جگر پارۂ آتش ھے خدا یا
آنکھوں سے نکلتی ھے جو مژگاں میں لگی آگ

ترے چمن کی روش باغباں نہیں معلوم
اسیر تازہ ھوں طرز فغاں نہیں معلوم
کیا ھے شرم محبت نے ایسا پوشیدہ
کہ مجھ کو بھی مرا راز نہاں نہیں معلوم

سحر شمع شبستاں ھوں میں
شام پروانۂ سوزاں ھوں میں
دیکھ اے گل مرے داغوں کی بہار
اک تماشائے گلستاں ھوں میں

یاروں سے میں گو جدا رھا ھوں پر دل سے تو آشنا رھا ھوں
گلشن اک مدرسہ ھے میرا بلبل کو سبق پڑھا رھا ھوں

فکر یاروں کو مرے جیب سلانے کی نہیں
اور یہ کیا ھے جو تاثیر زمانے کی نہیں

خدا کے فضل و کرم پر نگاہ کرتے ھیں
گنہ گار ھیں، لاکھوں گناہ کرتے ھیں

چشمک تھي غضب، سحر نگہہ، قہر اشارا
کافر تري ھر ایک ادا لے گئی جي کو

آمد آمد ھے بہاراں کی جنوں کا جوش ھے
پھاندئے دیوار گلشن توڑئے زنجیر کو

مال دنیا چھوڑ جائیں گے جہاں میں بادشاہ
قبر میں بھي فقر کي دولت گدا کے ساتھہ ھے

انگور کے سایہ تلے میں مست رھا بیٹھہ
شاید کوئی دانہ مري تقدیر سے ٹپکے

جان جاتي ھے شب ھجر، نہ یار آتا ھے
نہ تو موت آتي ھے، نہ دل کو قرار آتا ھے
کیا چلي جاتی ھے ناقے کو بڑھائے لیلٰے!
پیچھے پیچھے ترے مجنوں کا غبار آتا ھے

اِس ھستی موھوم پہ کیا ناز کریں ھم
ھے ایک کف خاک سے بنیاد ھماري

غم هو تو اميد رکھ خوشي كي
رونا بھي دليل هے هنسي كي
هر ايک نفس كي آمد و شد
ديتي هے خبر روا روي كي

چاهئے اتنا هو استغنا گدا کے واسطے
هاتھ بھی اپنے نه پھیلائے دعا کے واسطے

قيد خانه هوگا مے خانه فراق يار ميں
موج مے ميرے لئے زنجير پا هو جائے گي

طياري هو مينا و مئے و جام كي "مخمور"
ايام قريب آئے هيں توبه شكني کے

تنہا

شیخ محمد عیسیٰ نام ' دھلی کے رھنے والے تھے ' مگر دھلي کي سکونت چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا - ان کا خاندان شرافت اور نجابت میں مشھور تھا -

'' تنھا '' ' '' مصحفي '' کے نہایت عزیز و رشید شاگرد تھے - وہ بذلہ سنج ' خلیق اور سلیم‌الطبع شخص تھے -

غزل میں گداز ھے لیکن زبان '' مصحفي '' سے پہلے کی معلوم ھوتي ھے وھي تک وھي دوانا '' میر تقي '' اور مرزا سودا کي زبان ھے تاھم سادگی میں بہت کچھ کہہ جاتے ھیں -

سنہ ۱۲۲۲ھ میں ڈاکوؤں نے مار ڈالا - غزلوں کے علاوہ مثنوي مخمس اور رباعیاں بھي لکھي ھیں ' لیکن وہ قابل ذکر نہیں -

غزلوں کي تعداد بھي ۵۸ سے زیادہ نہیں -

انتخاب

گو قافلے سے یارو " تنہا " رہا ہے پیچھے
دن تو ابھی بہت ہے' کیا ڈر ہے جا ملے گا؟

ہو وے گا کوئي لطف و عنایت کا دوانا
" تنہا " ہے فقط آپ کي صورت کا دوانا

لے ہاتھ میں تک دامن کو اٹھا ' ہے یہ بھي کوئی چلنے کی ادا
خاک اس کي تو یوں برباد نہ دے' جو راہ میں تیری خاک ہوا

بازار دھر میں ہوں میں وہ جنس نا قبول
جس کو کبھی نہ لیوے خریدار ہاتھ میں
افسوس کي جگھہ ہے یہ " تنہا " کہ چھٹ گیا
ہاتھ اس کا آ کے میرے کئي بار ہاتھ میں

ان دنوں چاک ہے پیراہن گل اے " تنہا "
ہم کوئي اپنے گریبان کو سلا سکتے ہیں

خانہ آباد، چھوڑ تیری گلی   ہم کس اجڑے ہوئے نگر جاویں

چشم تر گور غریباں پہ نہ کی
ابر رحمت اِسے کیا کہتے ہیں

ساقی نے دیا تھا جو، معلوم نہیں مجھ کو
جام مے گل‌گوں تھا، یا دام گرفتاری

میں جو روتھا تو منا کر مجھے وہ یوں بولا
کہیے کیا کرتے؟ جو تم کو نہ مناتا کوئی

گرچہ اک عالم پہ ہے بیداد، تیرے ہاتھ سے
وہ نہ کر جو میں کروں فریاد تیرے ہاتھ سے

پھر ہمیں سوئے چمن شوق اسیری لے گیا
جب ہوئے صیاد! ہم آزاد تیرے ہاتھ سے

ہے جی میں اس کے کاکل پر خم کو دیکھئے
اس آرزو کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

لے کے ہر دم آہ دل سے لب تلک آنے لگی
نا توانی بھی ہمیں زور اپنا دکھلانے لگی

اب پشیماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہوگئی
رو بہ و غیروں کے کیوں میں نے قسم کھائی تری

جوشش

شیخ محمد روشن نام ، جسونت راے ناگر کي اولاد میں تھے - علم عروض میں کافی دخل تھا کہتے ہیں کہ خواجہ "میر درد" کے پیرو تھے ، لیکن ان کا کلام " درد " کی خصوصیات سے خالی ہے بہرحال اپنے رنگ میں اچھا کہتے ہیں ان کے کلام میں خاص طرح کی چاشني ضرور ہے -

---

انتخاب

جي سیر میں گلزار کی، تن کنج قفس میں
یہ صید گرفتار اِدھر کا نہ اُدھر کا

سر اُس کی تیغ سے جب تک جدا نہ ہو وے گا
کسی طرح سے حق اُسکا ادا نہ ہو وے گا
دل و جگر هي پہ آفت نہیں فقط " جوشش "
جو ہے یہي ترا رونا تو کیا نہ ہو وے گا

"جوشش" مت رو دل و جگر کو
کس کا کس کا تو غم کرے گا

اُس کی آنکھوں کو دیکھیں اے "جوشش"
منھہ تو دیکھو شراب خواروں کا

نہ پھولتے ھیں شگوفے نہ غنچے کھلتے ھیں
چمن میں شور پڑا کس کے مسکرانے کا
جیسا کہ دل پہ زخم ھے اُس کے خدنگ کا
گلشن میں ایک گل نہیں اِس آب و رنگ کا

قیس پھرتا جو رھا دشت میں، دیوانہ تھا
اُس کو لیلےٰ ھی کے دروازے پہ مرجانا تھا

کل بزم میں سب پر نگہہ لطف و کرم تھی
اِک میری طرف تونے ستم گار نہ دیکھا
جز چشم بتاں میکدۂ دھر میں "جوشش"
ھم نے تو کسی مست کو ھشیار نہ دیکھا

نگاہ لطف سے دیکھا یہی غنیمت ھے
سلام اُس نے ھمارا لیا لیا نہ لیا

نہ شکل شیشہ آتی ہے نظر نے جام کی صورت
رھي زیر فلک پھر کون سی آرام کی صورت

دیکھئے هم میں اور ان آنکھوں میں کیا ہوتی ہے
خون کي پیاسی ہیں وہ اور تشنۂ دیدار ہیں هم

بیکسي سے یہی گلہ ہے مجھے
تھام لیتی ہے دست قاتل کو

نہ کوئي دوست ہے نہ کوئي مرا دشمن ہے
ایک یہ دل ہے غرض دوست ہے یا دشمن ہے

ممکن نہیں کہ دیکھئے روئے شگفتگی
جب تک بہ رنگ غنچہ گریباں نہ پھاڑئے

صورت پرست ہوں میں مانند آئینے کے
جو کچھ ہے میرے دل میں سو میرے رو بہ رو ہے

کشور عشق میں رسوا سر بازار ہوئے
اُس کے هاتھ آپ بکے جس کے خریدار ہوئے

دن میں سو سو بار تیرے کوچے میں آنا مجھے
اس میں سودائي کہے کوئي کہ دیوانا مجھے

ریحاں

دیا کرشن نام ، شاہ آباد کے رہنے والے تھے ، مگر ایک مدت تک لکھنؤ میں قیام رہا -

عام طور پر مصحفی کے شاگرد مشہور ہیں، مولف خمخانۂ جاوید نے " موجی " شاگرد " مصحفی " کا شاگرد لکھا ہے -

واجد علی شاہ کے زمانے میں راجہ الفت رائے کے بخشی تھے نازک مزاج ، اور وضعدار تھے ، علمی استعداد معقول تھی غزل میں اخلاقی مضامین کا عنصر غالب ہے ، روانی اور صفائی بھی ہے ، لفظی پابندیوں سے دامن بچاتے ہیں -

سنہ ۱۸۸۵ع میں وفات پائی -

اِنتخاب

تہمت ہے تیغ تیز پہ ' خنجر پہ اِتہام
قاتل ! میں کشتہ ہوں تری ترچھي نگاہ کا

بے خیال بندگي' باب عنایت کھل گیا
نزع میں میں نے رجوع قلب جب دم بھر کیا

عقدہ کھلتا هي نہیں تقدیر کا
گھس گیا ناخن مری تدبیر کا
نوک مژگاں کي خطا اس میں نہیں
خود بنا عاشق نشانہ تیر

جب دیا حور نے مجھ رند کو جام کوثر
رشک زاهد کو هوا میری گنہ گاري کا

اے سرو کر نہ یار کے قامت کا سامنا
قامت کا سامنا ' ہے قیامت کا سامنا

نہ کچھ جینے کی راحت ہے نہ کچھ مرنے کا ہے کھٹکا
علاقہ اُٹھ گیا دونوں سے جب سے دل کہیں اٹکا

آنکھوں میں سمایا جو ترے گھر کا تصور
کعبہ نظر آیا نہ کلیسا نظر آیا

فرہاد تیری ہمت عالی کو آفریں
جی کھو کے عاشقی کا تماشا دکھا دیا

جائے جو چاہے سوے دیر و حرم
ہم تو بیٹھے ہیں در دلدار پر

دیکھیں تو وہ موزوں ہے کہ بوٹا سا یہ قامت
ہو جاؤ کھڑے سرو گلستاں کے برابر

دشمن کسی کا ہوکے کوئی کیا بنائے گا
انساں کا اختیار نہیں اپنی جان پر

کیا کہوں بھول گیا ورنہ خدا سے کہتا
مجھ کو دیوانہ نہ کر اس کو پریزاد نہ کر

رند و زاهد کي لڑائی کو نہ جانے کم کوئي
خون کي ندي بہے گی خلد میں کوثر کے پاس

اور جینے کي آرزو کیا ہو ؟ کیا بنایا اگر جئے اب تک

مرے بس میں کبھی اے دلربا اپنا نہ آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کرلیتے ہیں قابو میں پرایا دل

سچ ہے کہ نہ ہو بان حقیقت، مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نہ ہو راہ پر صنم

زندگی کس طرح اے "ریحاں" کٹتے
عاشقي سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

آنکھوں پر اختیار ہے، اچھا نہ روؤں گا
کچھ آپ میرے دل کو بھي سمجھاتے جاتے ہیں ؟

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں هم بھي کیا میٹھي بات کہتے ہیں

یہ بھی اسی کی اے بت بے رحم شان ہے
بندہ خدا کا ہوکے میں سجدہ ترا کروں

سوال کرتے نہیں ، گو زبان رکھتے هیں
گداے عشق بھي کیا آن بان رکھتے هیں

سنا هم نے کانوں سے عنقا کا نام
وفا دار ، آنکھوں سے دیکھا نہیں

کیا مرض هے درد دل، جس کی دوا هوتي نہیں
جب تلک مرتا نہیں کوئي شفا هوتی نہیں

صحبت کا لطف اےدل آپس میں تب عیاں هو
معشوق قدرداں هو ، عاشق مزاج داں هو

کہئے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میري
آپ بھی جاتے هو ، دل کو بھي لئے جاتے هو

جال میں تو پھانستے آیا هے مجھ دل گیر کو
کیا سنوں؟ ناصح ! تري الجھي هوئي تقریر کو

مجنوں کے آب رشک سے تر هے تمام دشت
پھیلے نہ پاؤں ناقے کا، اے ساربان دیکھ !

دل رنجیدہ کہتا ہے نہ بولوں یار سے لیکن
جب آنکھیں چار ہوتي ہیں مروت آ ہی جاتي ہے

پیام وصل دلبر لے کے جب قاصد پھرا میرا
پلٹ کر لب سے پھر سینے میں جان بے قرار آئي

اک جان پر ، ہزار طرح کی آڑي ، سہی
تھوڑي سی زندگي میں مصیبت بڑي سہي

صحت نامہ جواهر سخن جلد دوم

صفحه سطر	غلط	صحیح
ا-١١	شعر	شعرا
و-٨	شعروں	شاعروں
م-١٠	شفارش	سفارش
ن-٩	افتار	رفتار
س-١٣	حسن	چسں
ق-٧	لالیه	لاکهه
ر-١٤	ابیات غزل میں تاثیر	ابیات و غزل میں حسن تاثیر
ر-١٧	هے	وهي
ش-٥	دقت	واسوخت
٧-١٠	تهي قسمت	محبت
٢٦-١٣	مذکور	مرکوز
٣٠-٣	خوشبو	خوشبو کا
٣٥-١٠	یه	په
٣٥-١٨	کی	کے
٣٦-١	تب	جب
٤٠-١٣	نچهوڑا	نه چهوڑا
٤٢-١٥	حق	عشق
٤٤-١	برتن	برق
٥٠-١٢	چشم	خشم
٥٨-٧	کیا	گیا
٥٨-٧	بدراه	دلخواه
٦٧-١٤	هے هے	کے هے
٧٠-١٦	جهکا ؤوں گا	جهکاؤں گا
٧٣-٢	تلک	تک
٨٢-١٥	جفا	خفا
٨٥-١١	چا	چار
٩٠-٣	هے معلوم نہیں	سب کچهه هے معلوم هیں
٩٥-١٣	س	اُس
١٠٥-١١	هوا	موا
١٠٨-٣	سفیر	سفر

صفحه سطر	غلط	صحیح
١٣٢-٩	باغ صحرا	باغ و صحرا
١٣٢-١٠	صحرا	سودا
١٣٣-٣	یه ناز	نساز
١٣٧-١٨	بهی	تو
١٧٠-٨	چشم	خشم
١٧٣-١٠	دل یا	دل هے یا
١٧٣-١١	پهچان	پیچاں
١٧٥-١٣	کرنے سے	کرلے تو
١٨١-٣	قطعه	×
١٨٩-١١	خاک	چاک
١٩٠-٨	غیرت	عبرت
١٩٠-١٢	کرلي	کرے
١٩٠-١٧	کی	کے
١٩٣-١	قطعه	×
١٩٣-٥	لئے	هے
١٩٣-٦	اڑ جاوے	اڑا جاوے
١٩٣-٧	یا کوئی	یا کوئی بلادي هے
٢٠٣-١٧	کهل چلے	کهل چلے هیں
٢٠٥-٨	یاں سے هم	هم یاں سے
٢١٨-١٥	کیا	کها
٢٢٣-٣	هوں	هو
٢٢٥-٣	سب	کس
٢٢٦-١	دغ	داغ
٢٢٩-١٠	یار	یارا
٢٣٦-٢	الس	ایسی
٢٣٧-١٨	آگئی	آئهی
٢٤٣-٣	قدر منزلت	قدرو منزلت
٢٤٣-١٣	هستي	عرصۂ هستي
٢٤٣-١٩	کهیں اور خوب کهیں	کها اور خوب کها
٢٤٤-٨	انواع سنجي	انواع سخن سنجي
٢٤٥-٦	١٨٩٥	١١٩٥

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۲-۲۲۶	حرف	صرف
۱۵-۲۲۷	شکستہ پائي	شکستہ بالی
۳-۹۲۴	چھانی	چھاتی
۴-۲۲۹	بانی	باتی
۹ ۲۵۴	اشک	رشک
۱۱-۲۶۰	کو	کا
۱۳-۲۶۵	نہیں	نہیں ہے
۱۲-۲۶۷	یہ	×
۴ ۲۷۴	ذرا	ذرہ
۱۴-۲۸۱	کہاں کہ	کہاں ہے کہ
۹-۳۰۴	دور رہا	دوراہا
۱۰-۳۱۲	آئے	آئی
۳ ۳۲۵	کمیت خانے	کمیت خامہ
۱۳-۳۲۵	گل گوں	گلگوں
۲۳-۳۳۰	حسبت	جست
۲۳-۳۳۰	کلیم	حکیم
۱۸-۳۰۲	عقل	اقل
۲۲ ۳۳۲	تحلل	یتحلل
۸ ۳۳۳	قووت	قوت
۱۷ ۳۳۳	نیسا	نیساں
۱۷-۳۴۲	راھي	رھي
۲۵ ۳۴۹	وصف	دست
۲۰ ۳۵۳	مکر	فکر
۳-۳۵۵	امام عسکري	امام حسن عسکری
۸-۳۵۵	پوھیں	پوھے
۱۹-۳۵۵	۳۶	۳۹
۷-۳۵۶	خوشی	خوشی سے
۸-۳۵۶	معاصرین	معاصرین
۱۳-۳۵۷	دیکھیے	دیکھیے کہ
۲۰-۳۵۷	مجازی	مجازی کا
۲۲-۳۵۷	مجار	مجاز
۱۰-۳۵۸	شیرین	شرینی
۱۳-۳۶۹	سایہ‌ار	سایہ دار

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۰-۳۹۵	ثرب	شرب
۷-۳۹۶	گفتگو کو	گفتگو کر
۵-۳۹۹	ضمیر	خمیر
۱۰-۳۹۹	کا	کے
۸-۴۰۰	اگر	اگر میرے
۸-۴۰۰	نہ تھا	نہ ھوتا
۱۹-۴۱۳	لائیں ھم	لائے ھیں ھم
۴-۴۱۴	کیا	کب سے
۱۹-۴۱۵	یا کریں	یا نہ کریں
۱ ۴۲۴	جاں بار	جاں باز
۹-۴۳۵	پردھے	پردے
۲۴-۴۳۷	موسریوں	مولسریوں
۱-۴۳۸	موسریوں	مولسریوں
۶ ۴۳۹	وات	رات
۵-۴۴۱	نظریں	نذریں
۱۸-۴۴۲	اک اک کی	رک رک کے
۲۱-۴۴۳	اشک	رشک
۴-۴۴۴	مکیں	ملیں
۱۴-۴۴۶	سب دل	سب کے دل
۵-۴۵۴	فطرت تھا	فطرت میں تھا
۱۳ ۴۵۴	میر	میر سوز
۱۷-۴۵۴	صور	صورت
۸-۴۶۲	جھکتا	جھتکتا
۱۳-۴۶۷	نصاے	نصائح
۱-۴۶۸	ناقدي	ناقدري
۱۲-۴۶۹	تیرے	تیري
۲۰-۴۸۲	ھندوستان	ھندستان
۹-۴۸۴	آتی	آتے
۶-۴۸۶	گل	گھائل
۷-۴۸۶	دیکھو	دیکھیو
۸-۴۸۶	بوسے	بوسي
۱۶-۴۸۸	راہ لي	راہ لے
۸-۴۸۹	ترن	ترے

صفحہ و سطر	غلط	صحیح
۵-۴۹۰	درد	دور
۵-۵۰۳	بہی	بھي
۱۵-۵۰۴	یر	پر
۱۸-۵۰۴	تم دیکھہ کے	دیکھہ لیجیو
۸-۵۱۰	انظار	انتظار
۱۲-۵۱۰	کیا کھول	کیا کھوں
۳-۵۱۳	جیتے	چپتے
۱۶-۵۱۳	درد بام	دروبام
۶-۵۱۸	درد دیوار	درو دیوار
۱۱-۵۱۸	هي	هے
۱۵-۵۲۵	سب	شب
۱۳-۵۲۹	کچھہ بات	کچھہ تو مجھہ سے بات
۸-۵۴۲	یکتا هے	یکتاے
۱۷-۵۴۸	کس هے	کس کو هے
۱-۵۴۹	پڑتا	پڑتا هے
۷-۵۵۲	تہاهدوز	تاهدوز
۱۲-۵۵۶	پھر کے	پھر سے
۱۳-۵۶۱	هو چکي	هو چکے
۴-۵۶۲	سدر تو هو	سیر تو هے
۷-۵۶۲	اُتھتے هی	اُتھتے هیں
۸-۵۶۲	تیرے پاس	تیري باس
۵-۵۶۴	حباب	حجاب
۶-۵۶۴	سچ	سج
۲-۵۶۷	سے	هے
۱۰-۵۶۸	بادب هو کے	مؤدب هو
۲۲-۵۶۹	تھی	تھے
۱۲-۵۶۹	طرق	فرق
۱۴-۵۶۹	عشرت نعم	عشرت و نعم
۱۷-۵۶۹	با	یا
۱۳-۵۷۰	وادے الامر منکم	واولی الامر منکم آ
۲۴-۵۷۱	نرگس جادو	نرگس جادو
۲۳-۵۷۱	لت	رت
۳-۵۷۲	هیں امرا	هیں سب مرا
۴-۵۷۲	فوجوں کی	فوجوں کے
۴-۵۷۲	غت غت	غت کے غت
۱۶-۵۷۲	سی	سے
۱۶-۵۷۲	کیت	بیت
۱۷-۵۷۳	یہ قدرت	ید قدرت
۱۰-۵۷۴	اسرفیل	اسرافیل
۲-۵۷۵	دهلي قیام	دهلی کے قیام
۲-۵۷۷	سمری	سحری
۴-۵۷۷	سحري	سفری
۱۸-۵۷۹	اظار	انتظار
۵۸۰ ۳-۴-۶ ۸-۱۰	تهرے گا	تهہرے گا
۱۱-۵۸۴	کسي	کس
۱۵-۵۸۴	تب	تپ
۱۳-۶۰۸	تصدبع	تصدیع
۵-۶۱۱	کي	کے
۹-۶۱۲	چھت	پھت
۱-۶۲۹	ازو	آرزو
۵-۶۳۰	مدے	ترے
۱۴-۶۳۲	پھر هیں	پھرتے هیں
۸-۶۳۰	عالم هوں	عالم میں
۱۶-۶۳۰	اپنے کلاہ	اپني کلاہ
۱۳-۶۴۳	وقي رهے	رهے وهي
۱-۶۴۶	رشک	اشک
۱-۶۵۰	ناز پسیں	باز پسیں
۱۱-۶۶۰	انشا کے	انشائے
۸-۶۷۲	پهونی	پهنچی
۹-۶۷۴	کم طرف	کم ظرف
۱۴-۶۸۰	مرے	مری
۱۱-۶۸۱	سے	سي
۱۸-۷۰۶	اُس چڈم	اِس چشم
۷-۷۰۸	هي	هے
۴-۷۲۷	بیٹا مجھہ کو	سن کے بیٹا
۸-۷۲۷	مرا پیماں	مرے پیماں میں

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۴-۷۲۷	بیٹھے ہو	بیٹھے ہے تو
۱۷-۷۲۷	یہ	سب
۲-۷۲۸	تھم	تم
۱-۷۳۱	فضلو	فضل علي
۱۲-۷۳۱	اُن کي	اپنی
۷-۷۳۲	صبر	جبر
۸-۷۳۴	ان دنوں	اِک زنداں
۱۴-۷۶۱	مل جا کہیں	مل جاے کہیں
۱۰-۷۶۲	ذوق	شوق
۱۲-۷۶۲	واے	درسے
۴-۷۶۳	نظم آتے ہیں	نظم کرتے ہیں
۲-۷۸۳	آئینہ	آئینے

صفحہ سطر	غلط	صحیح
۱۲-۷۸۸	دے	د
۱-۷۸۹	ززو	آ
۵-۷۹۴	پرھن	پیرہ
۳-۷۹۷	آمدنی علاوہ	آمدنی کے ۲۰
۴-۷۹۷	وراثت	سر
۱-۸۰۰	میر بخش	پیر بخش
۱۳-۸۰۲	بھی	بـ
۵-۸۰۵	متوالے	متوالـ
۲-۸۲۴	جعفہ	جعـ
۷-۸۳۱	اوو	میـ
۴-۸۳۱	دوبہ و	دوبـ